منظور الامین

سنِ اشاعت : ۱۹۹۵ء
تعدادِ اشاعت : چار سو
کتابت : فضل محمدؐ
طباعت : جوائے اینڈ جوائے آفسیٹ پرنٹرس حیدرآباد
سرورق : رفیعہ منظور الامین
ناشر منظور الامین
قیمت : ۱۵۰ روپے

ملنے کا پتہ : B 3
FAIRVIEW
ROAD NO 7
BANJARA HILLS
HYDERABAD.34
TEL: 395145

یہ کتاب فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی

حکومتِ اتر پردیش لکھنو کے مالی

تعاون سے شائع ہوئی

★

لیلیٰ مجنوں

(قصۂ عاشق و معشوق جانباز)

(شہرہ آفاق شاعر نظامی گنجوی کی فارسی مثنوی

لیلیٰ مجنوں کا منظوم اردو روپ)

رفیعہ

"بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من"

کردار

داستان گو
شاہ (قیس کے والد)
دخترانِ رے
عوام
قیس (مجنوں)
خارِ دشت
سائیں
مُلّا
ہم سبق
آواز
شاعر
دلِ قیس
پاسبانِ لیلیٰ
وزیرِ اعلیٰ

سیّد ناصری (لیلیٰ کے والد)
عامران
وزیر
صحافی
لیلیٰ
خارِ دشت
کاہن
عازمانِ حج
خلق
اوباش
رعایا
نظامی
کبکِ دری
مؤرخِ مشرقی

سوسن
ہزار داستان
قمری
دُرّاج
شہباز
طیور
ظہیر شامی
ابن سلام
شیخ سلام
نوفل
حواری ۱، ۲، ۳، ۴
رحمان تاجک
نورین
قوی دست
جوان
میانجی
جرنیل
دود کی آواز
غزال
صیاد ۱

خلقت
غزالانِ دشت
دوسرا غزال
شعاع
گوزن (گائے)
صیاد ۲
زاغ
خلقِ خدا
فقیر درویش
عجوز
شتر سوار
صیاد ۳
فلسفیٔ ہند
درندے
حکمراں
رقیب
سگبان
نوجوان
وزیرِ یمن
شاہِ یمن

عطر شناس
فضل بن غفار
دیہاتی
شہسوار
مطرب
سلیم عامری
شام
خاور شاہ
حاجب
زاہد
دنیا
مادرِ قیس
پیر بزرگ
بادِ صبا
شاطر
سیانا
شیخ العقل
سلام بغدادی
استاد
زید
عم زید
زمانہ

لیلیٰ مجنوں کا قصہ ہمارے لئے کوئی نئی داستان نہیں آپ
اور ہم برسوں سے اسکو جانتے ہیں عرصے سے یہ کہانی ہمارے منچ پر پیش کی
جاتی رہی ہے اس حکایت کی فلمیں بھی بنی ہیں ریڈیائی ناٹک اور ٹیلی ویژن
ڈرامے بھی، شہروں اور دیہاتوں میں جب کبھی اسے پیش کیا گیا تو سبھی نے
بڑے شوق سے اسے دیکھا اور اس پر اپنی پسندیدگی کی مہر لگائی۔

فارسی میں یہ قصہ شیخ نظامی گنجوی نے مثنوی کی شکل میں لکھا تھا
جو 'لیلیٰ مجنوں نظامی' کے نام سے مشہور ہوا، نظامی کو سرآمد مثنوی گویاں کہا
گیا ہے، شیخ نے کل پانچ مثنویاں تحریر کی تھیں پہلی تو یہی 'لیلیٰ مجنوں' جسے
قبولیتِ عام حاصل ہوئی دوسری 'مخزنِ اسرار' جو بہرام شاہ رومی کے لئے
لکھی گئی تھی اس کے صلے میں نظامی کو پانچ ہزار دینارِ سرخ اور خاصی تعداد
میں اونٹ معاوضے کے طور پر ملے تھے۔ تیسری مثنوی ہے 'خسرو شیریں' جو
طغرل ارسلان سلجوقی کی خاطر لکھی گئی تھی۔ چوتھی 'ہفت پیکر' اور پانچویں

(سکندر نامہ بری و بحری) (مثنوی لیلیٰ مجنوں نظامی) شروع سے آخر تک ایک ہی بحر میں تحریر کی گئی ہے "اے نام تو بہترین سر آغاز" سے لیکر "ہشیار کن ہزار مجنوں" تک بس ایک ہی سبک اور رواں بحر ہے جو چار ہزار بیت کی اس نظم میں نظامی نے استعمال کی ہے یہ بحر عام طور پر مثنوی کی بحر مانی گئی ہے اردو شاعروں نے بھی اکثر اسی بحر میں مثنویاں لکھی ہیں۔ پنڈت دیا شنکر نسیم کی شہرۂ آفاق مثنوی "گلزارِ نسیم" اسی بحر میں لکھی گئی ہے۔

سنبل مرا تازیانہ لانا ؛ شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا

لیلیٰ مجنوں کے قصّے کو جو فارسی میں ہے میں نے اردو میں لکھنے کی کوشش کی ہے ایک طویل نظم کی شکل میں، ایسا کرتے ہوئے حافظ کا یہ شعر میرے ذہن میں تھا سہ

در رہِ منزل لیلیٰ کہ خطرہا ست دراں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

ٹیلی ویژن محکمے میں اپنی گوناگوں ذمہ داریاں اٹھاتے ہوئے میں کس حد تک یہ انوکھی صحرانوردی کر پایا ہوں اس کا فیصلہ آپ کریں، قصہ اردو میں نظم کرتے ہوئے میں نے مثنوی نظامی کی رائج بحر بھی استعمال کی ہے اور قصے کے ارتقا اور دیگر تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اور کئی بحریں بھی، اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ صرف روایت کا سہارا نہیں لیا گیا دوسرے گفت گو میں تنوع پیدا ہوا اور ایک ہی بحر کی یکسانیت دور ہو گئی۔

میں نے بنیادی داستان میں بعض جگہوں پر اضافے اور تبدیلیاں کی ہیں یہ قصّے کو ڈرامائی انداز میں لکھا ہے اور اس میں نئے کردار بھی شامل کئے ہیں کچھ ایسے

واقعوں کا اپنی طرف سے اس قصّے میں اضافہ کیا ہے جو ہماری آپ کی آج کی زندگی کے بعض اہم مسائل سے تال میل رکھتے ہیں ان مسائل کو دانستہ طور پر اس قصے کے تانے بانے میں اسطرح بُننے کی سعی کی گئی ہے کہ وہ روحِ عصر کا آہنگ بن کر ہمارے سامنے آئیں۔ اس ضمن میں میری کوشش یہی رہی ہے کہ ان نئے واقعوں کے اضافے کی وجہ سے داستان کے بنیادی ہیولے اور تسلسل میں کوئی فرق نہ ہو۔

عرض کرنا چاہونگا کہ یہ تبدیلیاں اور انحراف شعوری طور پر کئے گئے ہیں کوشش اس بات کی گئی ہے کہ ہماری اور آپ کی انفرادی زندگی اور حیاتِ اجتماعی کی چند ایک بوقلموں عصری حقیقتوں کو اس حکایت میں اس طرح پرو دیا جائے کہ اسباب و علل کی اس کائینات میں واقعیت کا ادراک آسانی سے ہو سکے چاہتا ہوں کہ ان مقامات کی توضیح و تشریح کردں۔

جیسا کہ پہلے دستور تھا کہ ہر قصّے کی ابتدا اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر سے ہوتی تھی۔ مثنوی لیلیٰ مجنوں نظامی میں بھی نظامی نے یہی روایت برقرار رکھی ہے اس کے بعد شہنشاہ شہر قاب قوسین سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتِ شریف ہے۔

بعد ازاں خلفائے راشدین کو ہدیۂ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ نظامی اس کے بعد سلطان سریر کائینات ختم الرسل کے برق پیکر براق اور رفرف پر معراج میں راتی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور پھر سدرۃ المنتہیٰ کے آگے تک جانے، قدرت کے نمونے دیکھنے، حضرت ذوالجلال کی دید اور کلام حق سُننے کا ذکر کرتے ہیں پھر قاطع حادثِ آفرنیش کے ذکر سے گذرتی ہوئی۔ یہ مثنوی براعتہ استہلال تک جا

پہنچتی ہے۔ جس کے پیرائے سے نظامی لیلیٰ مجنوں کی اس داستان کو نظم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

اس کے بعد خاقانِ کبیر ابو مظفر اختسان منوچہر گور کہ جنھیں 'زیبندۂ ملک ہفت کشور' اور 'کیخسرو ثانی' 'کیقباد پیکر' کے القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ کی شان میں نظامی نے ایک قصیدہ رقم کیا ہے۔

اس کے بعد خود کے پسر کو فرزند ملک کے سپرد کرنے کا بیان آتا ہے۔ اور پھر شکایتِ حالِ خویش' خود کے فرزند کو نصیحت اور ساقی نامے کی منازل آتی ہیں اور تب لیلیٰ مجنوں کی اصل داستان کا آغاز ہوتا ہے۔

اردو میں' میں نے اس قصے کا آغاز اس مقام سے کیا ہے جہاں سے فارسی میں لیلیٰ مجنوں کی اصل داستان شروع ہوتی ہے' دوسرے لفظوں میں یہ کہوں گا
ان تمام منازل کو جن کا ذکر ابھی ابھی ہوا ہے میں نے اپنی اس داستان میں شامل نہیں کیا۔ میرے خیال میں اس امر کی نشان دہی ضروری ہے تاکہ اس بات کی صراحت ہو جائے کہ 'حدیثِ دل' مثنوی لیلیٰ مجنوں نظامی' کا حرف بحرف' لفظ بہ لفظ' فقرہ بہ فقرہ' مصرع بہ مصرع اور شعر بہ شعر ترجمہ نہیں ہے
بنیادی قصے کی روح کو برقرار رکھتے ہوئے
ان واقعات اور حکایات سے جن کا تذکرہ مثنوی میں کیا گیا ہے۔ تخلیقی استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے ساتھ ہی نظامی کی مثنوی میں کئی باتیں بڑی دلچسپ ہیں۔ یہ خمسہ پڑھتے ہوئے میں اکثر سوچتا تھا کہ کیا ایسی باتیں ممکن بھی ہیں۔ مثلاً نظامی نے ایک بڑھیا کا ذکر کیا ہے۔ جس کے گلے میں پھندا ڈال کر اس کا

شوہر بازار میں کھینچتے ہوئے لئے جا رہا تھا"

اتفاق سے پرانے اخباروں کے Archives کے بارے میں پڑھتے ہوئے مجھے لندن کے ڈیلی ٹائمس کے ۵/مئی ۱۹۳۲ء کے شمارے میں ایک ڈاکٹر برٹن کا خط پڑھنے کو ملا اس خط کا ترجمہ نیچے دے رہا ہوں۔

"میں نے شہر نارفوک کی سڑک پر ایک دیہاتی کو دیکھا جس کے ساتھ ایک عورت تھی' اس عورت کے گلے میں رسی بندھی ہوئی تھی۔ یہ دیہاتی مرد اس عورت کو بیچنا چاہتا ہے۔ اور کھینچے ہوئے لے جا رہا تھا۔ چنانچہ ایک آدمی نے اس عورت کو دس شیلنگ میں خریدا تھا یہ ۱۸۲۰ء کا واقعہ ہے"۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں ذکر کیا گیا میں نے بعض نئے کردار 'حدیثِ دل' میں شامل کئے ہیں جن کا وجود اصل مثنوی میں کہیں نہیں ان کے بارے میں گفتگو آگے قدرے تفصیل سے کی جائے گی۔

آپ کی توجہ 'حدیثِ دل' کے FORMAT کی طرف بھی مبذول کرنا چاہتا ہوں سنسکرت زبان کی بعض نگارشات میں ایک معروف سا کردار بار بار سامنے آتا ہے جسے سوتردھار सूत्रधार کہتے ہیں' داستان میں تسلسل اور روانی کی موجودگی ان بزرگوار کی ذمہ داری ہوتی ہے اور یہ اسے بڑی خوبی سے نبھاتے بھی ہیں ایک اسی طرح قدیم داستانوں کو داستان گو سنایا کرتے تھے ریڈیو میں راوی اور ٹیلی ویژن میں ANCHOR PERSON کا تعلق بھی اسی قبیلے سے ہے' میں نے 'حدیث دل' ایک داستان گو کی زبانی کہلوائی ہے اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ کرداروں کے تعارف میں آسانی ہو گئی' دوسرے قصے کی سلسلہ بندی کا مرحلہ

سہل ہو گیا۔

اب ان چند کرداروں کا ذکر کرنا چاہوں گا، جو نظامی کی مثنوی میں موجود نہیں، یہ ہیں:

دختران ِ دہ، عوام، خارِ دشت، سائیں، شاعر، دلِ قیس، پاسبانِ لیلیٰ، صحافی کاہن، اوباش، ظہیر شامی، حواری، رحمان تاجک، نورین، جرنیل، شعلہ، فلسفی ہند فضل بن غفّار، مطرب، شام، بادِ صبا، شاطر سیانا، شیخ العقل، استاد، زمانہ وغیرہ۔

ان کرداروں کو داستان میں شامل کرنے کی مختلف وجوہات ہیں، آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان میں سے بعض کردار بالکل ضمنی ہیں ایسے کرداروں سے فقط ایک آدھ مکالمہ ہی کہلوایا گیا ہے لیکن وہ فقرہ اپنی جگہ اہم ہے مثلاً سائیں کا کردار جو صرف دو مصرعوں میں بادشاہ سے بات کر دیتا ہے۔ ؎

اب وقت وہ آگیا ہے خسرو   تم قیس کو درس گاہ بھیجو

اس مختصر سے مکالمے سے قصے کو ایک نیا موڑ ملتا ہے کیونکہ اس بزرگ سائیں کے مشورے سے ہی قیس مکتب جاتا ہے جہاں لیلیٰ سے اس کی ملاقات ہوتی ہے اور پھر بات آگے بڑھتی ہے سائیں داستان میں پھر کبھی نہیں آتا۔ سگانِ تیز چنگال کی حکایت میں رقیب کا کردار جو صرف ان پانچ لفظوں میں رقابت کے شعلے اگل کر گفتگو کو آتشی رنگ دے دیتا ہے،

ہے مرگِ مفاجات اس کا نصیب

عائدانِ رح جو ان الفاظ میں قیس کے والد کو مشورہ دیتے ہیں۔

جب لی ہے حرم کی آپ نے راہ　　　اچھا ہو اگر ہو قیس ہمراہ

اس کے بعد عازمانِ حج کا ذکر داستان میں کبھی نہیں آتا۔

داستان میں ہندوستانی تمدن کے اظہار کیلئے فلسفیٔ ہند کا کردار ہے جو

پوت ہو کپوت تو دھن کا ہے کو　　　پوت ہو سپوت تو دھن کا ہے کو

کی خوب صورت تکرار کے ذریعے بات کو پُر تاثیر بنا دیتا ہے مثنوی لیلیٰ مجنوں میں یہ کردار موجود نہیں،

میری کوشش یہ رہی ہے کہ ان کرداروں کے ذریعے بات میں ہر لحظہ نیا رنگ آتا جائے دوسرے یہ کہ ان کی شمولیت سے حکایت میں مزید معنویت پیدا ہو تیسرے ان کے توسط سے حقیقت اور افسانے کا ایک فطری امتزاج سامنے آئے چوتھے قصّے میں ان کے شامل کر لینے سے عصری افکار کی نمود ہو، اکثر مقامات پر عصری تقاضوں سے مطابقت اور ہم آہنگی ان کرداروں کی وجہ سے وجود میں آئی ہے۔

جہاں نئے کردار حکایت میں شامل ہوئے ہیں وہاں اکثر ایک نئے واقعے کی تخلیق بھی عمل میں آئی ہے۔ مثلاً فضل بن عطّار (جو پیشے سے تو عطّار ہے لیکن قدرت نے جسے اعلیٰ ذوق سے بھی سرفراز کیا ہے) کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ ایک نیا واقعہ ہے نظامی کی مثنوی میں اس کا کہیں ذکر نہیں یا پھر کچھوے اور شیخ العقل کی حکایت جو طربیہ پیرائے میں آج کے ان بزرگواروں پر طنز ہے جو ہیں تو جاہل محض لیکن جنھوں نے مشہور یہ کر رکھا ہے کہ عقل و خرد کے تعلق سے وہ اوروں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

نورین ایک ایسی ہستی ہے جسے آپ آج کے سیاق وسباق میں "نامہ نگار جنگ" کہہ سکتے ہیں یہ کردار بھی مثنوی نظامی میں کہیں نہیں۔

ڈرامائی اسلوب کو اپناتے ہوئے میں نے داستان کے شروع ہی میں "دختران رے" کو متعارف کیا ہے، جو ایک choral group کی شکل میں سامنے آتی ہیں اور صنف نازک کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہیں جس سے یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ عورت کا انسانی زندگی میں وہ مقام ہے کہ یہ اگر بزم سے اٹھ جائے چراغاں نہ رہے، مثنوی نظامی میں یہ کردار موجود نہیں، خارِ دشت، کے نام سے میں نے ایک صحرائی شخصیت کا تعارف کروایا ہے۔ خارِ دشت کی آبلۂ قیس سے گفتگو کا ایک واقعہ نظم کیا گیا ہے یہ واقعہ بھی مثنوی نظامی میں موجود نہیں ہے۔

اسطرح محاورہ مابین ملاّ و قیس، مکالمہ مابین پاسبانِ لیلیٰ و قیس، گفتگو درمیانِ صحافی وہم سبق نظامی کی مثنوی میں نہیں ہیں۔

ایک کردار "کاہن" کا ہے جو مختصر سے عرصے کے لئے آتا ہے اس کے ذریعے زندگی کے بعض حقائق کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ ؎

ہے یہی روزِ ازل سے ایک دستورِ حیات
سر اٹھاکر جو چلے گا سرنگوں ہو جائیگا
آئیگا طوفان اجڑ جائے گی اک دن کشتِ ظلم
ہر ستم گر ایک دن خوار و زبوں ہو جائیگا

کاہن کا کردار بھی نظامی کے یہاں نہیں ہے۔

نظم کے ایک اور حصے میں جہاں لیلیٰ بغرض تفریح باغ عنبر کو

گئی ہے میں نے کئی پرندوں کے نام تحریر کئے ہیں یہ نام نظامی کی مثنوی میں نہیں ہیں۔

محاورہ مابین رحمان تاجک و سید ناصری داستان کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوتا ہے کرنیل اور جرنیل کے کردار داستان میں عصری رنگ پیدا کرتے ہیں، خاندانی منصوبہ بندی جیسے آج کے موضوع کو میں نے اس نظم میں شامل کیا ہے۔ صیاد ہماری عصری زندگی کے اس مسئلے کو یوں پیش کرتا ہے۔

میں ایک غریب آدمی ہوں	اسباب نہیں ہیں کچھ دکھی ہوں
ہے جیب مری سدا ہی خالی	اس پر مری کثرت العیالی
پس جن کے بہت بڑے ہیں کنبے	غمگین ہیں وہ مری طرح سے
کنبہ ہوتا میرا جو چھوٹا	ہوتا نہ خسارہ اور نہ ٹوٹا

حب الوطنی، غلامی اور آزادی جیسے آج کے تصورات بھی نظم میں شامل ہیں حب الوطنی کے سلسلے میں آپ کی توجہ یوم آزادی کے موقع پر غزالانِ دشت کے نغمے کی طرف مبذول کرنا چاہونگا۔

محاورہ مابین زاغ و قیس ——— اسے میں نے جس انداز سے لکھا ہے وہ میری رائے میں تخلیقی نوعیت کے اضافے کی ایک شکل ہے زاغ کو خلقِ خدا نے بیسیوں نام دیئے ہیں جن سے اس پرندے کی بدنامی ہوتی ہے ان القاب کو سُنکر زاغ کا دل پارہ پارہ ہے قیس اس کے ان زخموں پر مرہم رکھتا ہے۔

آدمِ خاکی سے بہتر اور برتر زاغ ہے
آدمی انسانیت پر ایک کالا داغ ہے

جائے تن کے بارے میں قیس کا مکالمہ اور 'دنیا' کے عنوان کے تحت

اشعار ہماری آپ کی عصری زندگی سے مطابقت رکھتے ہیں نظامی کے یہاں یہ سچویشنز نہیں ہیں۔

سلام بغدادی کے اس حصے میں جس کا عنوان ہے "کیا ہوئے وہ اہلِ ایماں؟" میں براڈکاسٹنگ کی بعض تکنیکی اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً

پُراثر، بے لاگ دردِ قیس کی لے طولِ موج
نشر ہوتی ہے تو اجونہی اسے ملتا ہے اوج
جا پہنچتی ہے سفر کرتی ہوتی وہ مستقل!
اُس جگہ تک جس جگہ پر نصب ہے لیلیٰ کا دل

ایک جگہ لیلیٰ کا سراپا قیس کے الفاظ میں اور دوسری جگہ "رنگ ہائے رنگا رنگ" اس امید سے پیش کر رہا ہوں کہ یہ آپ کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا باعث ہوں گے۔

اس میں کیا شک ہے کہ قیس کی شخصیت ایک بوقلموں شخصیت تھی، وہ عاشق تھا، حُسن شناس تھا، صحرانورد تھا، نبّاضِ فطرت تھا، شاعر تھا، اس نظم پر اس کی شخصیت پوری طرح حاوی ہے۔

اب آپ کی توجہ قیس و لیلیٰ کی آخری ملاقات والے نظم کے اس حصے کی طرف مبذول کروانا چاہتا ہوں جو "وہ ۔۔۔ برسائے کہ بس" عنوان سے شروع ہوتا ہے اور جس میں لیلیٰ و قیس دونوں نے ہی اپنے عشق کا بے باکانہ اور بے حجابانہ ذکر کیا ہے اس کے ساتھ ہی آپ زید کی زبان سے کہلوائے گئے ان اشعار پر بھی غور فرمائیے گا جن میں زید، قیس کو لیلیٰ کی وفاتِ حسرت آیات

کی اطلاع دیتا ہے۔ نظم کے یہ سارے ہی حصے میری رائے میں تخلیقی اضافوں کی نوعیت رکھتے ہیں۔

اس طویل نظم کا اختتام ایک نوحے سے کیا گیا ہے جس میں، میں نے راجہ رام نرائن موزوں کا وہ مشہور شعر استعمال کیا ہے جو انھوں نے سراج الدولہ کی شہادت کی خبر سُن کر لکھا تھا تاریخ شاہد ہے کہ ننگِ آدم میر جعفر کے سپوت میرن نے پلاسی کی جنگ میں شکست خوردہ سراج الدولہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس سراج الدولہ کو جو اپنے ملک کی حفاظت کی خاطر غاصب انگریزوں کے خلاف سینہ سپر تھا۔

پچھلے صفحات سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ میں نے کوشش یہ کی ہے کہ بعض ایسے انحرافات کی نشاندہی کر دوں جو مثنوی لیلیٰ مجنوں نظامی کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے میں نے کئے ہیں۔ یہ انحرافات شعوری بھی ہیں اور لاشعوری بھی بہر حال اردو میں منتقل شدہ اس طویل نظم کے حسن و قبح کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں۔

قصۂ لیلیٰ مجنوں پیشِ خدمت ہے اس کی کمزوریاں بھی آپ کے سامنے ہیں اور کہیں کوئی خوبی نظر آ جائے تو وہ بھی آپ کی نذر ہے۔ نظامی ہی کے الفاظ میں کہوں گا ؎

زیں حیلہ فسانہا کہ گویم
با تو سخن بہانہ جویم

منظور الامین

بنجارہ ہلز حیدرآباد
دسمبر ۱۹۸۴ء

رفیعہ منظور الامین

شاعری اور محبوبہ کا گذر تو ایک ساتھ مزے سے ہو جاتا ہے لیکن دیکھا گیا ہے کہ بیوی اور شاعری ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے اسکی کئی مثالیں ہیں جن میں پیش پیش مرزا غالب ہیں ویسے مرزا تھے بھی بہت کائیاں بیوی کی بوگی کھڑی کر کے سب کچھ کر جاتے تھے اور واویلا کرتے تو بیوی کی ناقدردانی کا

قرض کی پیتے تھے ڈومنیوں میں مست رہتے تھے۔ پھر بھی دنیا بھر کی ہمدردیاں بٹورتے رہتے تھے، شہرہ تھا تو بیوی کی سفّاکی کا!

اگر ذرا سے میرے قدم ڈگمگا جاتے تو آج جھنڈے پر نام میرا بھی چڑھا ہوتا میں نے اس بدنامی سے خود کو اسطرح بچائے رکھا کہ امین جب بھی شعر سناتے تو بڑے غور سے سنتی اور اسی احتیاط سے دوسرے کان سے اڑا دیتی، اس لئے انھیں کبھی وہ شکایت مجھ سے نہیں ہوئی جو مرزا غالب کو اپنی بیوی سے تھی لیکن کائیاں شاید ہر مرد ہوتا ہے۔ بہت بعد میں مجھے ایک حقیقت کا پتہ چلا تو میرے پندار کو زبردست دھکا لگا۔ پتہ یہ چلا کہ جسطرح ان کے شعر میں ایک کان سے سنکر دوسرے سے اڑا جاتی بعینہ یہی حرکت یہ ذاتِ شریف بھی میری کہانیوں کے ساتھ کرتے تھے تب سے میں سنبھل گئی اور یہ سمجھ میں آگیا کہ اگر اپنی کہانیوں کے بارے میں ان کی

رائے سننی ہے تو ان کی شاعری پر بھی رائے زنی کرنی ہو گی لیکن گھاٹے میں پھر بھی امین ہی رہے کیونکہ ان کے اور میرے مبلغ علم کا کوئی مقابلہ نہیں ہے اور فکر ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست کے بمصداق میری رائے ان کی شاعری کے بارے میں محدود رہتی جبکہ میرے افسانوی ذوق کو ان کی رائے زنی سے زیادہ فائدہ پہونچتا، اب یہ اور بات ہے کہ میری تریاہٹ کے باعث کئی موقعوں پر میں اپنی رائے پر اڑی رہتی، یہ سلسلہ آج تک بھی جاری ہے۔

"حدیثِ دل" بھی ان مناقشوں اور مذاکروں کی ایک کڑی ہے۔ جب امین نے اسے لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تو میں نے پرزور مخالفت کی کیونکہ لیلیٰ مجنوں شیریں فرہاد، مرزا صاحبان وغیرہ آج کل گلی گلی میں بانہیں ڈالے گھومتے رہتے ہیں، دراصل اس زمانہ میں لوگ محبت کم کرتے ہوں گے۔ اس لئے ایک وجود دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر صحرا نوردی کرنے لگتے تھے یا ایک تیشہ کہسار سے جوئے شیر لانے کے لئے کمر بستہ ہو جایا کرتے تھے، ان کا چرچا عام ہو جاتا تھا۔

لیلیٰ مجنوں وہ ہستیاں ہیں جنہیں نظامی سے لیکر آج تک ہر دور کے ادیبوں، شاعروں، ڈرامہ نویسوں اور فلم والوں نے گھسیٹ کر ان کا قیمہ بنا دیا ہے میں نہیں چاہتی تھی کہ میرا نیک نام شوہر بھی قصابوں کے زمرے میں کھڑا ہو جائے لیکن امین اس کام کو کرنے پر تلے ہوئے تھے آخر کار انھوں نے "حدیثِ دل" کہہ ہی ڈالی۔

میرے خیال میں وہ شخص جس کا نام قیس تھا اور بعد میں مجنوں ہوا بڑا Publicity Seeker تھا اس نے عشق کیا تھا ــــ ٹھیک!

اُس نے محبت اور عالمِ جنوں میں دامن کے چاک اور گریباں کے بیباک کے فاصلے نوٹا دیا تھا
درست ! لیکن سوئے صحرا اس 'پد یاترا' کی ضرورت کیا تھی؟ خیر رموزِ مملکت
خویش خسرواں دانند ــــــ اس نے اپنی آنے والی نسلوں کے لئے
ایک لائحہ عمل پیش کر دیا۔ آج کے ہمارے 'پد یاتری' اپنے جدِّ امجد کے راستے
پر گامزن نظر آتے ہیں فرق صرف اتنا ہے مجنوں نے خود کو تباہ کر لیا۔ اور یہ
ہمیں تاراج کرنے پر تلے ہوئے ہیں'

'پد یاترا' کا ذکر ہو تو صحافیوں کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا' نظامی
گنجوی غالباً اپنے زمانے کے کامیاب ترین صحافی رہے ہوں گے' جنھوں نے
مجنوں کی سوئے صحرا پد یاترا کو Scoop کے طور پر استعمال کیا اور
امر ہو کر رہ گئے !

نظامی گنجوی کی شان میں میری گستاخی اور بے باکی اس حقیقت پر
مبنی ہے کہ مرحوم جنت نشاں ہستیاں آج کی عدالتوں کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا
سکتیں اور ہتکِ عزت کا دعویٰ نہیں کر سکتیں'

قصۂ لیلیٰ مجنوں کی آفاقیت اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس کی
بنیاد ایک لافانی جذبہ یعنی عشق ہے' بلکہ اس سلسلے میں جن گوناگوں واقعات
و محسوسات کا ذکر آتا ہے وہ ہمیں اس عہد کے سماجی نظریات
و اخلاقی مظاہر سے روشناس کرواتے ہیں۔ جیسے جیسے یہ قصہ آگے بڑھتا
ہے۔ کئی ایسے مسائل اور مرحلے سامنے آتے ہیں جو ہمارے
عصر کے مسائل سے مختلف نہیں ہیں اور امین نے اس حقیقت

سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی 'حدیثِ دل' کھول کر رکھ دی ہے۔ یہ ایک حسّاس اور زندہ ذہن کی ضامن ہے' اگر یہ لیلیٰ مجنوں نظامیؒ کا مصرع بہ مصرع اور شعر بہ شعر ترجمہ ہوتا تو حدیث دل' کی اہمیت کبھی ایک چابک دست ترجمے سے زیادہ نہیں ہو سکتی تھی' یہ لیلیٰ مجنوں نظامیؒ کے اشعار کی تضمین بھی نہیں ہے' امین نے لیلیٰ مجنوں نظامی سے استفادہ کیا ہے اسکی حکایات اور واقعوں کو بھی برقرار رکھا ہے۔ لیکن اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے' عصری تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے انھوں نے اپنی طرف سے اس میں جو تخلیقی اضافے کئے ہیں تو یہ احتیاط برتی ہے کہ اس قصّے کی بنیادی قدریں مجروح نہ ہوں' مثلاً ایک جگہ عصرِ حاضر کے انحطاط اور اس کی ریاکاری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

کتنے مقتل ہیں یہاں اس میرے پیارے شہر میں
چلتی پھرتی کتنی لاشیں ہمارے شہر میں
ہر قدم پر مل ہی جاتے ہیں یہاں دار و رسن
رونہ ہوتے ہیں یہاں قربان کتنے جان و تن
شہر میں ہر طرح کے دکھ درد ہیں آلام ہیں
آہ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ با آرام ہیں

روایتی انداز بیان سے ہٹ کر اچانک اسطرح کے اضافے جب سامنے آجاتے ہیں تو ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم عہدِ ماضی کی ایک لافانی عشقیہ ٹریجڈی سے گذر رہے ہیں' بلکہ ایسا لگتا ہے جیسے بات گویا یہیں کہیں کی ہے !

داستان گو

(گرہ کشایانِ سلسلۂ سخن و تازہ کنندگانِ افسانۂ کہن
نے توسنِ قلم کو میدانِ سخن میں یوں جولاں کیا ہے!)

مدت ہوئی ایک نوجواں تھا
جو ارضِ عرب کا حکمراں تھا

محفل میں حریر و پرنیاں تھا
جب رن ہو تو قہرِ آسماں تھا

جتنے تھے عوام سلطنت کے
کرتے تھے اُسے پسند دل سے

سر حلقۂ جملہ شہریاراں
سلطانِ جہاں، جہاں کا سلطاں

شاہنشۂ عصر، شاہِ دوراں
فغفورِ زماں و شاہِ شاہاں

کم ہوتے ہیں تاجدار ایسے
آتے نہیں بار بار ایسے

سلطان تھا پیکرِ شرافت
کرتی تھی رعیت اس کی عزت

اللہ نے دی تھی وہ ذہانت
تھا دہر میں شہرۂ سیاست

حق گوئی میں تیغِ برہنہ تھا
اور حلم میں مثلِ میمنہ تھا

خاقانِ جہاں، جہاں خداوند
ہشیار، ذہین، حوصلہ مند

گفتار میں تھا نبات اور قند
زیرک، ہنرمند، چاق و چوبند

تھا داد و دہش میں مثلِ حاتم
اور فضل میں جید ایک عالم

دل سے تھی عزیز اسے رعایا
تھا جس پہ سدا ہی اس کا سایا

ہر شئے پہ تھا رنگ اس کا چھایا
دنیا کی پلٹ گئی تھی کایا!

خلقت کی فلاح اور بہبود
ہر آن تھی بادشہ کو مقصود

اس طرح گذر رہے تھے ایّام / تھی ایک لگن سحر سے تا شام
دن رات تھے نظم و نسق کے کام / ایسے میں کہاں کا چین آرام
اک وضع سے شاہ جی رہا تھا / ہر زخم کے چاک سی رہا تھا

شاہ

ٹوٹیں نہ کسی کے دست و بازو / آئے نہ کسی پلک پہ آنسو
روٹھے نہ کسی سے کوئی گلرو / خالی نہ رہے کسی کا پہلو
سُن لے یہ مری دعا خدایا / دل میں ہے فقط یہی تمنّا

داستان گو

تھا شہ کا یہی بس ایک معمول / معمول، سدا رہے وہ مشغول
ہوتی نہ فروگذاشت یا بھول / تھا دل سے پسند قولِ معقول
ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے / آتے ہیں جو کام دوسروں کے
اک روز سحر کو جب وہ اٹھا / خود اس کو لگا تھکا تھکا تھا
اس روز اسے خیال آیا / چلتا تو ہے کام سلطنت کا
دو چار دنوں کی لے کے رخصت / بہلائے شکار سے طبیعت
آتے ہی خیال دیر کیا تھی / کی ترک معاشِ بادشاہی
تھا اسپ کہ اک اصیل عربی / مضبوط ہی اس کی باگ تھامی
اور شاہ گیا شکارگہہ کو / قسمت نے کہا شکارِ مہ کو

سرحد سے پرے شکارگہ کے — اک ملک تھا جس کا نام تھا رے
گل چہرا نگار جانے کتنے — اٹھے تھے اسی زمین رے سے
شمشاد قدان رے کا شہرا — بستی بستی، نگر نگر تھا
کچھ دور پہ اس شکارگہ سے — اک آگ سے اٹھ رہے تھے شعلے
جو مست الست کر رہے تھے — نغمے تھے یہ دختران رے کے
ہر سمت تھی زمزمے کی خوشبو — اک سحر سا بچھ گیا تھا ہر سو

دختران رے
(کاروان خوشبو)

نازش دشت و گلستاں ہم ہیں — غنچے غنچے کے راز داں ہم ہیں
ایک خوشبو کا کارواں ہم ہیں — لالہ و گل کی داستاں ہم ہیں

اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں!

ہم نہ ہوں ہر طرف اندھیرا ہو، چار سو ظلمتوں کا ڈیرا ہو، نور کو تیرگی نے گھیرا ہو
اک تجلی کے پاسباں ہم ہیں — اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں

ہے ہمارے سبب سے رنگ مکاں، آب و گل خاک و باد کا یہ جہاں، ہے ہمارے وجود پر نازاں
باعث عیش جاوداں ہم ہیں — اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں

سر تسلیم خم جو بات کہی، ہے ہمارا کلام لاثانی، نطق ہم کو ملا ہے اس پر بھی
لوگ کہتے ہیں بے زباں ہم ہیں — اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں

ہم سمجھتے نہیں برق کے تیور، زلزلے کے ہیں اک ہمیں محور، آندھیوں سے کہتا ہے اکثر
تم جہاں بھی ہو بس وہاں ہم ہیں — اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں

دہشتوں سے لیا ہے ہم نے خراج۔ آفتوں کا بدل چکے ہیں مزاج، جنسِ ارزاں یہ پڑ گیا ہے رواج

ہو کے ارزاں بھی کیا گراں ہم ہیں   اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں!

چشمِ آہو، ہلال سے ابرو۔ عنبریں زلف، صندلی بازو۔ رشکِ آئینہ، رشکِ مہ پہلو

لبِ عشاق کی فغاں ہم ہیں   اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں

آندھیوں میں جلا رہے ہیں چراغ۔ بجلیوں کو کہاں ہے ہم سے فراغ، ہم کو حق نے عطا کیا وہ دماغ

برق و باراں کے رازداں ہم ہیں   اس زمیں پر اک آسماں ہم ہیں

داستان گو

کچھ دُور پہ بادشہ نے دیکھا   اک شوخ کے آس پاس پھیلا

مجمع تھا حسین گلرخوں کا   ہو ماہ کے گرد جیسے ہالا!

اک پیڑ کی آڑ چھپ گیا تھا   نغمے سے وہ حظ اٹھا رہا تھا

لَے جس نے اٹھائی اوّل اوّل   تھا آبِ رواں کا اس کا آنچل

دلدار ہتھیلیوں کا صندل   چشمانِ سیہ کا نرم کاجل

تھی دہر میں کب مثال ان کی   ملتی ہے کہیں مثال ایسی

وہ شوخ تھی رے کی شاہزادی   اب تک نہ ہوئی تھی جس کی شادی

ویسے وہ بہت تھی سیدھی سادی   کلفت کی مگر وہ تھی نہ عادی

گر پیر میں پنکھڑی بھی چبھتی   شہزادی کو دیر تک کھٹکتی

تھی وہ بکرشمہ شاہِ خوباں   ہمراہ بتانِ مصر و یونان

اک دشت میں مجمعِ حسیناں   تھا غرقِ سرودِ چرخ گرداں

اس حسن پہ شہ نے دل دیا وار
دیوانہ بکارِ خویش ہشیار!
اس شوخ کی بھی نگاہ اٹھی
اک ایسی نظر، نظر جو کم تھی
دونوں کی ملی نگاہ ایسی
تھا فاصلہ پر رہی نہ دوری
پس ایک نظر میں عہد و پیماں
دونوں نے کئے سرِ بیاباں
اب شہ کو قرار تھا نہ اک پل
اک تیرِ نگہ کا ہو کے گھائل
بس چھوڑ شکار گاہ و جنگل
وہ شہر کو لوٹ آیا بیکل
دریافت کیا مصاحبوں سے
دربار کے خاص حاجبوں سے

شاہ

ہے کون بھلا وہ لالہ رخسار؟
دل جس کا ہوا ہے اب طلب گار
کس زلف کا ہو گیا گرفتار
ہم کو ہوا ہے کیسا آزار؟
کس باغ کا گل ہے وہ پری رو
ہے کون سے گلستاں کی خوشبو؟

داستان گو

تفصیل سنی جو اپنے شہ سے
خدام نے تب پتے لگائے
مہرو ہے وہ شاہزادی رے
ہیں ذکر جہاں میں جس کے اچھے!
وہ پوچھتے کیوں الف سے بے تک
دریافت کیا الف سے یے تک
عشق آیا تو عقل کا دِوالا...
خود عشق نے آپ ہی نکالا
ہر صبح کو حنظلی نوالا....
ہر شام کو زہر کا پیالا!

محبوب کی یاد ہی میں رنجور
اک ناگ بچھنی یہ کھا دہ مجبور

حاکم کا یہ حال جونہی دیکھا
مجلس نے کیا بہم یہ چرچا

آپس میں سبھی کے طے یہ پایا
سلطان کے حق میں ہوگا اچھا

شہزادی کا ہاتھ مانگا جائے
پیغام نکاح بھیجا جائے

جیسے ہی یہ طے کیا سبھی نے
بھیجا بس اک ایلچی سوئے رے

ہمراہ شۂ عرب کے تحفے
تحفے جو بہت ہی قیمتی تھے

اور ساتھ ہی شاہ کی یہ خواہش
شہزادی کے ہاتھ کی گذارش

پس والیٔ رے نے ہو کے مشکور
خوش ہو کے کیا پیام منظور

سنکر ہوئے اہل رے بھی مسرور
نغمے سے ہوا حصار معمور

بج اٹھے طرب کے شادیانے
بج اٹھے نگر میں شامیانے

مژدہ ملا جونہی بادشہ کو
آئیں گی عرب کی شاہ بانو

مجلس سے کہا

شاہ

یہ حکم سن لو
اک جشنِ عظیم ملک میں ہو!

ہو جائے نگر نگر چراغاں
ہو نور سے بام و در درخشاں

لے آؤ شہاب آسماں کے
زر تار نجوم کہکشاں کے

سارے ہی گلاب گلستاں کے
نغماتِ لطیف نغمہ خواں کے

شہ بانو کی راہ میں بچھا دو
بستی کا ہر ایک گھر سجا دو

داستان گو

آخر وہ حسین دن بھی آیا
جس دن کا ہر ایک منتظر تھا

ہر لب پہ تھا جس کا روز چرچا
چھلکا سرِ عام رنگِ صہبا

شادی و نشاط کی تھی ساعت
تجدیدِ حیات کی تھی ساعت

ایوانِ عروس آتشِ تیز
ساقی سرِ انجمن قدح ریز

طرّار و حسین چند نوخیز
شیریں سخن و دہن نوا بیز

اک نغمہ تھا ایک ارغنوں تھا
چھایا ہوا بزم پر فسوں تھا

دخترانِ رے

(اٹھاؤ دف اور سناؤ نغمے)

چمن میں جیسے ہی یار آیا
گل و سمن پر نکھار آیا

بچھاؤ تارے سجاؤ راہیں کہ اک جری شہسوار آیا
اٹھاؤ دف اور سناؤ نغمے کہ بزم میں شہریار آیا

قدم جو محفل میں اس نے رکھا صدا اک آئی یہ بام و در سے
گراؤ پلکوں کی چلمنوں کو حرم میں اک گلعذار آیا

اٹھاؤ مینا بھرو پیالہ کہ موسم سازگار آیا
کمی نہ کرنا کہ آج محفل میں میکش بے قرار آیا

اُدھر کسی لالہ رخ کے چہرے پہ آگئی ہے حیا کی سرخی
اِدھر اُسی لالہ رخ کے دستِ حنائی کا خواستگار آیا

نگر نگر میں ہے اس کا چرچا کہ فتح کرنے حصارِ دل کو
لئے نگاہوں کے تیر کاری جوان اک فوجدار آیا

لئے ہوئے اپنا سر ہتھیلی پہ آگیا اک حریفِ صرصر
نثار کرنے ہزار جانوں کو آج اک جاں نثار آیا

سُبوئے کوئی اس سے پوچھے اسے سلیقہ ہے میکشی کا
جو پیتے پیتے ہی خمار میں ہو بلا کا وہ بادہ خوار آیا

یہی تو ہے فصل عاشقی کی یہی تو موسم ہے دلبری کا
بہار آئی، نگار آیا، قرار آیا

اٹھو اور اٹھ کے روش روش کا سنگھار کر دو تم اہلِ گلشن
گلوں کا وہ غمگسار آیا چمن کا وہ راز دار آیا

بہار رخسار چھو کے اس کے گلوں کی نکہت بڑھا رہی ہے
لئے ہوئے کچھ شرارِ رنگش وہ بر سرِ لالہ زار آیا

نہیں ہے دنیا کوئی اور ایسا جہاں میں ہر کوئی کہہ رہا ہے ۔
ہر ایک شخص اس سے متفق ہے کہ خسروِ شاندار آیا

یہ تخت اسی کو بہت ہے سجتا یہ تاج اسی کیلئے ہے زیبا
سبھی کی جو آنکھ کا ہے تارا سبھی کا وہ تاجدار آیا

سجیگی محفل ملینگے دو دل قرانِ سعدین ہوگا امشب
وہ پھر برسنے کو ٹوٹ کے ابر اک سر کوہسار آیا

وہ جس کی عرصے سے آرزو تھی وہ جس کے مدت سے منتظر تھے
وہی کمانڈر آج مدت کے بعد اپنے دیار آیا .

داستان گو

تھے جمع عمائدینِ کشور
پاکیزہ و خوش جو آبِ کوثر

تھا سب کا ہی فیصلہ وہاں پر
جوڑی تو نہ ہوگی اس سے بہتر

اک چاند ہے دوسرا ہے سورج
کیا چاند ہے اور کیا ہے سورج !

آئے تھے عوام بھی بکثرت
اک جشن تھا اور شان و شوکت

قاضی نے جو کی بہ لحن قراءت
قرآنِ حکیم کی ـــــ تلاوت

سنتے رہے احترام کے سات
اللہ کی اس کتاب کی بات

جس وقت ہوا نکاح ان کا
ہر شخص نے کی دعا خدایا

عوام

باہم رہیں مہر و لطف ایسا
جس طرح تھے یوسف و زلیخا

جوڑی رہے تا ابد سلامت
آپس میں رہے خلوص و الفت
بڑھتی رہے دن بدن ہی اقلیم
آپس میں رہے خیالِ تکریم
دلشاد رہے نہ ہو کوئی بیم
جس طرح تھے سارہ و براہیم

داستان گو

جب ختم ہوئی دعا تو دل سے "آمین" کہا سبھی نے مل کے!

تھے پیر و جوان سب بیک صف
چھوہارے رکھے گئے بہ ہر کف
بجنے لگا اس کے بعد ہی دَف
لائے گئے آرسی و مصحف
اس رسم کے بعد رخصتی بھی
پوری ہوئی کچھ لگی نہ دیری!
تھی دہر کی ہر خوشی میسّر
راہوں میں بچھے تھے لعل و گوہر
کیا کہیے بلندئ مقدّر!
دربان تھے اس کے زار و سنجر
تھی منکسر المزاج ملکہ
کرتی تھی دلوں پہ راج ملکہ!
ہر ماہ جو ماہِ نو نکلتا
پہلے وہ اسے سلام کرتا!
جب چودھویں شب کو بدبختا
ملکہ کے حضور ہی وہ رہتا
ہر روز ہی مہرِ صبح گاہی
اس بام پہ کرتا جبہ سائی!
فیروزہ بہ رنگِ آبِ جیحوں
پکھراج کہ جیسے کوئی افسوں
مرجان، یاقوت و لعل پُرخوں
ہیرا، الماس و دُرِّ مکنوں
سارے ہی جواہرات بس تھے
شہ بانو کے راستے کے ذرّے
نیلوفر و سوسن و بنفشہ
خوشبو ہی تھا جن کا لمحہ لمحہ

نسرین و سمن کا غنچہ غنچہ
کھلتے تھے کہ شاہ بانو خوش ہوں
زربفت، مشجّر اور سنجاب
جمشید، سکندر اور داراب
تھے سارے یہ حاکمانِ عالی
جب بھی انھیں بُنتے پیرہن باف
اس میں نہیں کچھ گزاف اور لاف
ملکہ انھیں دیکھے سب سے پہلے
لیکن تھا محل، اداس، خاموش
تھے عیش و سرورِ خانہ بردوش
تاریک تھے بام و سقف و ایواں
ہو اردبہشت یا کہ ہو دَے
جدّہ ہو کہ نجد یا کہ ہو طے
غمگین تھی بالخصوص ملکہ
مریخ کی چشم، چشمِ خونیں
زہرہ کا رباب ہلاہل آگیں
حالت تھی یہ چرخ پر قمر کی
فرما تھا وہاں کوئی نہ تھا دوش
ملکہ تھی تہی و خالی آغوش

سچ ہے کہ چمن کا ہر شگوفہ
جم جائے ہتھیلیوں پہ سرسوں
[illegible]، تافتہ، حریر و کمخواب
کیخسرو و کیقباد و سہراب
پارچہ جات کے سوالی
ہوجاتا تھا نام قاف تا قاف
اس بات کو کر چکے تھے وہ صاف
ملکہ انھیں سب سے پہلے پہنے
ہنگامے، چہل پہل، فراموش
تھی مہر کی ہر کرن سیہ پوش
ظلمت تھی حیاتِ شہ کا عنواں
بس دل کو مسوستی تھی اک شئے
تھی ایک ہی تان ایک ہی نَے
اُس شاخ پہ کوئی پھل نہیں تھا
ناہید کا جرم، جرمِ سنگیں۔
رنجور و فسردہ زحل و پرویں
تھی چاندنی اس کی پھیکی پھیکی!
اک حرفِ غلط خرد بشی اور جوش
اور شاہ کو بھی نہ تھا کوئی ہوش

دلگیر تھے شاہ و شاہ بانو
اک غم تھا یہی حرم سرا کو !!

تھا شاہ کا اک جہاں میں چرچا
درویش نوازیوں کا شہرا

ہر شخص یہ بات جانتا تھا !
دمی داد بسایلاں درم ــ ہے

تقدیر خوشی کا دن بھی لائی
اولاد کی آرزو بر آئی

کچھ ایسا اثر کیا دعا نے
ملکہ کو پسر دیا خدا نے

پھولوں کے جہاں بھی تھے ٹھکانے
ان سب کو نوید دی صبا نے

تھا فصل برس کا ماہِ آذر
سنگیت کو جب ملا نیا سُر

جب شاہ نے دیکھا روئے فرزند
روشن گہرا اور چاق و چوبند

صحت سے درست اور تنومند
دل سے ہوا خرم اور خرسند

فرمایا در خزینہ وا ہو
اور ہاتھ یہ حکم افسروں کو

شاہ

(بساطِ عیش بچھاؤ)

ہنگامہ ہو نوبت داغی جائے
دیوار الم کی ڈھا دی جائے

اک مسندِ گل بچھائی جائے
خوشیوں کی سبھا سجائی جائے

اک مہر درخشاں آج آیا
لو وارثِ تخت و تاج آیا

وہ نور بھرا اب وہ ہو اجالا
ہو جائے ہر اک نگاہ خیرا

ایسا ہو نشاط کا سویرا
آلام کا دور ہوا اندھیرا

اک رقص بساطِ عیش پہ ہو
گھر گھر میں ہو اور نگر نگر ہو

اک جشن کا دن ہے آج کا دن
یعنی کہ دلوں پہ راج کا دن

دن کب یہ ہے کام کاج کا دن
دن ہے یہ نئے رواج کا دن

گردش میں سبوئے عیش آئے
اور عیشِ نشانِ غم مٹائے

ساقی مئے لالہ رنگ بر گیر
اِس بار نہ کر تو، کوئی تاخیر

پوری ہوئی خواب شب کی تعبیر
دے سب کو جوان ہر کہ ہو پیر

مٹ جائے ہر اک دل کی حسرت
ہر ایک کی سیر ہو طبیعت

داروغہ نہ پیش کر بہانہ
خالی ہو جائے توشہ خانہ

ہے چنگ کہاں ترا چغانہ
مطرب تو سنا نیا ترانہ

نغماتِ طرب کا در کرو باز
ہو عقد میانِ ساز و آواز

کشکول بکف جو کوئی آئے
دو اتنا اُلم وہ بھول جائے

اب کوئی یہاں نہ دکھ اٹھائے
دینے میں کمی نہ ہونے پائے

آئے تو بس آئے وہ سوالی
اِس در سے نہ جائے کوئی خالی

داستان گو

حالات بدلتے جا رہے تھے
باتوں سے نکلتے جا رہے تھے

سورج تھے کہ ڈھلتے جا رہے تھے
لمحے تھے کہ گلتے جا رہے تھے!

گردش میں تھے یونہی رات اور دن
کچھ اور بڑھا تھا طفل کا سن

جب اور بڑا ہوا وہ لڑکا
ماں باپ نے قیس نام رکھا

دل کو یہ سبھی کے نام بھایا
تعریف کی سب نے ہی سراہا

آ گئے کی یہ دل نشیں کہانی سن لیجئے قیس کی زبانی !

(محاورہ مابینِ قیس و خارِ دشت)

سلام علی نجد ومن حل بالنجد فانهم حلوا القلبی علی البعد

(سلام ہو نجد پر اور نجد میں رہنے والوں پر،
باوجود دوریٔ مکاں وہ میرے دل میں جاگزیں ہیں)

(ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات)

قیس

میں ابھی ننھا ہی تھا منا ہی تھا، بچہ ہی تھا کہ وہ دشتِ نجد سے اک دن گزر میرا ہوا
ساتھ تھے والد میرے سلطان تھے جو باوقار تاجدار مقتدر شاہنشہ والا تبار
ذرہ ذرہ دشت کا مجھ سے گلے ملنے لگا میں بھی ہر ذرے سے ملکر بے تحاشہ خوش ہوا

چلتے چلتے پاؤں میں میرے ہوا اک آبلا
خارِ دشتی آبلے سے اسطرح گویا ہوا

خارِ دشت

اے رفیقِ قیس تو مجھکو نہیں ہے جانتا ایک دنیا جانتی ہے تو نہیں پہچانتا
میں ہوں خارِ دشت پیاسا ہوں شمالِ دشتِ نجد دیکھ کر تجھ کو یہاں آنے لگا ہے مجھکو وجد
تجھ سے اس دشت میں آیا ہے پہلی بار تو جشن کل ہے دن پہ خالی آ ادھر میرا سبو
سنئے یہ وہ صحرا کہ ہے صحرائے بے آب و گیاہ جس کا دل ہے رات کی مانند تاریک و سیاہ
جس کا چہرا ناصاف ہے اور گرد آلودہ ہے جس کی آنکھوں میں نہ جانے کتنی دھول آسودہ ہے

دشت جو ہے ریت کے ٹیلوں کا قصرِ دلپذیر
جس کے سقف و بام و در تعمیر میں ہیں بے نظیر

دشت جو ہے سست رفتار اژدھوں کی سرزمیں
با بنیوں اور مار و کژدم کی یہ فردوسِ بریں

زہر سے بھرپور ہے مسموم ہے جس کی فضا
گرم لو کی گود کی پالی ہوئی جس کی ہوا

جس میں تا حدِ نظر پیوست ہیں ویرانیاں
ہیں نکیلے خارزاروں کی جہاں آبادیاں

آج تک جس کو نہیں معلوم کیا ہے برشگال
ایک بھوری گرد کا ہے جس کے چہرے پر گلال

ایک عرصے سے جو صحرا اگرسنہ، لب تشنہ ہے
جس کے لب پر اک صدائے العطش دیرینہ ہے

ہے یہ آوارہ بگولوں کا جہانِ کیف و کم
ریت کا، صرصر کا، جس میں مد و جزر و زیر و بم

اس زمینِ بے شجر میں بس اگا کرتی ہے ریت
ایک ریگستان جس میں کوئی گلشن ہے نہ کھیت

ایک بے پانی سمندر جس کی موجیں ہیں سراب
جو حجابوں میں بھی رہ کر ہے سدا سے بے حجاب

ہے تو وہ صحرا کہ ہے صحرائے ناپیدا کنار
ریت کے جھکڑ ہیں یاں، بالو کے طوفاں بے شمار

اِس سیہ صحرا پہ صدیوں سے ہے سورج کا عتاب
صحن میں اسکے فقط کھلتے ہیں خاروں کے گلاب

اک عظیم الشان ویرانہ ہے صحرائے جنوں
خارزاروں، ریگزاروں کی یہ اک دنیائے دوں

ایک سناٹے کا گھر اک دشتِ بے بانگِ جرس
اک زمینِ بے فلک، اک آسمانِ بے کلس

جس کے آنگن میں ہے جلتی دھوپ کی جادوگری
جس کے روز و شب گرفتارِ طلسمِ سامری

آج لیکن اس زبوں اقبال کا جاگا ہے بخت
دشتِ بے گلزار ہو جائیگا بس گلزارِ دشت

قیسِ لیلیٰ جب جواں ہو کر یہاں پر آئیگا
اس کی آمد سے یہ ریگستاں ہرا ہو جائیگا

تو کہ پہلا آبلہ ہے پا برہنہ قیس کا
آ گلے لگ جا تری تقدیس کا ہے غلغلہ

قیس

آبلے سے خارِ دشتی کی سنی جب گفتگو۔ بولے والد ....

شاہ

۔۔۔۔ تو ہمارے کل کی ہوگا آبرو

قیس

خوش ہوئے اتنے کہ وہ ہنسنے لگے بے اختیار۔ اور پھر دیں مجھکو والد نے دعائیں بے شمار

شاہ

میرے برخوردار تو روشن کریگا میرا نام ۔ عاشقوں میں بس سرفہرست ہوگا تیرا نام

داستان گو

جس دن میں بھینگنے کو آئیں ۔ اک شخص نے شاہ کو دکھائیں
موجود تھا اک بزرگ سائیں ۔ بولا کہ ۔۔۔۔۔۔

سائیں

۔۔۔۔۔۔ مرادیں تم نے پائیں
اب وقت وہ آگیا ہے خسرو ۔ تم قیس کو درس گاہ بھیجو

داستان گو

یوں دل کو لگی بزرگ کی بات ۔ سلطان نے طے کیا اسی رات
اور صبح کو اک غلام کے سات ۔ بھجوا دیا قیس کو مقالات
اس نام کا شہر میں تھا مکتب ۔ پڑھنا تھا یہیں پہ قیس کو اب
پس دل میں لئے جہانِ تکریم ۔ تکریم و توجہات و تحریم
استاد کو پیش کر کے تعظیم ۔ مشغول شدہ بدرس و تعلیم
ملّا نے پسر کو دیں دعائیں ۔ امیدیں تمہاری سب بر آئیں

تھی یہ اک ادب سرا انوکھی ۔۔۔ تعلیم یہاں پہ مشترک تھی

تدریس یہاں پہ تھی اکٹھی ۔۔۔ کرتا نہ تھا اعتراض کوئی

باہم تھا ملاپ اس طرح کا ۔۔۔ تہذیب سے کام چل رہا تھا!!

تھے طالب علم جمع اتنے ۔۔۔ جتنے تھے کہ ملک میں قبیلے

استاد بھی تھے نہایت اچھے ۔۔۔ مکتب میں جو درس دے رہے تھے

تھے ہم سبقوں میں دو اک ایسے ۔۔۔ پڑھتے تھے جو بے ورق صحیفے

اک روز گھڑی تھی دوپہر کی ۔۔۔ اک دخترِ دلنواز آئی

مکتب میں برائے علم خوانی ۔۔۔ کچھ سیکھنے فلسفہ، ریاضی

شائستہ و زیرک و مہذب ۔۔۔ والا نسب اور عالی منصب

تھی سیدِ ناصری کی دختر ۔۔۔ دختر تھی کہ آبدار گوہر

پہنچی جو درس گہ کے اندر ۔۔۔ تھی سب کی نگاہ اس کے رخ پر

ہر ایک نے دل سے کی مدارات ۔۔۔ پھر جلد ہی اٹھ گئے حجابات!

دو شانے، دو دلفریب بازو ۔۔۔ شانوں پہ دو مشکبار گیسو

دو ابرو اور دو چشم آہو ۔۔۔ دو لب کہ تھی جن میں گل کی خوشبو

گل ریز تھی، گل عذار، گلفام ۔۔۔ لیلیٰ گل خوب رو کا تھا نام

ہر کام میں اس کے تھا سلیقہ ۔۔۔ ہر بات میں اس کے تھا قرینہ!

روتے کو ہنسانا اس کا شیوہ ۔۔۔ وہ حسن کہ ہر نگاہ خیرہ

شکر دہنی تھی لمحہ لمحہ ۔۔۔ شکر شکنی تھی لحظہ لحظہ

پیشانی کہ جو قمر کو شرمائے ۔۔۔ رخسار گلوں کو نیچا دکھلائے

ابرو کہ ہلال جس کے گن گائے
قد، سروِ سہی بھی مات کھا جائے

گیسو، جنھیں دیکھ شب ہو خاموش
رخ، دیکھ جسے سحر ہو روپوش

کرتی تھی کلام جب وہ مہرو
کھو جاتے تھے سننے والے ہر سو

ہر بات میں حکمت اور جادو
ہر لفظ میں اک نرالی خوشبو

لب کھولتی، ہوتی گل فشانی
گفتار میں تھا نہ کوئی ثانی

دیکھا جو بغور حسنِ لیلیٰ
بے سُدھ ہوا قیس خود کو بھولا

دیکھا تو نظر ہٹا نہ پایا
کچھ ہوش رہا نہ تن بدن کا

اک بات کا ہوش اب اسے تھا
ہے حُسن کوئی تو حُسنِ لیلیٰ

وہ ایک نگہ، نگاہ سے کم
اٹھی سوئے قیس ہو کے برہم

لیلیٰ کے جمال کا یہ عالم
معصوم کو کر گیا تھا بے دم

پہلی ہی نظر میں دل کی بازی
بس ہار گیا تھا قیسِ غازی

تھے قیس کے روز و شب دگرگوں
اب تھا وہ شکارِ سحر و افسوں

بیماریٔ دل تھی روز افزوں
آثارِ جنوں تھے وہ تھا مجنوں

جاتا تو تھا روز ہی وہ مکتب
دل تھا نہ حصولِ علم میں اب

قیس

("خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا")

کچھ دنوں سے کیا ہوا راتوں کو نیند آتی نہیں
کچھ دنوں سے تر ہے آنکھوں کے لہو سے آستیں

صبح کو جاتی ہے رات اور شام کو آتی ہے رات
کچھ دنوں سے آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ جاتی ہے رات

ایک کانٹا قلب میں پیوست ہوتا جائے ہے
کچھ دنوں سے دل ہمارا بس یونہی دکھ جائے ہے

رات کیا ہے کروٹوں پر کروٹیں لینے کا نام
بسترِ راحت پہ گویا سلوٹوں کا انتظام

تیرہ و تاریک راتوں کی سحر ہوتی نہیں
تیرگی اپنی اس آب و تاب کو کھوتی نہیں

ایسا لگتا ہے مجھے کچھ ہو گیا ہے ان دنوں
جیسے میرا دل کہیں پر کھو گیا ہے ان دنوں

چاک ایسا ہے کسی صورت سے جو سِلتا نہیں
یک سرِ مو یہ جمودِ بے حسی ہلتا نہیں

جستجوئے کارواں میں مضطرب ہر سو غبار
کوئی قدموں کا نشاں باقی نہ کوئی رہ گذار

قصر و ایواں میں بھی اس دل کو سکوں ملتا نہیں
اب بہاروں سے بھی اس دل کا کنول کِھلتا نہیں

جوشِ وحشت میں چلا جاتا ہوں ہنگاموں سے دور
شہر سے اور شہر کے شوریدہ بازاروں سے دور

لوگ کہتے ہیں شبِ غم کی سحر ہو جائیگی
ہاں مگر جب خاک اپنی دربدر ہو جائے گی

زندگی میں سامنے آتے ہیں کیا کیا ماہتاب
کیسی کیسی زہرہ و ناہید، کیا کیا آفتاب

کیسی کیسی ماہ وش، آتش بدن، شمشاد قد
حُسنِ عالم تاب کی جن کی کوئی سیما نہ حد

صف شکن، خوش پیرہن، سیمیں بدن، شیریں دہن
نسترن، سوسن، بنفشہ، لالہ، نسریں، یاسمن

آندھیوں کی راہ تکتے ہیں ابھی کیا کیا چراغ
اور ہونٹوں کو ترستے ہیں ابھی کیا کیا ایاغ

کتنے خرمن ہیں جنھیں ہے بجلیوں کا انتظار
ہیں تلاطم کے لئے کیا کیا سفینے بے قرار

کتنے نغمے مضطرب ہیں نے نوازوں کے لئے
کتنے سینوں میں کسک ہے چارہ سازوں کیلئے

انتہائے دردِ غم سے کتنے دل بے تاب ہیں
کتنے، مبہم، کیسے دھندلے، کتنے تیرہ خواب ہیں

آہ کیا مجھکو بھی مل سکتا ہے میرا ماہتاب
میرے نغمے کے لئے میرا ہی اپنا رباب

کوئی ہنگامہ کوئی ہلچل بھی ہے میرے لئے
کیا کوئی قاتل کوئی مقتل بھی ہے میرے لئے

روز ہی سورج لٹاتا ہے یہاں کرنوں کا زر
اس کی آب و تاب کو اس سے نہیں کوئی خطر

اے خدا تیری سخاوت میں کمی کوئی نہیں
تو اگر چاہے تو میرا تلخ بھی ہو انگبیں!!

ہیں یہاں بکھرے ہوئے لعل و زمرد بے شمار
کیا مری قسمت میں بھی ہے کوئی موتی آبدار؟

داستان گو

مکتب میں یہ قیس کی تھی حالت
پڑھنے کی کہاں تھی اس کو فرصت
بس ایک ہی بات کی تھی دقّت!
ظاہر ابھی کی نہ تھی محبت!
لیلیٰ ہی کو دیکھتا وہ رہتا
استاد کی جھڑکیاں وہ سہتا

مُلّا

رہے مہرِ اللہ تم پر سدا!
پڑھو غور سے قیس تم یہ دعا
"کریما بہ بخشائے بر حالِ ما"

قیس

"کریما بہ بخشائے بر حالِ ما"

ملّا

"کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا"

قیس

کمندِ رخِ یار ہستم سدا

مُلّا

(چیں بر جبیں)

کہا میں نے کیا تم نے کیا پڑھ دیا

قیس

(جلدی سے)

کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا

مُلّا

پڑھوں پہلے میں پھر پڑھو تم یہ شعر
بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند"

قیس :- اے کریما بہ جدائی کن نظر

ملّا :-

کیا کہا پھر سے پڑھو اس شعر کو ۔ اپنے دل سے مت گڑھو اس شعر کو

قیس :- بشنو از نے چوں شکایت می کند

ملّا :- (چڑھ کر)

قیس تم کو میں پڑھا سکتا نہیں ۔ تم کو اب کچھ بھی سکھا سکتا نہیں

بھول جاتے ہو حکایت بار بار ۔ ہے یہی مجھکو شکایت بار بار

ویسے لگتا تو ہے تم ہشیار ہو ۔ پر پڑھائی سے بہت بیزار ہو

علم سے تم کو شغف کچھ بھی نہیں ۔ پڑھ رہے ہو شعر اور رخ ہے کہیں

تم یہاں ہو، دل تمہارا ہے کہاں؟ ۔ مجھکو تم اتنا بتاؤ کیا یہاں

وقت کو برباد کرنے آئے ہو ۔ یا مجھے ناشاد کرنے آئے ہو

رات ہے دن، دن نہیں اک رات ہے ۔ کیا تمہارے دل میں ایسی بات ہے؟

آئے ہو مکتب میں تم پھر کس لئے ۔ شاہ کے فرزند ہو بس اس لئے

(ق)

تم کو پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں ۔ ہے بھرم دل میں یہ پوشیدہ کہیں

بس اٹھاؤ اپنا بستہ اور کتاب ۔ جاؤ اپنے گھر کو جاؤ تم شتاب

یاد کرکے کل سبق آنا ضرور ۔ ورنہ پھر دو بید تم کھانا ضرور

داستان گو

جب قیس کا التفات دیکھا ۔ لیلیٰ نے بھی بے رخی کو چھوڑا

اور دل سے ہوئی وہ اس پہ شیدا ۔ دونوں کو نہ تھی کسی کی پروا

اک دوسرے میں وہ کھو گئے تھے — قسمت کا لکھا وہ ہو گئے تھے

ہو کر ربطِ عشق آشکارا — مکتب پہ کھلا یہ بھید سارا

دنیا کو کہاں ہے یہ گوارا — ہو جائے کسی کو کوئی پیارا

کہتے تھے یہ ایک زاہدِ خشک — چھپ سکتے نہیں ہیں عشق اور مُشک

ہر شخص کو ٹوہ تھی اسی کی — کرتے ہیں کہاں وہ خوش خرامی

ملتے ہیں کدھر بہ دل نوازی — ہوتی ہے کہاں حدیثِ یاری؟

بس فکر یہی تھی قیس و لیلیٰ — ہوتے ہیں کدھر، کہاں یہ یکجا؟

ایسے بھی تھے درس گہہ میں لڑکے — تعلیم میں جو کمی نہ کرتے

دل ان کے پڑھائی سے نہ ہٹتے — جز لیلیٰ و قیس وہ یہ کہتے

تعلیم ہے عشق سے بھی محکم — تعلیم ہے عشق پر مقدّم

مصروف اُدھر تھے ہم جماعت — کیونکہ انھیں درس کی تھی چاہت

ان دونوں کو اس کی تھی نہ فرصت — ملّا کو تھی بس یہی شکایت

یاراں سخن از لغت سرشتند — ایشان لُغتے دگر نوشتند

ہم لوح نصاب میں تھے مشغول — جز قیس حساب میں تھے مشغول

جو دل کی کتاب میں تھے مشغول — لیلیٰ کی جناب میں تھے مشغول

یاراں بہ حساب علم خوانی — ایشان بحدیثِ مہربانی

قیس

(..... کہ اس میں آگ دبی ہے)

جب کسی نازک ادا والی پہ آجاتا ہے دل — چھوٹی چھوٹی بات پہ بے وجہ بھر آتا ہے دل

نرم سی اک چوٹ سے پہروں مچل جاتا ہے دل — ہائے اب خود کے دھڑکنے سے بھی گھبراتا ہے دل

پہلے ان دلدار آنکھوں کی قسم کھاتا ہے دل
پھر ان ہی آنکھوں کی جھیلوں میں اتر آتا ہے دل

آپ کا جب ذکر ہوتا ہے کسی بھی بزم میں
شوق سے دیوار کی تصویر بن جاتا ہے دل

آپ کو اس بات کی کچھ بھی خبر ہوتی نہیں
آپ کی آنکھوں کا کاجل تک چرا لاتا ہے دل

داستان گو

جو چاہتے کرتے جا رہے تھے
جذبات میں بہتے جا رہے تھے

دن یونہی گذرتے جا رہے تھے
حالات بگڑتے جا رہے تھے

دونوں کے دلوں کا تھا یہ عالم
تھا ایک ہی سُر اور ایک سرگم

ہوتے تھے جب ہم سبق اکٹھے
سب قیس کو چھیڑتے ہی رہتے

اس سے وہ یہی سوال کرتے
رہتے ہو کہاں پہ شاہ زادے؟

کچھ ہم کو بتاؤ بات کیا ہے؟
کیا دل یہ کسی کو دے دیا ہے؟

قیس (کیا بتائیں کہ ماجرا کیا ہے!)

دوستو ہم کسی چشم کے بیمار ہوئے
یعنی اک دامِ دلآرا میں گرفتار ہوئے!

اُس میں جو بات ہے یارو وہ ہے کچھ اور ہی بات
یوں تو اس دہر میں لاکھوں ہی طرحدار ہوئے

حسن والے تو بہت قافلہ سالار ہوئے
کوئی اُس جیسے بھی عالم میں کماندار ہوئے؟

اپنی ہشیاری پہ جو لوگ بہت نازاں تھے
وہ سبھی محوِ تماشائے رخِ یار ہوئے

سچ یہی ہے کہ نقابِ رخِ جاناں نہ اٹھا
یوں تو کہنے کو بہت وعدۂ دیدار ہوئے

داستان گو

تنہائی میں قیس جب بھی ہوتا
لیلیٰ ہی کو یاد کر کے روتا

اک لمحہ فضول وہ نہ کھوتا — راتوں کو بہت ہی کم وہ سوتا
تھا اپنے شباب پر بھی نازاں — لیلیٰ کے فراق میں بھی گریاں

قیس

(کل اور آج)

کل تلک تو تھا لڑکپن یعنی آغازِ شباب — آج اس منزل میں ہوں جس کا نہیں کوئی جواب
شیر کا دل ہے جگر چیتے کا اور چشمِ عقاب — اور عزمِ آہنی کے سامنے فولاد آب
کل تلک تو تھیں مسیں بھیگی اب ایسا حال ہے — جسم میں رستم کی قوت اور زورِ زال ہے
کل تلک جو کچھ بھی مل جاتا تھا بہل جاتا تھا دل — رات دن، صبح و مسا نغمے نئے گاتا تھا دل
دیکھ کر زہرہ جبینوں کو سکوں پاتا تھا دل — اس قدر، اتنا کہ آنکھوں میں کھنچا آتا تھا دل

آج میرا دل بہت بالغ، بہت ہوشیار ہے — جسم ہے اک قافلہ، دل قافلہ سالار ہے
آج دل کو چاہیئے اک بیش قیمت کوہِ نور — کوہ نور ایسا کہ جو ہو پرتوِ سینائے طور
قلب کی خنکی، جگر کا سوز، آنکھوں کا سرور — دور آنکھوں سے مگر پھر بھی جو آنکھوں کے حضور
آج ہے مطلوب دل کو میرا اپنا آفتاب — کارگاہِ دہر میں جس کا نہیں کوئی جواب
دوڑتا پھرتا ہے رگ رگ میں جوانی کا لہو — خاک جو کر دے ہے اس شعلے کی مجھ کو آرزو
ہے مجھے اس کی تلاش اور ہے اسی کی جستجو — قریہ، قریہ، کو بکو، صحرا بہ صحرا، جو بجو
جانے کب ملنا ہو اس سے جس کا میں ہوں منتظر — تک رہے ہیں راہ اس کی قصر کے دیوار و در
جب درِ دل پر کوئی دستک سی دیتا جائے ہے — وہ کہ جس کی شکل اس دل کو بہت ہی بھائے ہے
دل کی وہ حالت کہ ہر آہٹ پہ دھوکا کھائے ہے — دیر تک ہلچل رہے ہے، جی بہت گھبرائے ہے
اس کی آمد کا یہ پوشیدہ اشارہ تو نہیں — میرے دل میں ایک کانٹا سا کھٹکتا ہے کہیں
جانے کب آئے گا میرا فاتحِ اقلیمِ دل — روپ ہے جس کا کٹیلا، جس کا نقشہ ہے سجل

ایک میں کیا منتظر سا ہے جہانِ آب و گل
راہ جس کی دیکھتے آنکھیں ہوئیں پتھر کی سل
وہ جو آجائے تو شمعیں خود بخود جل جائینگی
سب کی نظریں دن سمجھ کر شب کو دھوکا کھائینگی

داستان گو

اس گلی کو کوئی مسل رہا تھا
آرا سا تھا کہ دل پہ چل رہا تھا
قیس اپنے لہو میں جل رہا تھا
اک موم تھا جو پگھل رہا تھا!
آنکھوں میں سرشک دل میں آزار
تھا کوئی نہ اس کا یارِ غم خوار

قیس

(تنہائی ——— ایک شمشیرِ برہنہ)

کس قدر تنہا ہوں اے شہرِ نگار!

دل کسی صورت بہلتا ہی نہیں
اپنے حجرے سے نکلتا ہی نہیں!
یار ہے کوئی نہ کوئی غمگسار ...
کس قدر تنہا ہوں اے شہرِ نگار
خار اک دل میں اترتا جائے ہے
حالِ زار اپنا بگڑتا جائے ہے
جانے کب مل پائے گا دل کو قرار
کس قدر تنہا ہوں اے شہرِ نگار
چل رہی ہے دل پہ اک شمشیر سی
اور ہے جذبات پر زنجیر سی
بن گیا ہے غم ہی بس دل کا شعار
کس قدر تنہا ہوں اے شہرِ نگار
قصرِ شاہی، جبطرح زنداں کوئی
مانگتا ہوں خانۂ ویراں کوئی
بے حدود دبے ثغور دبے دیار
کس قدر تنہا ہوں اے شہرِ نگار
آج نکلوں شہر کی جانب چلوں
اک ذرا بازار ہی میں جھانک لوں
تاکہ دل پر سے اٹھے تھوڑا سا بار
کس قدر تنہا ہوں اے شہرِ نگار

آواز

پھر سے لیلیٰ کی دید کا دن ہے
قیس لو آج عید کا دن ہے!

داستان گو

لیلیٰ کے بھی دل میں آئی یہ بات
بازار وہ جائے غم کو دے مات
افسردہ دلی کو مات کر کے
دے آئے چہل پہل کو سوغات

مادر سے وہ کر کے اک بہانہ
برقع لئے پس ہوئی روانہ

بازار میں جب کہ قیس پہنچا
دراصل اک اتفاق ہی تھا
آئی اسی رہ گذر پہ لیلیٰ
دیکھا جب اسے تو قیس ٹھٹکا

پہچان گیا تھا دیکھ کر چال
تھا ضبط کے باوجود بے حال

قیس

(تو آؤ دل و جاں سرِ راہ رکھ دیں)

کون آتا ہے یہ سراپا ناز
کانپتا ہے جہانِ سوز و ساز
کس کی ہے داستان کا آغاز
ایک عالم ہے گوش بر آواز
ہے یہ کون اک صنم کدہ بردوش
اب نہیں ہم کو تن بدن کا ہوش
کون ہے کون رہزنِ تمکیں
ہے وہی جو ہے میرے دل کا مکیں
لالہ رخ، سرو قد، پری پیکر
سیم تن، گل عذار، بنتِ قمر
میرے دل کا سکوں، جگر کا قرار
ہے مری جاں ہی جو ہے راہ سپار
چاہتا ہوں اسی سمن بر کو
یعنی اس بے مثال گوہر کو

التجا ہے مراد بر آئے
مانگتا ہوں جو مجھ کو مل جائے
میں اسی آنکھ کا شہید بنوں
عاشقوں کے لئے نوید بنوں
چال سے لگ رہا ہے لیلیٰ ہے
قیس کے دکھ کا جو مسیحا ہے
پاس جاکر کچھ اس سے بات کروں
اس سے کچھ اپنا حالِ زار کہوں
کیا وہ برقع ہٹا بھی پائے گی؟
چاند سا رُخ دکھا بھی پائیگی؟
دیکھتا ہوں اُلٹ رہی ہے نقاب
نُور برسا رہا ہے اک مہتاب
ہاتھ سے وقت نکلا جاتا ہے
کوئی جاتا ہے کوئی آتا ہے
گر نہ میری مراد بر آئے
گر یہ دلبر نہ مجھ کو مِل پائے

اک نیا گل یہاں کھلا دونگا
اپنی ہستی کو میں مٹا دوں گا

(تخاطب بہ لیلیٰ)

السلام اے حورِ جنت السلام
السلام اے دل کی راحت السلام
السلام اے قرۃ العین السلام
السلام اے قلب کے چین السلام
آپ کو ہو یاد شاید یہ حقیر
آپ کی اس زلفِ پیچاں کا اسیر
اسکی خاطر آپ کر سکتی ہیں یہ حل
مشکل اسکی آپ کر سکتی ہیں سہل
ایک مُردے کو جلا بھی دیجئے
دید کا شربت پلا بھی دیجئے

(محاورہ مابین قیس و لیلیٰ)

لیلیٰ

تنگ کتنا ہے ردیف و قافیہ
جانتی ہوں آپ کا جغرافیہ

شاہ زادے آپ ہیں اور ہیں شریف
میرے دشمن ہیں نہ ہیں میرے حریف
ایک تو لڑکی ہوں میں ناکتخدا
دوسرے ہے راستہ بازار کا
اسطرح سے مجھکو روکا کس لئے
مجھ کو روکا مجھ کو ٹوکا کس لئے

قیس

(آپ کے حکم کی دیر ہے)

"عالم جوش جنوں میں ہے روا کیا کیا کچھ
کہیئے کیا حکم ہے دیوانہ بنوں یا نہ بنوں" ؟
عرش تک جائے فرشتوں کا جو دل دہلا دے
میں وہی نعرۂ مستانہ بنوں یا نہ بنوں ؟
ایک بھی جس کے مقدر میں بلانوشی نہ ہو
میں اُسی طرح کا پیمانہ بنوں یا نہ بنوں ؟
کتنے بوجہلوں کو ہے ہوش و خرد کا پندار
میں بھی اُن جیسا ہی فرزانہ بنوں یا نہ بنوں ؟
ایک تماشا سا یگانوں کا جہاں پر ہو لگا
اس جگہ خود سے ہی بیگانہ بنوں یا نہ بنوں ؟
اے مری شمع فقط اتنا ہی فرما دیجئے
آپ کے حسن کا پروانہ بنوں یا نہ بنوں ؟

لیلیٰ

پھول اک بن کر مہکنے سے لگے
آپ زیادہ بہکنے سے لگے
ہے مناسب بند ہو بانگ درا
آپ کی گستاخیوں کا سلسلہ

قیس

عرض چھوٹی سی مری سُن لیجئے — آپ کی خفگی سر آنکھوں پہ مرے
قابلِ الزام ہے تو حُسن ہے — درمیاں ہے جو مرے اور آپ کے
ایک شاعر نے ہے کیا اچھا کہا — شعر جو سُنتے ہی دل کو بھا گیا

شاعر

شمع روشن ہو تو پروانے بھی آئیں گے ضرور
شمع کے ساتھ ہی خود کو بھی جلائیں گے ضرور

لیلیٰ

(ہم کو اس سے کیا!)

جلتے ہیں تو جل جائیں اس بزم میں پروانے

کچھ غور کرے اس پر دنیا کو کہاں فرصت — اس غور کی عادت سے ہوتی ہے بہت دقت
ہوتے ہیں تو ہو جائیں فرزانے بھی دیوانے

معمولی نہیں یہ مے ہے اس میں بہت تلخی — چکھ کر کبھی اسے دیکھیں میخواروں کی کیا ہستی
میخواروں کی کیا ہستی جل جلتے ہیں پیمانے!

بہتر تو یہی ہے بس چپ چاپ رہا کیجئے — بیگانے ہیں بیگانے کس کس کا گلہ کیجئے
بن جاتے ہیں دنیا میں جب اپنے ہی بیگانے

جو دل کی تمنا ہے وہ نقش ہے دل پر — جس بُت کو دیا ہے دل اس بت کی پرستش کر
ویسے تو ہیں دنیا میں بہتیرے صنم خانے

قیس

(تقریب بہرِ ملاقات!)

اے صنم آپ ہی اس دل کے مکاں کے ہیں مکیں
آپ ہی کا تو فردکش ہے یہاں نقشِ حسیں

ایک مدت سے حضور آپ کا دیوانہ ہوں
آپ تو جانتی ہیں آپ کا پروانہ ہوں
آج تک نام مرا قیس تھا اب ہے مجنوں
شہرا پا جائے گا ہر قریئے میں راقم کا جنوں
دن وہ آئے گا بہت جلد ہی انشاء اللہ
ایک عالم میں مرا آپ کا چرچا ہوگا
اب یہ فرمایئے کب آپ سے آکر میں ملوں
پھول کی طرح سے کب آپ کے گلشن میں کھلوں
کوئی تاریخ کوئی دن تو معیّن کیجئے
اور ملنا ہے کہاں یہ بھی تو فرما دیجئے
آپ ہاں کہ دیں تو حد درجے سکوں پائے گا
ورنہ اک خستہ جگر جاں سے گذر جائیگا

لیلیٰ

مدّعا کہنے کو آسان سے لفظوں کو چننا
حسبِ حال آپ کے ہے شعر کسی شاعر کا

شاعر

بے نمود اور نمودار کہیں دیکھا ہے ؟
اس قدر سادہ و پُرکار کہیں دیکھا ہے

لیلیٰ

پس یہ معلوم ہوا آپ خطرناک بھی ہیں
سخت گستاخ بھی آزاد بھی بے باک بھی ہیں
اب ہوا علم کہ ہیں طاق نظر بازی میں
آپ اوروں سے نظر بازی کریں ہم تو چلیں

آواز

اسی دن کا آسرا تھا مجھے مرگِ ناگہاں سے
وہ چلے جھٹک کے دامن مرے دستِ ناتواں سے

داستان گو

بس یونہی گذر رہے تھے دن رات
ہوتی تھی کبھی تو شہ۔ کبھی مات
دلبر کا تھا غم، کبھی غم ذات
کرتا تھا وہ اپنے دل سے یوں بات

کیا تجھ سے بتاؤں اے دل، اے دِل
ہے تجھ سے نباہ کتنا مشکل۔

قیس

[کون سی وادی میں ہے کونسی منزل میں ہے]
جنابِ دل یہ کیا لائے؟ کہاں تھے تم؟ کہاں تھے تم؟
بہت مدت کے بعد آئے کہاں تھے تم؟ کہاں تھے تم؟
الم، آزردگی اور اشک کی سوغات لائے ہو
ہمارے واسطے آہوں سے پُر جذبات لائے ہو
زمانہ وہ نہیں آیا لگے دل کی جگہ پر دل
نہیں تو ہم نہ رہتے ایسے بیچارے نہ یوں بسمل

الم تم کو ہو کیوں آخر تمہیں کس بات کا ہو غم
کوئی صورت نکالو جی کہ ہو سرگشتگی کچھ کم
کہاں تفریح کرتے ہو کہاں پھرتے ہو آوارہ
کہ جیسے کوئی ناکارہ کہ جوں ٹوٹا ہوا تارہ
ہمارے جسم اور جاں کو لگی کب تک رہے رنجک
رہیں صبح و مسا گردش میں ہم بے دل رہیں کب تک؟
اجی حضرت بتاؤ ہم سے آخر ماجرا کیا ہے
یہ ہنگامہ ہے کیسا، تم کو بتلاؤ، ہوا کیا ہے؟
ہے مرکز کون سا اے دل کہاں محور تمہارا ہے
کہاں ہے مے، کدھر مینا، کہاں ساغر تمہارا ہے؟
یہ سیاحی، یہ گردش، الغرض آوارہ گردی کیوں
ہمیں بتلاؤ تو اپنی یہ حالت تم نے کر دی کیوں
گذرتی ہے جو تم پر اس سے ناواقف مگر ہم ہیں
جو کہتے ہیں حقیقت ہے یہ سچ ہے بے خبر ہم ہیں

دلِ قیس

(اے قیس یہ ہے آپ کا عارفانہ تجاہل)

آپ اور "بے خبر" جنابِ قیس!
آفریں آپ پر جنابِ قیس
جیسے کچھ جانتے نہیں ہیں آپ
خاک تو چھانتے نہیں ہیں آپ
کتنے بھولے ہیں کس قدر معصوم
آپ کے عشق کی ہے شہر میں دھوم

آپ کی بات ہم نہیں سمجھے
یعنی اک گھات ہم نہیں سمجھے
کس لئے ساری بے قراری ہے
کس کی خاطر یہ جاں سپاری ہے
بنتِ مہ دخترِ سحر ہے کون
وہ سمن بردہ خوشبو ثمر ہے کون؟
آپ جس حور کے ہیں شیدائی
جسکی خاطر یہ ہے جبیں سائی
آپ کے دل کا مدعا ہے جو گل
زندگانی کا آسرا ہے جو گل

ہاتھ لگنے سے بھی جو ہو میلا
ہاں اسی گل کا نام ہے لیلیٰ

داستان گو

ہوتی تھیں وہاں بس ایسی باتیں
باتیں جنہیں کہئے میٹھی گھاتیں
بے خواب ہوئی تھیں ان کی راتیں
قسمت تھی فراق کی براتیں

پھر اگلی ہی شام قیس شیدا
محبوب کے آستاں پہ پہنچا

لیلیٰ کا محل

قیس (رباب پر نغمہ سرا)

ایک دیوانہ ہے کشکول بکف در پہ تیرے
تو شہنشاہِ حسینانِ جہاں اے لیلیٰ
اپنی ہمت ہے کہ ہم ایسی جگہ جیتے ہیں
سانس لینا بھی جہاں پر ہو گراں اے لیلیٰ
تلخیٔ زیست بھلا بیٹھا ہوں تجھ سے مل کر
تو کہ ہے خسروِ شیریں دہناں اے لیلیٰ

کیوں نہ ہو ایسی بلندی پہ ترا کاشانہ
تو کہ ہے نازشِ شمشاد قداں اے لیلیٰ
تو وہ مشعل ہے اندھیروں کو جو کرتی ہے گداز
تو ہے سرجملۂ آتش بدناں اے لیلیٰ

پاسبانِ لیلیٰ

(خود کلامی)

گا رہا ہے یہ کون بیگانہ
کوئی دیوانہ ہے کہ فرزانہ
چشم پُرنم سی چال بے ہنگم
بال بکھرے سے حال بے ہنگم
نقلِ مضحک سا اپنے ماضی کا
یہ ہے اک مسئلہ ریاضی کا
میں کہ لیلیٰ کا پاسباں ہوں یہاں
فرض ہے اس سے پوچھوں نام نشاں
جاؤں نزدیک اسکی تھاہ تو لوں
کچھ کہوں اپنی کچھ میں اس کی سنوں

(پاسبان قیس کی طرف بڑھتا ہے۔ رباب بج رہا ہے قیس نے ایک نئی لے چھیڑی)

(انداز تو دیکھو)

قیس تجھی سے مانگ رہا ہوں تجھے میں اے لیلیٰ
گدا ہوں پر مرا انداز خسروانہ ہے
مری غزل میں ہے تیرے شباب کی مستی
مری غزل میں سرور مے شبانہ ہے
مری غزل تری دوشیزگی کا نقشِ حسیں
مری غزل تری رعنائی کا فسانہ ہے

یہ بات سچ ہے طبیعت میں میری ہے رندی
مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ ہے
وہ شخص جس کو کہتے تھے لوگ فرزانہ
عجب یہ ہے کہ ترا اِن دنوں دِوانہ ہے

پاسبانِ لیلیٰ

کون کہتا ہے تم ہو فرزانے   مجھکو تو لگ رہے ہو دیوانے
(قیس قدم بوسی کرتا ہے)

پاسبانِ لیلیٰ

یہ کیا کہ تم نے قدم آگے بڑھ کے میرے لئے
گدا سمجھ کے میں چپ تھا ابھی تلک، سمجھے!

قیس

آپ بھی ہیں مجھ کو اے بابا عزیز
ویسے جیسے ہے سگِ لیلیٰ عزیز

پاسبانِ لیلیٰ

(برود بسوز در آتشِ خویش)
میں کہاں اور کیا ہے شئے لیلیٰ کا سگ
تم مجھے کوئی نظر آتے ہو ٹھگ
کون ہو تم؟ چاہیئے کیا؟ کر رہے ہو کیا یہاں؟
گر ہو موسیقار تو بازار میں کھولو دکاں
دور ہی سے سن رہا تھا میں یہ دو دھاری غزل
ساز اس میں ہے مگر ہے سوز سے عاری غزل

تم سمجھتے ہو کہ سرمستی تمہاری لَے میں ہے
تم سمجھتے ہو کہ موسیقی تمہاری نَے میں ہے
یاد رکھو روح میں ہوتا ہے نغمہ اے پسر
اور ہوا کرتی ہے ایسی موج نے ہی کارگر
دل میں ہی بت ساز کے پوشیدہ ہوتا ہے صنم
خلوتوں کی انجمن ہی میں وہ لیتا ہے جنم
تم ابھی بھولے ہو، سادہ ہو، بہت معصوم ہو
آگ میں اپنے لہو کی اور کچھ عرصہ جلو!
دل کہ جو اپنے لہو کی آگ میں جلتا نہیں
بس تپا کرتا ہے وہ کندن کبھی بنتا نہیں
کسکو فرصت ہے سُنے جو داستانِ اضطراب
درد کے بازار میں کھولو دکانِ اضطراب!

قیس (گاتا ہوا جا رہا ہے)

بجز اک جہیز کے اے گل بدن اس گھر میں اب کیا ہے
فقط دل ہی تو ہے وہ بھی مگر مدت سے تیرا ہے
اگر تیری توجہ سے بھی ہم محروم ہو جائیں
تو بس پھر سر ہے اور اک بے درد دیوار صحرا ہے
حدِ دیر و حرم سے ہم بہت آگے کو جا پہنچے،
جبیں اب بے نیازِ آستانِ دیر و کعبہ ہے

داستان گو

اک سوچ میں قیس تھا مسلسل لیلیٰ کے فراق میں تھا بے کل
تنہائی سے دل میں تھا ہلا ہل تھی فکر مگر دماغ تھا شل
تشنہ تھی بہت ہی پیاس اسکی شامیں تھیں اداس اداس اس کی

قیس

بجھتی جاتی ہے شام کی قندیل ہر طرف ایک خامشی کی فصیل
کتنی پُر پیچ اور کتنی طویل

بام و در پہ ہیں پہرہ ہائے سکوت غل یہ ہے غل کا اٹھ چکا تابوت
محوِ حیرت ہے عالمِ ناسوت

خامشی خامشی سے محوِ کلام ہو چکا کام ناطقے کا تمام
رک گئی آج گردشِ ایّام

شب کے پچھلے پہر میں تنہائی اک کمینگاہ سے نکل آئی
بن گیا شہر خود تماشائی

راہ مبہوت، سرنگوں اشجار ہے چمن میں نہ رنگ و بو کا نکھار
زیست بوجھل، کٹھن، گراں، دشوار

دھول اڑتی ہوئی سی وحشت کی دور سناٹے نے صدا سی دی
غم نے پھر دل میں ایک کروٹ لی

ہو چکا ہے سکونِ دل تاراج حیف غم کا نہیں ہے کوئی علاج
کوئی ساتھی نہ غمگسار ہے آج

یہ میرا شہر، میرا اپنا شہر　　شہر جس میں کہ پی رہا ہوں زہر
زندگی کیا ہے اک مسلسل قہر
وا ہوئے حلقہ ہائے دار و رسن　　نہ تو آہیں نہ نالہ و شیون
چاک ہے زندگی کا پیراہن!

داستان گو

قیس اور غم یار، یار تھا دور　　غمگین تھا، غم گسار تھا دور
مجبور سے، اختیار تھا دور　　مایوس سے کردگار تھا دور
تھی یاس محیط جان و دل پر　　آنکھوں کے لہو سے تر تھا بستر

قیس

(مداوا کوئی نہیں)

اک گرانبار اداسی ہے دل وجاں پہ محیط
اور اک ایسی خلش جس کا کوئی نام نہیں
نیشِ عقرب ہی کہوں میں اس کو
جس کی ہر ضرب ہے زہر آلودہ
ایک مضرابِ ستم!
جس کے چھوتے ہی لرز جاتا ہے دل کا ہر تار
خواب زخمی ہیں امیدیں مجروح
آرزوؤں کا کلیجہ چھلنی
کیا غم زیست کا اب کوئی مداوا ہی نہیں؟ چارہ گر کوئی نہیں کوئی مسیحا ہی نہیں
کیا نہیں کوئی بھی تسکینِ نہاں کی صورت۔ کوئی آسودگیٔ قلبِ تپاں کی صورت

ذہن اک تیرہ و تاریک۔ سر مجبس میں ہوا ہے تبدیل
میرے افکار جہاں قید ہیں، زندانی ہیں
کتنی مسموم ہے اس مجبس تیرہ کی فضا
جس فضا میں مرے افکار کا دم گھٹتا ہے۔ میری جرأت، مرے اظہار کا دم گھٹتا ہے
اک گرانبار اداسی ہے دل و جاں پہ محیط!

(لیلیٰ بہ نفس نفیس آتی ہے)
مژدہ باد اے مرگ، عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے!

لیلیٰ

ہم ادھر سے جا رہے تھے اپنی اک ہمدم کے ساتھ
کر رہے تھے ہم یونہی آپس میں اک دلچسپ بات

اتفاقاً ہم نے جب پرسوز اک نغمہ سنا
ہم کو اے قیس آپ کی آواز کا دھوکا ہوا۔

جب ادھر آ ہی گئے ہیں دل میں آیا اک خیال
دیکھ لیں کیا کر رہے ہیں آپ، کیا ہے حال چال

اپنی ہمدم سے کیا ہم نے ذرا سا مشورا
رائے اس نے دی ملیں ہم آپ سے ہے ہرج کیا

قیس

(تشکر، تشکر)

آپ آئیں دل سے میرا شکریہ!

کیا یہ سچ ہے آپ ہیں میرے قریب۔ لگ رہی ہے بات اے لیلیٰ عجیب۔ جاگ اٹھے ہیں قیس کے سوئے نصیب

آپ آئیں دل سے میرا شکریہ!

اک اندھیرا تھا یہاں پر چھا رہا۔ آپ نے آکر اجالا کر دیا۔ آپ کے آنے کا امکاں بھی نہ تھا!

آپ آئیں دل سے میرا شکریہ!

آپ کی آمد سے دل سیراب ہے۔ میری خوش بختی کا پہلا باب ہے۔ جاگتا ہوں یا کہ کوئی خواب ہے

آپ آئیں دل سے میرا شکریہ!

لیلیٰ :۔ بات کیا ہے کن خیالوں میں ادھر کھوئے ہیں آپ
ایسا لگتا ہے کہ کل شب کو نہیں سوئے ہیں آپ

قیس (صورت ببیں حالت مپرس)

ایک دو راتوں کا ہے کیا غم مہینے ہو گئے
خواب کیا ہے؟ نیند کیا شئے ہے؟ نہیں ہم جانتے

دل ہمارا رات بھر منہ زور تھا، دھڑکا کیا
شام ہی سے یہ چراغِ شب بہت بھڑکا کیا!

ہم یہ سمجھے ہات سے اپنے نکل جائیگا دل
اور نکل جائے تو پھر واپس نہیں آئیگا دل

آپ ادھر تشریف لائیں خیر مقدم آپ کا
اسطرف ہوتا گذر ہے یوں بھی کم کم آپ کا

گر اجازت ہو تو کچھ دیر کو چھیڑوں رباب
اس مسرت میں کہ ظلمت میں ہے چمکا آفتاب

لیلیٰ آپ کی گر خوشی اسی میں ہے۔ چھیڑ دیں آپ ساز پر اک لے

قیس (رباب چھیڑ کر گاتا ہے) (اے ہدیۂ بہار)

اجالو طور کی مشعل جلاؤ
اندھیرو تم عدم کو لوٹ جاؤ

کہ آپ آئی ہیں اس ظلمت کدے میں
مبارکباد ہم خود کو نہ کیوں دیں

مرے خوابوں کی ہیں خود آپ تعبیر
مرے اشعار کی رنگین تفسیر

مری شاموں کی اک دلکش صباحت
مری صبحوں کی نورانی لطافت!

حسیں ہدیہ بہاروں کی طرف سے
چمن کے گل عذاروں کی طرف سے

کلیساؤ کی باحرمت ہواؤ
یہ مریم ہیں انہی کے گیت گاؤ

نہیں ان کو کوئی عذرا سے نسبت
کہ وہ اک خواب ہے ہیں یہ حقیقت

مجھے زرتشت کی تقدیس تسلیم
مگر واجب ہے اس شعلے کی تعظیم

نہ کیوں ہو اب مقدر پر مجھے ناز
کہ آپ آئی ہیں حسن کے دل کی آواز

لیلیٰ

اس حسین نغمے کا بے حد شکریہ — سن کے اسکو جی بہت ہی خوش ہوا

قیس

"وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے — کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں"

لیلیٰ

شکریہ لیں آپ اس تعریف کا — ان حسین الفاظ اور توصیف کا
شکریہ جذبات و احساسات کا — شکریہ اس دل نشیں سوغات کا

قیس

(مجھے معلوم نہ تھا)

آج کا دن ہے مری زیست کا حاصل اک دن — آئیگی ایسی بھی ساعت مجھے معلوم نہ تھا
آپ خود آئینگی اس گھر میں مرے نفس نفیس — ہوگی اک ایسی بھی صورت مجھے معلوم نہ تھا
نہ فراموش اسے میں کبھی کر پاؤں گا — یوں ملیگی مجھے عزت مجھے معلوم نہ تھا!
افق جاں پہ نکل آئے گا یوں ایک قمر — غم کی مٹ جائیگی ظلمت مجھے معلوم نہ تھا
حشر کا دن تو بہت دور ہے لیکن ہو گی — حشر سے پہلے قیامت مجھے معلوم نہ تھا
آئیگی دولت بیدار مرے گھر اک دن — ایسا دن لے مری چاہت مجھے معلوم نہ تھا
آپ یاں آئیں مقدر کو مرے چمکا یا — ہو گی اس درجہ مسرت مجھے معلوم نہ تھا

لیلیٰ

(سوال و جواب)

آپ کے شعر سب سنے میں نے — جیسے محفل میں ایک جام شراب
آپ کی انگلیوں نے وجد کے ساتھ — چھیڑا آہستگی سے تار رباب
نشہ دونوں کا ایک ہی سا ہے — ہے سوال ایک دوسرا ہے جواب
بس اسی طرح سے تو باقی ہیں — آپ کے میرے جانے کتنے حساب

قیس

(کوہِ نور)

کیوں نہ مجھکو فخر ہو اور کیوں نہ مجھکو ناز ہو
میری قسمت آپ ہیں میرا مقدّر آپ ہیں

ہے مشیّت نے ازل سے میری قسمت میں لکھا
میری تقدیر او رمرا بخت سکندر آپ ہیں

ظلمتیں ہی ظلمتیں ہیں آسماں سے تا زمیں
اس اندھیرے میں اجالے کے پیمبر آپ ہیں

زخم بھی ہونے نہ پائے گھاؤ بھی کاری لگے
جو کلیجے میں اتر جائے وہ خنجر آپ ہیں

دور کر دے جو اندھیرا آپ ہیں وہ کوہ نور
آنکھ جس سے خیرہ ہو جائے وہ گوہر آپ ہیں

گھومتی ہے میری قسمت آپ ہی کے آس پاس
اس میں مجھکو شک نہیں کچھ میرا محور آپ ہیں

آپ ہیں بے حد حسیں دراصل انکو یوں کہوں
خوش جمالوں کے سپہ سالار و افسر آپ ہیں

لیلیٰ

(اب اجازت دیں)

رل رہے ہیں افق پہ دونوں وقت
نبض اب دن کی ڈھلنے والی ہے

چاند تاروں کی اک حسیں بارات
آسماں پر نکلنے والی ہے !

اب چلیں آپ سے اجازت لیں
راگ کی لے بدلنے والی ہے !

پھر ملیں گے اگر خدا لایا
دن گیا، شام چلنے والی ہے !

داستان گو

پیوست تھا تیر چشم لیلیٰ
سب کہتے تھے اس کا ہی دِوانا

بستی میں کبھی وہ گھومتا تھا
جاتا تھا کبھی بسوئے صحرا

تھا ایک خیال ایک ہی فکر
لیلیٰ کا ہی نام اس کا ہی ذکر

دنیا کا رواج بھی ہے کیسا... یاروں نے بجائے قیس شیدا
مجنوں لقب اس کا رکھ دیا تھا سب بھول گئے تھے نام پہلا
مجنوں ہی اسے پکارتے تھے اس نام کو ہی نکھارتے تھے
بیٹے کے مرض کا شہ کو تھا غم تھی ماں کی بھی چشم، چشم پُرنم
دونوں ہی کو فکر تھی یہ پیہم ہر لمحہ تھا گویا ساغرِ سم
رہتے تھے بہت ہی وہ پریشاں بیٹے کے ملال سے ہراساں
احوال جو پوچھا شہ نے اس کا گویا ہوئے محرمانِ خانہ
معلوم ہوا ہے عشق لیلیٰ.... سلطاں ہوئے سنتے ہی روانہ
تا جلد کریں وہ طے یہ رشتہ ہو جائے کہیں مرض نہ دونہ

وزیر اعلیٰ (ایک ضروری مسئلہ)

سید ناصر کو جھک کر خاکسار پیش کرتا ہے سلام و احترام
میں وزیر اعظم کا بینہ رہوں اور عرب کے شاہ کا ادنیٰ غلام
لائے ہیں تشریف شاہ ذی وقار میں ہوں ہمراہِ شہ عالی مقام
اک ضروری مسئلہ درپیش ہے جس کی خاطر [illegible]
بات کرنی چاہتے ہیں اے بزرگ آپ ہی سے [illegible] شہ ذی احتشام

سید ناصر (مدعا کیا ہے [illegible])

السلام اے تاجدار اے حاکم والا تبار آپ کی آمد سے روشن ہو گیا ہے ہر دیار
آپ آئے آپ کو کہتے ہیں ہم خوش آمدید [illegible]

ناصری ہے یہ ریاست جس کا میں سردار ہوں — اسکی خاطر جان بھی دینے کو میں تیار ہوں
مدعا کیا ہے یہاں آنے کا اور کیا راز ہے؟ — آپ فرمائیں کہ بندہ گوش بر آواز ہے

شاہ

(میرے ولی عہد کو آپ فرزندگی میں قبول کریں)

سید ناصری سلام علیک — جید ناصری سلام علیک
شکریہ آپ کی عنایت کا — شکریہ آپ کی محبت کا
لے کے آیا ہوں ایک اپنی مراد — اس کو پوری کریں کہ دل ہو شاد
میرا فرزند جس کا نام ہے قیس — میرا دلبند جس کا نام ہے قیس
ہے وہ بس ایک ہی ہنر میں طاق — جس کا شہرہ افق سے تا آفاق
وہ ہنر جس کا عاشقی ہے نام — اس سے واقف ہیں سارے خاص و عام
قیس ہے کچھ دنوں سے تشنہ جگر — نام ہے ایک اس کے ہونٹوں پر

لیلیٰ لیلیٰ، پکارے ہے بن میں
لیلیٰ ہی لیلیٰ ہے بسی من میں

صبح سے شام تک وہی اک نام — وہی میخوار اور وہی اک جام
آپ کی دختر حسیں کے لئے — اس نے آرام و خواب تج ڈالے
ں کے لب پر جناب صبح و مسا — ذکر ہے گر تو ذکر ہے اس کا
یش کرتا ہوں میں سلامی میں — آپ لے لیں اسے غلامی میں
پ جوہر شناس ہیں سید — میرے بیٹے کی آس ہیں سید

سید ناصری (آپ کا ہے مال، مالِ پُر خلل)

آپ نے رکھا ہے میرے سامنے اک مسئلہ
مسئلہ ایسا کہ ہے ہر گام پر اک مرحلہ

کچھ ہی عرصہ قبل میرے علم میں آئی یہ بات
میرے اک ہمدم نے میرے علم میں لائی یہ بات

تب سے مجھ کو بھی یہی اک غم ہی آزار ہے
میری عزت آہ کیوں رسوا سر بازار ہے

بات کہنی چاہونگا بس آپ سے میں صاف صاف
آپ کے بیٹے کی حرکت کر نہیں سکتا معاف

اس میں کیا شک ہے کہ وہ آشفتہ مغز آشفتہ سر
دشت ہی کی راہ میں دیکھا گیا ہے بیشتر

آپ کی ہوتی اگر بیٹی تو رکھیئے دل پہ ہات
اس کو کر دیتے تھے کیا آپ اک دیوانے کے سات

آپ بھی چاہیں گے کیا اس حال میں کہہ دوں ہاں میں ہاں؟
بس بنا سوچے، بنا اندیشۂ سود و زیاں

آپ بھی ہیں اک عرب اور جانتے ہیں آپ خوب
دیکھتا ہے عیب کوئی جب عرب، جاتا ہے ادب

جب کبھی بازار میں آتا ہے مالِ پُر خلل
اک نظر میں دیکھ کر ہی لوگ جاتے ہیں سنبھل

آپ ہی کے مال میں ہے عیب اور خامی حضور
آپ ہی کے مال کا تو ہے، نہیں میرا قصور

ہات میں اپنے جگر گوشے کا کیوں دوں صاف صاف
اک جنونی کو تو دے سکتا نہیں، کر دیں معاف

داستان گو

سن کر یہ جواب ناصری سے
سلطان بہت اداس لوٹے

دربار میں آ کے سب سے بولے
انکار کیا ہے ناصری نے

اچھا ہو جو قیس کو سنبھالو
سانچے میں نئے ہی اسکو ڈھالو

کابینہ نے سن کے حکم سلطاں
آپس میں صلاح کی یک جاں

عامران:

بے وجہ ہوں کس لئے ہراساں
ہے کب یہ نشانِ ہوش منداں

لیلیٰ سے ہزار درجے بہتر
لائیں گے برائے قیس، دلبر

پس ایک وزیر اس سے بولے
نظریں تو اٹھاؤ شاہزادے

ہیں باغ میں اور بھی شگوفے
آراستہ تر نو بہار سے

ہیں اور ہزار ہا پری وش　　دیکھے ہی سے جنکو آئے ہے غش
اے قیس ہیں شعلہ فام کتنے　　ہیں اور بھی خوش خرام کتنے
روشن ہیں مہ تمام کتنے　　ہیں مہر بلند بام کتنے،
ہیں کتنے جہاں میں سمن بر　　لیلیٰ ہی میں کیا ٹکے ہیں گوہر؟

قیس

آپ کو کیا زیب دیتی ہے یہ بات　　اس کے آگے اب نہ کچھ فرمائیے
مجھ کو یہ سن کر بہت ہی دکھ ہوا　　جی میں آتا ہے یہیں مر جائیے،
دل میں ہے پیوست پہلے سے ہی غم　　تیر اس پہ اور مت برسائیے
ہے مری درخواست میرے مہرباں　　آپ بس تشریف اب لے جائیے

داستان گو

مسکین، غریب، قیس معصوم　　تھا درد بھری خبر سے محروم
پھر جب اسے ہو گیا یہ معلوم　　محبوب نہ ہو سکے گی مقسوم
سنتے ہی یہ کیفیت تھی اس کی　　جیسے کہ گری ہو اس پہ بجلی

قیس

(پھولوں کے زخم)

دن کی بھٹی میں تپتا　　اک بنجر، سوکھا صحرا
ترکش کا تیر اس کی لو　　جو گھاؤ کرے ہے گہرا
یاں پھول نہیں اگ سکتے　　خاروں کا لگا ہے پہرا
ہیں اس کے کنوئیں سب اندھے　　صحرائے ستم ہے بہرا
تھا شہر میں انگاروں پر　　دل دشت میں آ کے ٹھہرا
دنیا بھی عجب سی شے ہے　　رہتے ہیں یہاں انجانے

یاں چھوٹی سی باتوں کے — بن جاتے ہیں افسانے
ہیں لوگ بہت جو خود کو — کہلاتے ہیں فرزانے
جو عاقل ہیں یہ سن کر — بن جاتے ہیں دیوانے
غیروں کا گلہ کیا کیجئے — جب اپنے ہوں بیگانے
پھولوں سے کانٹے اچھے — چبھ کر جو نکل ہیں جاتے
جو زخم دیئے پھولوں نے — وہ زخم نہیں بھر پاتے
ہے از حد بھولا بھالا — کیوں دل کو ہو الجھاتے؟
کیوں اس پہ غضب یوں کرتے — کیوں اس پہ ستم ہو ڈھاتے؟
گر دل ہے اک صحرائی — کیوں اس کو نہیں سمجھاتے؟
جو ہنستے ہوئے ڈستے ہیں — ان یاروں کی یاری دیکھی
جس پر بھی داؤ لگایا — وہ بازی ہاری دیکھی
اس دل کی ہوئی جو درگت — ساری کی ساری دیکھی
رسوائی اور بربادی — ذلت اور خواری دیکھی
ان کی مجبوری دیکھی — اپنی لاچاری دیکھی

صحافی

(تازہ خبر)

آج کی تازہ خبر

لو صحافی سے سنو — سن کے بس سر کو دھنو
تانا بانا ہے بنو — اک نیا پھول چنو

آج کی تازہ خبر

دُرِّ مکنوں کی خبر — چشم پُر خوں کی خبر

ایک محزوں کی خبر   ایک مجنوں کی خبر   آج کی تازہ خبر

ہم سبق (کچھ ہمیں بھی تو بتلائیے کیا ہوا؟)

ہم جماعت، ہم سبق مجنوں کے یاراں ہم بھی ہیں
اور اسی کی طرح سے رسوائے دوراں ہم بھی ہیں
کچھ سنیں ہم بھی تو کیا تازہ خبر ہے آج کی
قتل کی، غارت گری کی، تخت کی یا تاج کی
کیا کسی نے پھر کسی کی چھین لی ہے جائیداد
ہے کوئی فریاد جس کی اور نہ شنوائی نہ داد
کیا کسی مہوش کو لیکر ہو گیا کوئی فرار؟
کیا کسی پہ کوئی صدقے ہو گیا دیوانہ وار
کیا کسی نے پھر کسی معصوم کا توڑا ہے دل
کھب گیا ہے کیا کسی دل میں کسی کے رخ کا تل؟
کیا کسی گل رخ نے دونانِ جویں کے واسطے
اپنی عزت بیچ دی تاروں کے خیمے کے تلے
کیا کسی صیاد نے گلشن پہ پھر پھینکا ہے دام
کیا کسی بلبل نے گل سے لے لیا ہے انتقام؟

صحافی (قیس بالآخر دوانہ ہو گیا)

ہم جماعت قیس کے گر سن سکو تو لو سنو
آج کی تازہ خبر لو میں سناؤں آپ کو
قیس عامر جانب صحرا روانہ ہو گیا
لوگ کہتے ہیں کہ بالآخر دوانہ ہو گیا
میں نے خود دیکھا کہ جب وہ جا رہا تھا بے گناہ
بے قبا، بے جادہ، بے پاپوشی، بے زر، بے کلاہ
شہر کے کچھ چھوکرے برسا رہے تھے سنگ و خشت
جا رہا تھا وہ جنونی ماورائے خوب و زشت
نام لیلیٰ کا وہ لیتا جا رہا تھا بار بار
مضطرب، بے چین، دل افگار، بیکل، بے قرار
قیس کے لب پر جو نغمہ تھا وہ ہم سب نے سنا
ہے فضاؤں میں وہی نغمہ ابھی تک گونجتا

قیس (تیرے شہر میں)

فاش کب یا کیے یہ اسرار تیرے شہر میں
گل تو گل کتنے گراں ہیں خار تیرے شہر میں
تب سے کھویا ہم نے دل کی دھڑکنوں پر اختیار
جب سے پایا اک حسیں آزار تیرے شہر میں

ہر نفس اہلِ وفا کے واسطے ہے پُل صراط
زندگی ہے کس قدر دشوار تیرے شہر میں

مرحبا اسال کیا پھولی ہے فصلِ اشک و آہ
بڑھ گئی ہے غم کی پیداوار تیرے شہر میں

اتنا ارزاں تو شہیدوں کا لہو پہلے نہ تھا
تھی کبھی ایسی نہ گیر و دار تیرے شہر میں

گاہے گاہے ہی نظر آتے تھے گرگِ گرسنہ
اب کھلے بندوں ہیں سب خونخوار تیرے شہر میں

ہر قدم پر گورکن اور ہر طرف دار و رسن
راستے ہیں کتنے ناہموار تیرے شہر میں

معترف تھا دہر جنکی عظمتِ کردار کا
وہ ہوئے کتنے ذلیل و خوار تیرے شہر میں

جب سے اے قاتل ہوا ہے عام تیرا فیضِ چشم
ہے فغاں کا گرم اک بازار تیرے شہر میں

میں یہاں کسکو پکاروں کسکو آواز دوں
کون ہے جسکو کہوں غم خوار تیرے شہر میں

در حقیقت آج سے پہلے نہ ہوتے تھے کبھی
دوستی میں دشمنی کے وار تیرے شہر میں

آستینوں میں نہ یوں پنہاں تھا خنجر اس سے قبل
اس سے پہلے تھی نہ گیر و دار تیرے شہر میں

آہ اے لیلیٰ قیامت ہے کہ خود مجنوں ترا
ہو گیا رسوا سرِ بازار تیرے شہر میں

ہم سبق

(ہائے ہائے)

"ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بہ صحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم"

بات تو نے اے صحافی کیا سنائی دل خراش
کیا خبر ہے آج کی؟ میں پوچھتا تجھ سے نہ کاش

جانتے ہیں سب کہ وہ کچھ دن سے تھا صاحب فراش
تھا نہ یہ معلوم ہو جائے گا یوں وہ پاش پاش

ہو گیا ہے راہی دشت و بیاباں ہائے ہائے
چل دیا گلشن سے اک نازِ گلستاں ہائے ہائے

میں نہ تھا تیار ایسی بات سننے کیلئے
دکھ یہ ہے کیا کیا نہ غم اس تیرہ قسمت نے سہے

غم اگر کوئی کہے اپنا تو کب؟ کس سے کہے
کسکو فرصت ہے کہ ایسی داستانِ غم سنے

کسقدر دشوار ہے یہ راہِ جاناں ہائے ہائے
کوہِ غم ہے سر پہ پھر بھی ہے وہ خنداں ہائے ہائے

اس میں کیا شک ہے کہ اسکا عشق ہے عشقِ محال
پھر بھی ترکِ عشق کا پیدا نہیں ہوتا سوال

سچ ہے ایسے عشق پر آ ہی نہیں سکتا زوال
عشق صادق ہے اگر تو ہجر کیا اور کیا وصال

دیکھ مجنوں کیطرف اے چرخِ گرداں ہائے ہائے
راہ میں حائل ہیں اسکے کتنے طوفاں ہائے ہائے

صحافی (ایک بات پوچھیں)

آپنے جو کچھ بھی فرمایا درست
اور سمجھ میں میری بھی آیا درست

پوچھنے کو یوں بہت سے ہیں امور
بات لیکن ایک ہی پوچھوں حضور

ہم سبق (پوچھیئے)

پوچھئے آپ ضرور اس میں تکلف کیا ہے
اس میں کیا ہرج کہوں علم میں جو کچھ ہے مرے

صحافی (قیس آپ کا ہم مکتب تھا)

ابھی کچھ دیر ہوئی آپ نے یہ فرمایا
قیسِ آشفتہ کبھی آپ کا ہم مکتب تھا

حسبِ حال آپ کے اک شعر مجھے یاد آیا
ہو اجازت کہ مجھے یاد وہ بر باد آیا

شعر ہے یہ "قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو، خوب گذریگی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو"

آپ کا کیا خیال ہے فرمائیں؟

ہم سبق عرض کرتا ہوں بات دھیان میں لائیں

ابھی تو ہم پہ ہے اک جبر کی سی کیفیت
گلوں پہ کچھ تو ہمارا ابھی اختیار چلے

نہیں قبول ہمیں یہ نہیں ہمیں منظور
جو گل چلے تو یہ کیا ساتھ ساتھ خار چلے

یہ کیا ضرور ہے ایسا نہ ہو تو اچھا ہے
پیادہ ساتھ میں ہو جب کہ شہسوار چلے

بڑی خوشی سے چلے جائیں ہم بھی صحرا کو
ہمارے ساتھ اگر باغ کی بہار چلے!

صحافی "اتنا نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت، دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ!"

فقط یہ قیس کا ہے ظرف جو یہ کہہ نکلا | قیس: کوئی چلے نہ چلے ہم تو سوئے دار چلے
وہ رات جس کی نہ ہوگی سحر قیامت تک | ترے نگر میں وہی رات ہم گذار چلے
خدا بنائے رکھے تیری آنکھ کا کاجل | کہ اشکبار چلے ہم تو سوگوار چلے

(جرم و سزا)

گھر چھوڑ کے قیس جا رہا ہے | جیتی ہوئی بازی اس نے ہاری
کیا جرم ہے اور یہ کیا سزا ہے | قسمت میں ہے اس کی سنگباری

شہر میں آج یہ لیلیٰ نے منادی کر دی

لیلیٰ (دور کی آواز)

کوئی پتھر سے نہ مارو مرے دیوانے کو | ہائے ایسے نہ جلاؤ مرے پروانے کو

صحافی (دور کی آواز)

ہے کوئی جو اس کے دکھ کو جھیلے | ہے کوئی کرے جو غم گساری
دراصل یہ سنگ دل ہے دنیا | کیا کہیئے کہ زخم بھی ہے کاری
جیسے کہ رکھی ہو دل پہ اک سِل | جاتا ہے کہ دل بہت ہے بھاری
آنکھوں کو ترس گئی ہیں آنکھیں | آنکھوں ہی سے جوئے غم ہے جاری
آزار سے شل ہیں دست و بازو | رقت سی ہے اک دل پہ طاری
آیا ہوا سر پہ اک تلاطم | چہرے پہ لکھی تکان ساری
دن آیا تو بڑھ گئے مصائب | گنتے ہوئے تارے شب گذاری

(لڑکوں کا تمسخر) "تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی ؛ لڑکوں کیلئے گیا ہے کیا کھیل نکال"

قیس: "اے دیکھنے والو مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو ؛ تم کو بھی محبت کہیں مجھ سا نہ بنادے"

صحافی: آیا نہیں اسکو دل دکھانا ؛ سیکھی نہیں اس نے دنیاداری

دن چین نہ رات کو ہے آرام
اس طرح گذاری عمر ساری

جب دشت کو وہ ہوا روانہ
دروازے نے بانہہ تھی پساری

اٹھتا تھا دھواں چراغِ در سے
جب جاتی تھی قیس کی سواری

ایوان و اُطاق و بام و در سے
ہر لمحہ یہی صدا تھی جاری

آجا کہ تجھے گلے لگا لیں
پھر جانے کب آئے اپنی باری

"پتھر ہی کہیں نہ اسکو لگ جائے
لڑکوں کا ہے دورِ سنگ باری"

داستان گو

لیلیٰ تھی بہت نزار و غمگیں،
تھے چشم میں بس سرشکِ خونیں

اک حرفِ غلط تھا خوابِ نوشیں
اور تلخ وہ شے کہ جو تھی شیریں

جاں دادۂ قیس ہو گئی تھی
بس اسکے ہی غم میں کھو گئی تھی

لیلیٰ

بہت فسردہ ہے نغمہ بہت اداس ہے ساز
ہجومِ یاس میں گم ہو گئی مری آواز

گذر رہے ہیں شب و روز اسقدر بے رنگ
نہ ولولے، نہ امنگیں، نہ تازگی، نہ ترنگ

پکارتی ہوں یہ آواز کچھ نہیں آتی
میں ایسے جینے سے کیوں ہائے مر نہیں جاتی

وہ تیرگی ہے کہ کچھ بھی نظر نہیں ۔ آتا
کسے صدا دوں کہ کوئی ادھر نہیں آتا

خارِ دشت

نجد کے بنجر کدے کا میں وہی ہوں خارِ دشت
کتنے برسوں بعد جاگا ہے یہاں پر میرا بخت

آبلہ پائی مقدر میں لکھی تھی قیس کے
دیکھ لے اے دشت تو اس بے نوا کو دیکھ لے

ہو گئی ہے پیش گوئی پوری جو کی تھی کبھی
قیس کی لو آج صحرا میں عماری ۔ آ گئی

آبلوں سے اسکے بجھ جائیگی میری تشنگی
لوٹ آئیگی مرے چہرے پہ پھر سے تازگی

ہے جو بنجر یہ بیاباں اب ہرا ہو جائے گا — دیکھ لیں گے سب صحرا کیا سے کیا ہو جائیگا

قیس

(مژدہ خارِ دشت اب تلوا مرا کھجلائے ہے)

ایک کاہن نے کہی تھی میرے والد سے یہ بات — آپ کے فرزند کو اک دن جنوں ہو جائیگا

غم کریگا خلوتِ دل میں سرایت ایک دن — آج بے شک کم ہے لیکن کل فزوں ہو جائیگا

ایک دن اس دیدۂ پرنم سے ٹپکے گا لہو — ایک دن آئیگا جب اس دل کا خوں ہو جائیگا

ہے یہی رمزِ ازل سے ایک دستورِ حیات — سر اٹھا کر جو چلے گا سرنگوں ہو جائیگا

آئیگا طوفاں اجڑ جائے گی اک دن کشتِ ظلم — ہر ستم گر ایک دن خوار و زبوں ہو جائیگا

ہو کے رہ جائے گی برہم ایک دن بزمِ نشاط — ایک دن خاموش ہر اک ارغنوں ہو جائے گا

ایک دن مسمار ہو جائیگی روحِ کائینات — کالعدم اک دن جہانِ کاف و نوں ہو جائے گا

داستان گو: اب قیس تو بن گیا تھا مجنوں — تھی چشم بھی اشکبار و پُر خوں

رنجیدہ و سینہ چاک و محزوں — تھا اس کا مزاج ہی دگرگوں

دیوانہ صفت وہ ہو گیا تھا — صحرا کے نگر میں کھو گیا تھا

صحرا تھا کہ کاروبارِ وحشت — صحرا تھا کہ گردگارِ زحمت

صحرا تھا کہ خار زارِ حسرت — صحرا تھا کہ اقتدارِ ظلمت

صحرا تھا کہ خانۂ غریباں — صحرا تھا کہ بلدۂ خموشاں

تھا ایک ہی نغمہ ایک آہنگ — منزل کا نشاں نہ میل فرسنگ

دیوانہ کہ آمدہ ز خود جنگ — افتادہ و شکست بر سر سنگ

ناشاد کی آبرو تھی صحرا — وامق کو تھی آرزوئے عذرا

قیس

ہر اک ایواں میں ہر اک سنگِ در میں — ہر اک ذرّے میں ہر تارِ حجر میں

ہر اک پتے میں ہر شاخِ شجر میں
نظر آتا ہے بس لیلیٰ کا جلوہ !

نہ جی لگتا ہے صحرا میں نہ گھر میں
فقط ہے ایک ہی منزل نظر میں

فقط اب ایک ہی سودا ہے سر میں
نظر آتا ہے بس لیلیٰ کا جلوہ

سحر کنجشک کے پروازِ پر - میں
شجر میں اور شجر کے ہر ثمر میں

غرض اس کائناتِ خشک و تر میں
نظر آتا ہے بس لیلیٰ کا جلوہ

داستان گو

تھا دشت میں حالِ قیس ابتر
استادہ کبھی، کبھی نگوں سر

تھا ایک ہی نام اس کو از بر
لیلیٰ ہی کا نقش اسکے دل پر

اٹھتا وہ کبھی، کبھی وہ گرتا
صحرا میں فقط یہ کہتا پھرتا

قیس

شیفتہ اپنے ہی حال میں مست ہے
خانہ بردوش ہے اور بے رخت ہے

دل میں بس ایک ہی تیر پیوست ہے
دورِ افلاک میرے لئے سخت ہے

ایسا اجڑے نہ گھر اس جہاں میں کوئی
یوں نہ برباد ہو گلستاں میں کوئی

میں اگر ہوں برا حال کیسا نہ ہو
گم شدہ ہوں کوئی میرے جیسا نہ ہو

جیسا اس وقت ہوں کوئی دیوانہ ہو
اور کسی پر ستم، جور ایسا نہ ہو

کیسے کیسے یہاں ایسے ویسے ہوئے
ایسے ویسے یہاں کیسے کیسے ہوئے

میں خراب اور خستہ ہوں اے ماہ رُو
تیری خاطر ہی رسوا ہوا چار سو

کاش ملنا ہو تجھ سے کبھی دو بدو
میں کہ ہوں یم بہ یم، جو بجو - کو بکو

کوئی تدبیر اب کام آتی نہیں
اب صبا تیرے پیغام لاتی نہیں

تیری یادوں سے روشن مری انجمن
دید کا تیری ہوں شیفتہ جانِ من

سائے آواز کے تیرے کوہ و دمن
کھل رہا ہے یہاں تیرے رخ کا چمن
تیرے پیکر سے اس دشت میں نور ہے
میں بہت دور ہوں تو بہت دور ہے!

داستان گو

دراصل وہی ہے عشق کامل
ہو جس میں ہوس کہیں نہ شامل
ہوتی ہے ہوس جب اسمیں داخل
کاذب ہے وہ عشق اور باطل
"مجنوں کہ بلند نامِ عشق است
از معرفتِ تمامِ عشق است"
لاریب وہ عشق ہے حقیقی
جس عشق میں ہو طلب کی گرمی
جس میں کہ ہو معرفت کی مستی
مقصود ملے ؟ یہ کیا ضروری
دیوانے کو مت کہو دوانہ
جب عشق ہے اس کا آستانہ
آیا تھا قریب موسمِ حج
جو بھی تھے وہاں پہ محرمِ حج
تھا جن کو خیال اور غمِ حج
کہنے لگے شہ سے وہ ذمِ حج

عازمانِ حج :- جب لی ہے حرم کی آپ نے راہ ؛ اچھا ہو اگر ہو قیس ہمراہ

داستان گو

اس رائے سے شاہ متفق تھا
نکلا وہ شتاب سوئے صحرا
کچھ دن سے جہاں تھا قیس ٹھہرا
پہنچا وہ اُسی جگہ اُسی جا
آنے کا جو مدعا بتایا
بیٹے نے نفی میں سر ہلایا
کچھ دیر کی منت اور سماجت
سمجھائے معانیٔ اطاعت
کچھ حج کے مسائل اور برکت
آخر ہوئی بار ور مشقت
باطن ہی سے قیس تھا حجازی
حج کرنے کو چل پڑا ادہ ؟
بیٹے کو یہ راہ میں سمجھایا

شاہ :- اے نورِ نظر تو باز آجا۔ امکان نہیں ملے گی لیلیٰ۔ صحرا کی روش سے فائدا کیا

داستان گو :- سنکر ہوئے اشکِ قیس جاری؛ کعبے میں پہنچ کے یہ دعا کی

قیس :- کعبے میں (پروردگارِ عالم)

پروردگارِ عالم دونوں جہاں کے داور
آمرزگارِ عالم دارائے روزِ محشر

اے کردگارِ عالم سب کا ہے تو ہی سرور
نقش دوئی مٹا دے بگڑی مری بنا دے

دے نورِ عشق ایسا جو تیرگی مٹا دے
گلزارِ عشق ہی کی خوشبو سے گھر بسا دے

اور عشق ہی کے جلوے چاروں طرف دکھا دے
نقش دوئی مٹا دے بگڑی مری بنا دے

میری سرشت کو تو بس عشق سے جلا دے
اور عشق ہی کے میرے گلشن میں گل کھلا دے

میناے عشق ہی کی صہبا مجھے پلا دے
نقش دوئی مٹا دے بگڑی مری بنا دے

میری دعا نہیں ہے یارب روا روی میں
ہم جلائے عشق ایسا دونوں کی زندگی میں

کٹ جائے عمر ساری بس یادِ یار ہی میں
نقش دوئی مٹا دے بگڑی مری بنا دے

داستان گو: جب شاہ نے یہ سنی دعائیں
سوچا کہ فضول ہیں دوائیں

ہم زخم کسے کسے دکھائیں
بیمارئ دل کسے بتائیں

فوراً ہی وہ حج کے بعد لوٹے
کعبے سے وہ نامراد لوٹے

سینے سے لگائے نقش لیلیٰ
جو اس کی حیات کا تھا ملجا

آیا جونہی دشت قیس اترا
خاموش سدھار سوئے صحرا

دیکھا کئے دور تک اسے سب
شہ بولے علاج کچھ نہیں اب

اس بات کے ملک بھر میں چرچے
اک طنز کے ساتھ لوگ کرتے

اک دوسرے سے یہ کہتے پھرتے
ہوتے ہیں یہ عشق کے نتیجے

تھا سب کا یہی خیال، ایسی
رسوائی ہوا اور بھی کچھ انکی

خلق

اب قیس کا حال ہے دگرگوں — حج کر کے وہ آ گیا ہے پر سوں
لیلیٰ کے فراق میں ہے محزوں — ہے اس کا جنوں تو روز افزوں
مٹی میں ملا ہے نامِ لیلیٰ — رسوائے زمیں ہے بامِ لیلیٰ

داستان گو

تھے لوگ ہر طرح آزاد — اک حرفِ غلط وہاں تھی بیداد
بیٹی جو ہوئی تباہ و برباد — لیلیٰ کا پدر بہت تھا ناشاد
مجنوں ہی کا ذکر اسی کی گھاتیں — تھیں جتنی زبانیں اتنی باتیں
چرچے اسی بات کے تھے چرچے — سب جان گئے تھے ایرے غیرے
ہر ایک زباں پہ تھے شگوفے — واں لب پہ بٹھاتا کون پہرے
تھے لوگ وہاں بڑے ہی لائق — قصے تھے زبانِ زدِ خلائق
ہر قسم کے لوگ تھے نگر میں — سودا تھے ہزار جن کے سر میں
جو معرکہ جو تھے خشک و تر میں — صرصر میں کبھی، کبھی شرر میں
ان باتوں کا گیت سا بنایا — اوباش نے اک اسی نے گایا

اوباش

(بہار بادہ)

دل ہے بڑا بے قرار، آئی ہوئی ہے بہار، گردش میں پھر جام ہو
پھر فیض اک عام ہو، مایوس ہے زندگی، دل کو کچھ آرام ہو
تیرا کہاں ہے جواب؟ لیلیٰ کہاں ہے شراب؟ لیلیٰ کہاں ہیں شرار؟
مجھکو نہیں انتظار!

داستان گو

اس ہرزہ سرا پہ طیش آیا / غصے کا، الم کا ابر چھایا
ہر شخص کے ذہن میں سمایا / سیّد کے محل گئی رعایا!
تلواریں میاں سے نکالیں / اور اپنے ہی سر کی قسمیں کھالیں

رعایا

آدم ہیں نہ طیش ہووے گا کم / جب تک کہ ہمارے دم میں ہے دم
ہے ہم میں وہ زور اور دم خم / مجنوں کو مٹا کے لینگے دم ہم
ہم چیر کے اُس کو پھینک دینگے / پھر اس کے نشاں نہیں ملیں گے!

داستان گو

اک عامری بھی وہاں تھا موجود / کہتے تھے جسے عوام مسعود
اک سوچ تھی اس کے دل میں، معبود / ہے راہِ فرارِ قیس مسدود!
لپکا ہوا پاس پہونچا شہ کے / اور ان کو خبر سنائی اُس نے
سُن کر یہ خبر سبھی دکھی تھے / شہ جلد ہی دشتِ قیس پہونچے
چُپ چاپ وہ بیٹھے رہتے کیسے / کب تک وہ خبر یہ سنتے رہتے
جو کچھ بھی سُنا تھا کہہ سنایا / بیٹے نے بھی حالِ دل بتایا!

قیس

(جنوں اور ہوگا فزوں)

قبلہ و کعبہ مرے، میرے پدر / مجھ کو کب ہے ایسی باتوں سے خطر
اے مکرّم میرے، میرے محترم / کس لئے کرتے ہیں خود پر یوں ستم
آپ نے پھر کس لئے تکلیف کی؟ / مجھ کو اس سے ہے بہت شرمندگی

عشق میرا کم نہ ہوگا زینہار
ہے سبھی پر حال میرا آشکار

میں کہ ہوں روز ازل سے روسیاہ
اور بھی اب ہو گئی حالت تباہ

دشت میں اک پل نہیں ہے مجھکو چین
گاہ چپ ہوں گاہ کرتا ہوں میں بین

ہے خرابہ میری آنکھوں سے رواں
اک دو آبہ میری آنکھوں سے رواں

میں یہاں رنجور ہوں اور دردمند
زہر بھی میرے لئے ہے مثلِ قند

رحم اپنے حال پر فرمائیے
آپ اب للّٰہ واپس جائیے

شاہ (اپنے ختن لوٹ چلو)

تم کہاں رہتے ہو اے لختِ جگر نورِ نظر
یہ ملامت کی گلی ہے یہ خجالت کا نگر!

انگلیاں اٹھتی ہیں پھولوں کے نگہ داروں کی
ایک ہی حرف میں کہہ دوں تو کہوں خاروں کی

اس بیاباں میں تو وحشت کے سوا کچھ بھی نہیں
سچ تو یہ ہے کہ ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں

خاک اور خون کے طوفان اٹھاتا ہے یہ دشت
لوریاں لُو کی سناتا ہے رُلاتا ہے یہ دشت

اس خرابے میں فقط دھوپ اُگا کرتی ہے
صرصرِ یاس یہاں آہ و بکا کرتی ہے

تشنگی اس کی فضاؤں میں جنم لیتی ہے
بھوک اس دشت کے زخموں کو ہوا دیتی ہے

ریگ زاروں کا سرابوں کا یہ ویرانہ ہے
کوئی آذر نہیں جسکا یہ صنم خانہ ہے

کون واقف نہیں میداں ہے یہ میدانِ ستم
یعنی اک دشت جو کر دیتا ہے نوشین کو سم

یہ بیاباں ہے کوئی یا ہے زمیں پر دوزخ
جسم اور جاں کو جلا دیتا ہے بس یہ مطبخ

اُف یہ صحرا کہ جیسے حاتمِ بے فیض کہیں
کچھ نہ مل پائے جہاں ہاتھ پسارے ہی رہیں

اے مرے نورِ نظر، کحلِ بصر، لختِ جگر
میری تاریک و حزیں شب کی درخشندہ سحر

تم نے اس دشت کا جو راستہ اپنایا ہے
سچ کہو تم نے یہاں کوئی سکوں پایا ہے؟

تم نے صحرا میں جلائے تو ہیں آہوں کے چراغ
کیا مِلا ہے تمھیں اس راہ میں منزل کا سراغ؟

اے مری راحتِ جاں، راہ بہت ہے تاریک — دھاگا کچّا ہے، ملائم ہے، بہت ہے باریک
ہوش میں آؤ کرو ترک یہ شوریدہ سری — راہ گم کردہ ہو تم چھوڑ دو بے راہ روی
میں یہی کہنے کو آیا ہوں کہ گھر لوٹ چلو — اپنے گھر، اپنے چمن، اپنے نگر لوٹ چلو!
تم کو کہلایا ہے سورج نے اجالوں کا سلام — تم کو بھجوایا ہے صبحوں نے مسرت کا پیام
منتظر رہگذروں پر ہیں بہاریں کتنی — دیکھتی راہ ہیں پھولوں کی قطاریں کتنی
بادلوں نے یہ سندیسہ تمہیں بھجوایا ہے — آ بھی جاؤ طرب و عیش کا دن آیا ہے
چرخ کے طشت میں آئے ہیں ستاروں کے گہر — ہے بچھائے ہوئے آنکھوں کو درخشندہ قمر
آج بھی شوخئ اندازِ چمن باقی ہے — جام میں آج بھی صہبائے کہن باقی ہے

اے مرے سروِ چمن اپنے چمن لوٹ چلو!
میرے آہوئے ختن اپنے ختن لوٹ چلو!

قیس

(مری واپسی ہے عبث اور محال)

مجھے شرم آتی ہے میرے حضور — مگر اس میں میرا نہیں کچھ قصور
نہیں اس میں کچھ بھی تو میری خطا — کیا جو کیا، ہو گیا جو ہوا!
یہ صرصر، یہ آندھی یہ لو کی لپیٹ — حسد، دشمنی، بغض، کینہ، کپٹ
عذابِ الٰہی ہے دشتِ ستم — یہاں کی فضا میں ہے آمیزہ سم
حباب آبلے ہیں سمندر سراب — سمندر سراب، آبلے ہیں حباب
یہ سب کچھ ہی اس دشت کی دین ہے — نرالی یہاں کی ہے ہر ایک شئے
کہاں ہے بیاباں میں میرا جواب — جو بہ کر نہ لوٹ آئے میں ہوں وہ آب
میں ترکش سے نکلا ہوا تیر ہوں — کہ کھینچی ہوئی ایک شمشیر ہوں
نہ آ پاؤں گا میں گیا وقت ہوں — تردد ہے مجھکو مگر کیا کہوں

میرا لوٹنا ہے عبث اور محال
کہ اٹھتا نہیں ایسا کوئی سوال
یہاں پر میں ہر طرح آباد ہوں
نہ سوچیں ذرا بھی کہ برباد ہوں

شاہ
(جُز صبر چارۂ نیست)

یہ صحرا ہے یہاں کی رسم ہی سب سے نرالی ہے
کہ جو برباد ہوتا ہے یہاں آباد ہوتا ہے
مداوا اگر یۂ خونبار کا کچھ بھی نہیں شاید
غبارِ قیس خود اٹھتا ہے خود برباد ہوتا ہے!
ہوس بھی چھیڑتی ہے چٹکیاں لیتی ہے رہ رہ کر
دلِ عاشق مگر مجموعۂ اضداد ہوتا ہے
بڑے بوڑھوں نے اپنے تجربے ہی سے بتایا ہے
کہ جو صحرا میں جاتا ہے بہت ناشاد ہوتا ہے
وہ رشتہ توڑ دیتا ہے عزیزوں سے اقارب سے (ق)
فلک شدت سے اس پہ مائلِ بیداد ہوتا ہے
نہیں معلوم کیا تاثیر ہے اسکی ہواؤں میں
کہ ہر اک خار یاں فرعون اور شداد ہوتا ہے
یہ صحرا ہے یہاں ہرگز نہیں ہے پابہ گِل کوئی
یہاں پابند بھی آ جائے تو آزاد ہوتا ہے!
خدا جانے یہ کس نے کہہ دیا ہے کم سوادوں سے
کہ جو تیشہ اٹھاتا ہے وہی فرہاد ہوتا ہے!
لئے آہوں کو دل میں جا رہا ہوں اس بیاباں سے
کہ دل جب ٹوٹتا ہے مائلِ فریاد ہوتا ہے
تمہارے واسطے جز صبر اب چارہ نہیں کوئی
اگرچہ صبر ہی سب سے بڑا جلّاد ہوتا ہے

قیس
(عشق اور ہوس)

مرے بزرگ مجھے اس کا ہے بہت افسوس
کہ آج تک میں کبھی کوئی کام آ نہ سکا
یہ پھول دل میں اُگے ہیں کہ زخم ہیں کاری
انھیں چھپا نہ سکا ٹھیک سے دکھا نہ سکا
جو قصرِ عشق بنایا تھا دل کے صحرا میں
اسے الم کا کوئی زلزلہ بھی ڈھا نہ سکا
یہ سچ ہے جبر سے بہتر نہیں ہے کوئی شئے
میں جانتا ہوں پہ ایمان اس پہ لا نہ سکا

'دلے کہ عاشق و صادق بود مگر سنگ است
زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است!'

عشق سوز زندگی سازِ حیات
عشق سرِّ بندگی رازِ حیات

کارگاہِ دہر کی نایاب جنس
عشق ہی سے ہے وجودِ جن وانس

عشق ہے اک پیکرِ عالی صفات
جسکی اپنی ذات اپنی کائنات

عشق اک گنجینۂ والا گہر
جس سے نابینا بھی ہو روشن بصر

ریشے ریشے میں سما جائے جو شے
اسکو پھر جز عشق کوئی کیا کہے

عشق سے ہوتا ہے جو روشن ضمیر
ہیچ ہیں اس کیلئے تاج و سریر

عشق ہی سرچشمۂ تخلیق ہے
عشق سے ارفع بھی ہے کیا کوئی شے؟

عشق سے ہے آستانِ کیف و کم
عشق سے ہے داستانِ کیف و کم

ہے ہوس کیا داستانِ گمرہی
عشق کیا ہے معرفت، خود آگہی

بوالہوس زندانیٔ وہم و گماں
جو سمجھ پائے نہ فرقِ جسم و جاں

بوالہوس صدیوں سے صید ہائے و ہو
اک گرفتارِ فریبِ رنگ و بو

جو ازل سے ہے جہاں میں تشنہ کام
جسکی دنیا میں سحر ہے اور نہ شام

ایک سودا ہے ہوس سودائے خام
ہے ہوس کیا زہر سے بھر دیا جام

کم نصیب و کم سواد و کم نظر
ہے ہوس کیا ایک بے منزل سفر

ہے ہوس کیا ایک دھوکا اک فریب
چاک داماں، چاک قسمت، چاک جیب

شاہ

(اشک کیوں بہاتے ہو؟)

بات جو بھی کہتے ہو دل میں وہ اترتی ہے
درد مند جو دل ہے اس میں گھر وہ کرتی ہے

پھر بھی اے پسر میرے، اشکِ چشمِ تر میرے
باپ کی محبت ایک سرد آہ بھرتی ہے

تم ہو اسطرح برباد، دیکھ ہم نہیں سکتے
کیا ہوا طبیعت کو بات کہتے ڈرتی ہے

اب تلک ہوا جو کچھ اسکو بھول جاؤ تم
یوں بکھر بکھر کر ہی زندگی سنورتی ہے

ابر گھر کے آتے ہیں، برق بھی کڑکتی ہے بدلیوں کے چھٹتے ہی دھوپ بھی نکھرتی ہے

اشک کیوں بہاتے ہو کس لئے نہیں ہنستے؟
اک خلش ہے جو سب کو بے قرار کرتی ہے!

قیس (گریہ ہے اپنی جگہ بہتر)

پوچھتے ہیں لوگ اگر کیا درد ہوتا ہے کہیں اسقدر روتا ہوں کیوں میں کس لئے ہنستا نہیں
کس لئے میں اتنا غمگیں اسقدر ناشاد ہوں شہر میں آباد تھا صحرا میں کیوں برباد ہوں
کون سمجھائے کسے سمجھائے کیوں ہوتا ہے درد بزم میں بھی گھٹن محسوس کر سکتا ہے فرد
سچ یہ ہے ہر چیز اچھی لگتی ہے اپنی جگہ گر مسافر ہے کوئی ٹھہرے نہیں لے اپنی رہ
گریہ ہے اپنی جگہ بہتر تو روتا ہے بشر گر مقامِ خندہ ہو ہنس لے بلا خوف و خطر

بات کیا اچھی نظامی گنجوی نے ہے کہی
میں سُناتا ہوں اسے اب در زبانِ پہلوی

نظامی "خندہ کہ نہ در مقامِ خویش است - در خورد ہزار گریہ بیش است"

حکایت

قیس (قصۂ مور و کبکِ دری)

ایک دن جب اک گلستاں سے گذر میرا ہوا میں نے دیکھا پیڑ پر اک کبک تھا بیٹھا ہوا
سائے لمبے ہو چلے تھے جھٹپٹے کا وقت تھا اپنی منزل کی طرف جاتا تھا ہر چھوٹا بڑا
آشیانوں کو رواں تھے زاغ اور گنجشک بھی میکدے کے رند بھی اور زاہدانِ خشک بھی
رات بامِ چرخ سے نیچے اتر آنے کو تھی چاند تاروں سے سجے آنچل کو لہرانے کو تھی!
اک دھندلکا تھا افق سے تا افق چھایا ہوا دن کی گرمی سے ہر اک چہرا تھا سنولایا ہوا
دم بدم تارے نمایاں ہو رہے تھے چرخ پہ ایک چادر سرمئی اوڑھے تھی ہر اک رہگذر

تھا مہ نو یا کہ بالی تھی نگارِ شام کی
تھی شفق یا لب پہ لالی تھی نگارِ شام کی

جو سحر سے چاق چوبند اور ایستادہ تھا سرو
لگ رہا تھا شام کو بے حد تھکا ماندہ تھا سرو

لعبتانِ خوش ادا کرتے تھے چہل اور یاریاں
کر رہے تھے پیر و طفل آرام کی تیاریاں

آ کے شبنم نے حریمِ گل پہ جب دستک سی دی
اور بھی اس گل کے رخساروں کی سرخی بڑھ گئی

کبک کی منقار میں اک ناتواں سا مور تھا
سہما سہما، دبکا دبکا، خوف کا مارا ہوا

اس کے جی میں جانے کیا آئی کہ جانے کیا ہوا
مور اچانک ہی ٹھٹھا کا مار کر ہنسنے لگا

اس جسارت پر قیامت سی بپا اک ہو گئی
سر سے پا تک ایک غصہ تھا کہ تھا کبکِ دری

اس کے تیور میں کئی مضمون پوشیدہ سے تھے
منہ سے گو بولا نہیں معنی سمجھ میں آ گئے

کبک دری (مسکراہٹ سے ٹکی اک اوڑھنی)

کیوں بے اے گستاخ کیڑے ہے تری کیسی یہ چال، ہنس رہا ہے تو ہمارے سامنے ہی شغال
تیرے ہونٹوں پر ہنسی تو ہے مگر کیسی ہنسی۔ اس ہنسی سے جھانکتی ہے تیری اپنی بے بسی
ہنس کی کیوں چال چلتا ہے تو اے کیڑوں کے زاغ۔ باغ میں بیٹھا ہوا کیوں ہو رہا ہے باغ باغ
آدمیوں میں ہنسی کا بادشہ ضحاک ہے۔ طائروں میں کبک ہے جو طائرِ افلاک ہے!
زندگانی کی حقیقت میں تجھے سمجھاؤں گا۔ آج تجھ کو کام کی اک چیز میں بتلاؤں گا!

زندگانی قہقہہ ہے اک مسلسل قہقہہ • رات دن صبح و مسا یعنی کہ ہر پل قہقہہ!
زندگانی چیز کیا ہے قہقہوں کی روشنی • مسکراہٹ کے ستاروں سے ٹکی اک اوڑھنی
اس دیئے کو یاد رکھ کوئی بجھا سکتا نہیں • اسکے آگے کوئی، رنگ اپنا جما سکتا نہیں
زندگی، زندہ دلی اور شادمانی کا ہے نام • قہقہے معتوب ہوں تو زندگانی ہے حرام

تھک کے اک پل کے لئے بھی میں اگر جاتا ہوں لیٹ۔ دوسرے پل میں ہی ہنستا ہوں پکڑ کر اپنا پیٹ

الغرض ہے زندگانی سرخوشی، شادی، نشاط۔ ہے اسی زندہ دلی سے زندگانی کو ثبات!

اس پہ بولا مور......

مورِ مشرقی

(خاکسار)

.....اے کبکِ دری کر دے معاف

میری گستاخی جسے سمجھا ہے تو لاف و گزاف!

میں کہ ہوں اس خاکداں کا ایک مورِ ناتواں۔ ایک ذرہ خاک کا ہوں، ایک ننھی سی ہوں جاں

لوگ کہتے ہیں مجھے ویسے تو مورِ مشرقی۔ میں نہ مشرق سے ہوں واقف اور نہ ہوں میں مغربی

ایک ادنیٰ مور ہوں میں ایک ادنیٰ خاکسار۔ میں اٹھا ہوں خاک ہی سے خاک ہے میرا شعار

میں ازل سے اک مراقی ہوں یہ فطرت ہے مری۔ سر جھکا کر ارض پر چلنا یہ عادت ہے مری

میں نہ نوری ہوں نہ ناری ایک خاکی ہوں حضور۔ فخر ہے اس پر مجھے اور ناز ہے اس پر ضرور

خاک ہی سے رزق پاکر خاک میں مل جاؤنگا۔ مور خاکی ہوں، سدا خاکی ہی میں کہلاؤنگا

گر غلط ایک بات بھی بولوں تو میرے منہ میں خاک۔ میرا سرمایہ ہی کیا بس تین پا اور ایک ڈھاک

میرا پیشہ قہقہہ کب ہے، یہ پیشہ ہے ترا۔ ہو کرم تیرا اگر تو مجھکو دکھلا دے ذرا!

کس طرح ہنستے ہیں، کیوں ہنستے ہیں، کیا ہے قہقہہ۔ مجھ کو تو اک بار ہی ہنس کر سکھا دو رمز یہ

انکساری مور کی کبکِ دری کو بھا گئی۔ یک بیک ہی تب ہنسی ہونٹوں پہ اس کے آگئی

کھلکھلا کر ہنس پڑا کبکِ دری دیوانہ وار۔ پس گرا منقار سے اسکی وہ مورِ ہوشیار

شاہ

د تو طفلِ رہے دختنہ رہ دار۔ شمشیر بہ بیں دسر نگہ دار!

قیس

(ایسے مسلمان نہ ہوں)

آپ بے وجہ مرے واسطے ہلکان نہ ہوں
اس قدر غم نہ کریں اتنے پریشان نہ ہوں

سیّد ناصری کی طرح کے انسان نہ ہوں
ہوں مسلماں تو مگر ایسے مسلمان نہ ہوں

آپ دائے ظلِّ الٰہی نہ کریں فکر اب اور
مجھ سے لیلیٰ کے پدر کا نہ کریں ذکر اب درا!

داستان گو

لیلیٰ کا الم تھا بد سے بد تر
اک پل کو بھی سُکھ نہ تھا میسّر

وہ اپنے مزاج پر تھی ششدر
خاموش ہی رہتی تھی وہ اکثر۔

ہوتی تھی کبھی یہ اس کی حالت
اظہار سے دل کو ملتی راحت!

تھی نظمِ سخن پہ اس کو قدرت
شعرا کے کلام سے تھی رغبت۔

اشعارِ حسیں کی دل کو چاہت
ہو جاتی تھی جب رواں طبیعت

اُس وقت جو لب کُشا وہ ہوتی
الفاظ کے رولتی تھی موتی!

لیلیٰ

(ایں کہ می بینم)

قیس اے دل کے سکوں آتی ہے اُن لمحوں کی یاد
وقت کے ساغر میں جب ڈھلتی تھی عشرت کی شراب

جب درخشاں تھی حریم حسن میں قندیلِ عشق
جب بدخشاں سے تھا وابستہ کوئی لعلِ خوش آب

عرش کی رعنائیوں کی فرش پر اک دھوم تھی
تھے حقائق خلد کے دنیا میں ہم پر بے نقاب!

عالمِ مستی میں جب نے ہر اٹھاتی تھی ستار
جھوم جاتے تھے ستارے رقص کرتے تھے شہاب!

یاد آیا ہے کہ ہم دونو تھے نطق یکدگر
مل کے ہم تم لکھ رہے تھے داستانِ دل کے باب

بے نیازِ فکرِ مستقبل تھی اپنی زندگی
آندھیوں سے بے خطر ہوں جیسے دریا میں حباب!

بن چکے ہیں آہ وہ لمحات اب ماضی کا جز
ہائے اب وہ عیش کے ایام ہیں مانندِ خواب!

آج بھی گرمِ سفر ہے وقت پہلے کی طرح
نور افشاں آج بھی ہیں ماہتاب و آفتاب

نغمہ خواں ہے آج بھی سازِ گلستاں پر بہار
مسکراتے ہیں شگوفے، کھلکھلاتے ہیں گلاب

عرش سے تا فرش ہوتی ہے فضا اک سیلِ نور
آج بھی سینے میں سیاروں کے ہے اک التہاب

آسماں ہوتا ہے طوفانِ شفق سے لالہ زار
آج بھی شعلوں سے جل اٹھتی ہے گردوں کی کتاب

قطرۂ شبنم، یہ آئینہ شعاعِ مہر کا
صبح کے جلووں میں کھو دیتا ہے اپنی آب و تاب!

سرد کر دیتی ہے بارش سینۂ دہقاں کی آگ
گوہر افشاں آج بھی ہیں کشت زاروں پر سحاب

زیست کی رگ رگ میں جولاں ہے تغیّر کا لہو
ذرّہ ذرّہ آج بھی ہے آشنائے انقلاب

آہ لیکن ان مناظر میں وہ رعنائی نہیں
بزمِ فطرت میں نہیں پہلا سا اب وہ رنگ و آب

کیا طلسمِ طور تھا معبود وہ عہدِ وصال
کیا وہ عہدِ عیش و عشرت تھا فقط موجِ سراب؟

اب یہ دل ظالم حوادث سے ہے سرگرمِ ستیز
کھا سکے جس کو نہ فتنے ڈس نہ پائے انقلاب

جس کے تاروں پر ہو رہ رہ کر رواں مضرابِ غم
بن چکا ہے آہ اب وہ قلب اک ایسا رباب

چشم پُرنم، رخ فسردہ، روح زخمی، دل فگار
ایں کہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب؟

اب جدائی کی ہر اک ساعت ہے آہستہ خرام
جبکہ ہم تم ساتھ تھے لمحات تھے کیا تیز گام

داستان گو

تھا ذہن میں ایک ہی ہیولا
اور دل پہ فقط اسی کا سایا

لیلیٰ ہی کا دل میں تھا سراپا
رہتا تو اسی کا دھیان رہتا

اُس فتنہ طراز کی ہمیشہ
گویا کہ تھی یاد اسی کا پیشہ

قیس

(ایں طرزِ سخن بہ بیں) سراپا

اِس میں کچھ شک ہی نہیں اے جانِ من
تو ہے اپنی ذات سے اک انجمن

حسن تیرا قاف کی پریوں کا حسن
ہے وہی شان اور وہی ہے بانکپن

کتنا دل آویز ہے تیرا جمال
کس قدر ہے پُرکشش تیرا بدن!

مانگ میں افشاں تری یوں ہے عیاں
شب کو جیسے چاند کی کوئی کرن!

تیرے گیسو کی طوالت الاماں
ہجر کی راتوں کا ہو نقشہ ہرن

وہ چمِ و خمِ تیری پیشانی کا ہے
صبح کے جلوے شکن اندر شکن

دو نو ابرو دو کمانوں کی طرح
اور نگہ کے تیر کہتے ہیں ’بنزن‘!

مست سب کو کر گئی ہے چشمِ مست
لالہ و گل ہوں کہ نسرین و سمن

سرمگیں آنکھوں میں خوابوں کا خمار
اور پیاری پیاری پلکیں صف شکن

چاند سے چہرے پہ اک ستواں سی ناک
پنکھڑی سے لب شگوفے سا دہن

لالہ و گل میں ترے عارض کا رنگ
یاسمن میں تیری بوئے پیرہن

گفتگو تیری ہے اک اعجازِ نطق
کم نہیں الہام سے تیرا سخن

دیکھتا تو حسنِ دنداں دیکھ کر
موتیوں کو ہو رہی ہے اک جلن

ہم سے تشنہ کامِ دوراں کیلئے
دل نشیں، دلکش ترا چاہِ ذقن

خوب صورت گوش اور پیاری لویں
گوشوارے کان میں تیرے مگن

حق نے بخشا ہے تجھے عالی دماغ
تیرے آگے سرنگوں ہیں اہلِ فن!

کس قدر ہیں تیرے دو شانے سڈول
دیکھنے سے ان کے مٹ جائے تھکن

صندلی ہاتوں پہ تحریرِ حنا
خطرۂ ایمانِ شیخ و برہمن

جس پہ اُٹھ جائے ترا دستِ کرم — کام اس کا بالیقیں جاتا ہے بن

تیرا سینہ مدّ و جزر و زیر و بم — تیرا سینہ طبعِ مجنوں کا وطن

تیرے دو ساقِ بلوریں دیکھ کر — بڑھ گیا ہے اور مرا دیوانہ پن

تیرے گورے گورے پیارے پیارے پاؤں — اور پھر ان میں یہ پازیبوں کی چھن

دوڑتا ہے یوں رگ و پے میں لہو — رقص میں ہو جس طرح کوئی کرن

قد کہ جیسے صبح دم کی بھیرویں — زلف جیسے شب کو کوئی چھیڑے یمن

جسم تیرا مثلِ شاخِ آتشیں — ہر نگہ تیری ہے برقِ شعلہ زن

ہے تری رفتار میں پنہاں کہیں — شوخیٔ رفتارِ آہوئے ختن

کوئی کہتا ہے بنفشے کی کلی — کوئی کہتا ہے تجھے حورِ یمن!

جسم سے اٹھتی شمامے کی لویں — تو ختن اندر ختن اے سیم تن

ہر ادا سے صاف ظاہر ہے تری — حورِ جنّت کی اداؤں کا چلن

تیری جلوت کائینات ہائے دہر — تیری خلوت، خلوتِ کوہ و دمن

حسن تیرا حسنِ عذرا کا جواب — عزم تیرا جیسے وامق کی لگن

حسن کا دیکھے تو کوئی طمطراق — آب و تابِ رخ چمن اندر چمن

حسن تیرا پرتوِ حسنِ ازل — حسن تیرا باعثِ فخرِ زمن۔

سینکڑوں صدیاں ہی بیتیں بیت جائیں — بیت جائے دہر میں لاکھوں قرن*

چاند پر رخ کے ترے لیلیٰ کبھی — چاہے کچھ ہو آ نہیں سکتا گہن

تیرا یہ پیکر رہے گا لازوال — حسن تیرا ہو نہیں سکتا کہن

---

* قرن: اس لفظ میں "ر" ساکن ہے لیکن ضرورتِ شعری کے تحت میں نے اسکو متحرک نظم کیا ہے!

داستان گو

صحرا صحرا وہ گھومتا تھا — دریا دریا وہ رو رہا تھا!
وحشت وحشت کا آسرا تھا — عزلت عزلت کا سامنا تھا
تھا قیس بحالتِ پریشاں — داماں دریدہ تا گریباں

قیس

پائے آغشتہ بخون و دامنِ من تار تار — در دلِ صحرا نمی یابم سراغِ منزلم!!!
گہہ بہ ریگِ دشت گہہ آویختم با خارزار — عمر بگذشت و نمی دانم چہ می خواہد دلم!

(ایک وہی نام بھلا)

اب نہ امروز، نہ دیروز، نہ فردا ہے کوئی — دل کی تسکین کی صورت کوئی گر ہے تو وہی
سانولی سانولی صورت ہے جو دلبر کی مری — شکل وہ ایک بھلی، ایک وہی نام بھلا!
انجمن میں بھی بہر کیف تھے تنہا تنہا — اب لئے پھرتی ہے وحشت ہمیں صحرا صحرا
یاد میں یار کی ہم روتے ہیں دریا دریا — ہم کو بس روز یہی کاج یہی کام بھلا!
اُن کی آشفتہ مزاجی کو بھلا کیا کہئیے — آئے بھی لوگ نکالے بھی گئے محفل سے
یوں نکالے گئے جیسے کبھی آئے ہی نہ تھے — بزمِ جاناں کا نہ آغاز نہ انجام بھلا
ہم نے دیکھے نہ سُنے ایسے کہیں بدقسمت — دل کا کیا حال کہیں، کیا ہو بیاں کیفیت
اسکے آرام کی باقی نہیں کوئی صورت — نہ تو وہ صبح بھلا اور نہ وہ شام بھلا!!
میر و سلطاں کیلئے عیش بنا دنیا میں — اور غریبوں کا تو نقشہ نہ جما دنیا میں
عشق، عاشق کا طلبگار رہا دنیا میں — عیش منعم کو بھلا، ہم کو دل آرام بھلا
اور کچھ دیر تو پی لیں ہم اُن آنکھوں کی شراب — آج تک چرخ نے پیدا نہ کیا جس کا جواب
اور پھر آئے جو آنا ہو جہاں سے بھی عذاب — ایک تیشے ہم کو وہی، ایک وہی جام بھلا!

داستان گو

لیلیٰ بھی مرض سے ناتواں تھی
سینے میں دبی دبی فغاں تھی

اک چوبِ چنارِ گلستاں تھی
سلگی سلگی دھواں دھواں تھی

کلفت کا کہیں نہ تھا مداوا
آنکھوں سے اُبل رہا تھا لاوا

اک روز تھی طبع قدرے بہتر
جی چاہا کہ نکلے گھر سے باہر

تھا گھر کے قریب باغِ عنبر
لیلیٰ گئی اس چمن کے اندر

جیسے ہی وہاں گئی وہ بیکل
گلشن میں ہوئی عجب سی ہلچل

سوسن (ایسا دن ہے مقدّر کہاں)

میں کہ اس گلستاں کی ہوں ناچیز شئے
نام میرا ہے یہاں سوسنِ نکتہ داں

کچھ تو کہتے ہیں میری زباں تیغ ہے
اور کچھ مجھ کو کہتے ہیں آتش بیاں

خودستائی نہ سمجھیں اسے آپ اگر
میں فقط ایک ہی حرف میں اب کہوں

پتّے پتّے کے اسرار کا علم ہے
بوٹے بوٹے کو میں جانتی ہوں یہاں

آپ آئیں جو لیلیٰ تو جاگا نصیب
غنچہ غنچہ مسرّت سے ہے کھِل گیا!

آج گلشن کا ہر پھول ہے شادماں
کیونکہ دن، ایسا دن ہے مقدّر کہاں!

شاہِ خوباں وہ ہے مرتبہ آپ کا
آپ نے باغ میں جونہی رکھا قدم

ایستادہ ہوا سرو تعظیم سے
جو شجر پیر تھا ہو گیا ہے جواں

اے شہ گلعذاراں یہ ہے واقعہ
آپ کو دیکھنے، آپ کی مدح میں

وا ہوا دیدۂ نرگسی باغ میں
خوب چلنے لگی میری جاہل زباں!

ایک حرفِ غلط، حرفِ انکار ہے
اس کا اہلِ گلستاں کو اقرار ہے

اس میں گنجائشِ شک کسی کو نہیں
ہیں یہاں آپ سرجملۂ گلرخاں!

کھنچ گئی یاسمن کی معطر طناب
بچھ گئی کنج میں مسندِ نسترن

آپ کے آتے ہی لگ گیا باغ میں
گل بنفشے کا اک نیلگوں سائباں

ہم سبھی کو مگر اس کا افسوس ہے
زرد ہی زرد ہے اک گلِ زرد رو

گو کہ ہے سبز ہی سبز، سبزہ یہاں
سرخ ہی سرخ ہے لالہ دلستاں

ہزار داستان
(طائروں کی مجلس شوریٰ)

باغِ عنبر کی میں اک بلبل شوریدہ ہوں
میں جہاں بیں، جہاں گرد، جہاں دیدہ ہوں

گیسوئے گل کی گرفتار ہوں اک مدت سے
اسکی فرقت میں سدا اشک بہائے میں نے

میں رہوں چپ تو ہوا کرتی ہے وحشت مجھکو
داستاں گوئی میں حاصل ہے مہارت مجھکو

کنج خوش ہے روشیں خوش ہیں خیاباں خوش ہے
آپ کے آنے سے سارا ہی گلستاں خوش ہے

قہقہہ بیشہ ہے گلزار میں جو کبکِ دری
آپ کے آتے ہی خوشیوں سے شرابور ہوئی

عالم وجد میں شمشاد پہ قمری نے کہا.....

قمری

آج دلشاد ہیں ہم اہلِ چمن اے لیلیٰ

ہزار داستان

نارون سے یہ صدا آئی کہ.....

دُرّاج

دُرّاج ہوں میں...

آپ کے آنے سے مسرور بہت آج ہوں میں

ہزار داستاں

جُرّہ دہدہد و تعدار سبھی شاداں ہیں
سب کے سب اپنے مقدر پہ بہت نازاں ہیں

چرغ بھی شاد ہے شاہیں بھی سکر خورا بھی خوش — شاہ بلبل بھی ادھر شاد ادھر شکرے بھی خوش

شاد کھل سنگھی، چکور اور بہشتی چڑیا — شاد مرغابی، عقاب اور ہری گوریا

قاز بھی خوش ہے تو لق لق بھی بہت ہے مسرور — خوش سلہٹی بھی ہے کویل بھی ہے شاد بھی حضور

خوش ممولا بھی ہے طوطا بھی لوا بھی خوش ہے — باشا خوش ہے تو تیھو بھی بیا بھی خوش ہے

خوش بہت خوش ہیں یہاں بگلا، بنسا، بوزہ — آپ آئیں تو ہے خوش باغ کا چوزہ چوزہ

جس پرندے کو پرندوں کا کہیں کیکاؤس — مور بھی کہتے ہیں یا نام ہے جس کا طاؤس

آج وہ رشک بتاں، رقص کناں، خنداں ہے — آپ کے باغ میں آجانے سے وہ شاداں ہے

شاد ہیں ہیری و سرخاب، سہیلی، سارس — آپ کا چرچا ہے از ملکِ عرب تا پارس

زمزمہ ریز ہیں دیال، بطخ اور پپیہا۔ — گو بختی گلشنِ آفاق میں ہے ان کی نوا!

رقص کرتے ہوئے پرواز میں ہیں زاغ و زغن — آپ آئیں تو بہت شاد ہیں مرغانِ چمن

زمزمے کی یہ بھڑک اٹھی ہے کیسی انگار — نغمہ پیرا ہے تدرو ایک سرِ شاخِ چنار

بولتا ہے چمنستاں میں کس کا طوطی — گھولتی کانوں میں رس آج ہے کس کی بولی

ہے ابابیلوں کا شور آج چمن کے اندر — صلصل و سار میں ہنگامہ بپا ہے یکسر

فاختہ حلقہ گلو، قمری کی ہم جولی ہے — اس نے گلزار میں نغموں کی دکاں کھولی ہے!

وسعتِ چرخ میں پرواز کناں ہے شہباز، کہہ رہا ہے کہ ....

شہباز

مجھے آج مقدر پہ ہے ناز !

ہزار داستاں

آپ کے آنے سے اس باغ میں آئی ہے بہار — بالیقیں طبلۂ عطار بنا ہے گلزار

شاد ہے آج گلستاں میں ہما، فرخ پر — کتنے مسرور ہیں کنجشک، کبوتر، تیتر

وہ بھی دلشاد ہیں کہتے ہیں جنھیں غوغائی
سات بہنیں بھی جنھیں کہتے ہیں یا ست بھائی

شادماں آپ کے آنے سے ہیں سارے ہی طیور
یہ طیور آج کی ساعت میں ہیں بے حد مسرور

شاد، سرشار ہے، مسرور ہے گلشن میں صبا
یک زباں ہو کے گلستاں کے پرندوں نے کہا

طیور

(دُعا)

ہے دعا آپ کو اللہ سلامت رکھے
اور سلامت وہ سدا آپ کی سطوت رکھے

اے مہِ چار دہم آپ کے دم سے قائم
ایک عالم میں اجالوں کی حکومت رکھے

کوئی غم، کوئی الم آپ کے آئے نہ قریں
پُر مسرّت سے سدا خانۂ دولت رکھے

ہے دعا رب سے کہ دائم ابد آباد تلک
مرتبہ آپ کا اور آپ کی عزّت رکھے

داستان گو

وہ باغِ ارم تھا قرۃ العین
مرغانِ چمن، گلوں کے مابین

لیلیٰ کو ملا سکون اور چین
وہ بھول گئی غموں کے دن رین

ناپید ہی ہوتے جا رہے تھے
آرام و سکوں کے ایسے لمحے

کچھ ایسا تھا گلستاں کا نقشہ
سب نخل کھڑے تھے دست بستہ

پھولوں نے بنا لیا تھا حلقہ
اتنے میں دیا کسی نے رقعہ

تھی اس پہ عیاں لہو کی تحریر
پڑھ کر جسے ہو گئی وہ دلگیر

لایا تھا جو رقعۂ گرامی
وہ شخص تھا قیس کا پیامی

کہتے تھے اسے ظہیر شامی
تھا خط میں بیانِ تشنہ کامی

"مجنوں ہمہ درد و داغ دارد
لیلیٰ چو بہار باغ دارد"

اک نظم جو قیس نے لکھی تھی
جس نظم میں داستانِ غم تھی

لیلیٰ کو جو تحفتاً تھی بھیجی ‏ شامی نے بہ لحنِ غم سنائی
جو دل پہ گذر رہی تھی اس کے ‏ تھے قیس کے شعر ایسے تیکھے!

ظہیر شامی

(اشعارِ مجنوں بزبانِ ظہیر شامی)

تو گلستانوں کی اک رنگیں بہار ‏ کاروانِ رفتگاں کا میں غبار!
تو سحر کے کف پہ رخشندہ ایاغ ‏ میں افق پر ٹمٹماتا اک چراغ
تو ختن اندر ختن اے سیم تن ‏ میں کہ آزاروں سے چھلنی اک بدن
تو چمن کا ناز پروردہ گلاب ‏ اوس میں بھیگا ہوا اک ماہتاب
میں خزاں کی گود کا پالا شجر ‏ اور بہاروں کا ہوں پامالِ نظر
جو ہے نغمہ تیرے ایواں میں رواں ‏ میرے کاشانے میں ماتم اور فغاں
تیری دنیا ایک باغِ بے خزاں ‏ میری دنیا غم کا اک کوہ گراں!
دو نو عالم ہیں ترے زیر نگیں ‏ ہاں یہ سچ ہے میں ترے قابل نہیں
کم کبھی ہوگا بھی کیا تیرا عتاب ‏ مجھ پہ کب چمکے گا تیرا آفتاب

کیا کبھی آئیگی تو میرے قریب
بار تیری بزم میں ہوگا نصیب؟

داستان گو

لیلیٰ نے سنے جو شعر مجنوں ‏ ہر حرف تھا جس کا دُرِّ مکنون
حالت ہوئی اسکی بس دگرگوں ‏ وہ ہو گئی بے قرار و محزون
جب ہو گئی اور دل گرفتہ ‏ سیدھا لیا اس نے گھر کا رستہ
جب لوٹ رہی تھی گلستاں سے ‏ نظریں ہوئیں چار اک جواں سے

اُس شخص نے پوچھا اِن واں سے
ہیں کون یہ آئی ہیں کہاں سے
معلوم ہوا کہ ہیں وہ ۔ لیلیٰ
تھا ابنِ سلام نام اُس کا
ملتے ہی نظر ہوا وہ بسمل
کہنے لگا دل سے ....

ابنِ سلام

اے مرے دل

جو سامنے جارہا ہے قاتل
کرنا ہی پڑے گا اسکو حاصل
وہ بھی ہوا لیلیٰ کا دِوانہ
چاہت ہوئی اس کو والہانہ
تھا شیخ سلام کا وہ فرزند
عاقل، ہشیار اور ہُنر مند
رہتا تھا مُدام ہی وہ خرسند
خدمت میں ہر اک کی چاق چوبند
اس کی صفت اور خوبیوں سے
خوش دل سے تھے سارے ہی قبیلے
وہ شوخ جو راہ میں ملی تھی
وہ حور تھی یا کہ جن پری تھی
وہ جس کی نگاہ کھب گئی تھی
اب دل کو لگن بس اک وہی تھی
خادم ہو خود اور لیلیٰ مخدوم
والد کو ہوا جب اس کے معلوم
بیٹے کا ہوا ہے حال ابتر
سوتا ہے وہ رات کو نہ دن بھر
ہے ایک ہی نام اسکو ازبر
لیلیٰ ہی کا نام ہے لبوں پر

ہم عقد تو اس سے ہی کریں گے

داستان گو

کہتا تھا ....

ابنِ سلام

وگرنہ جان دیں گے

داستان گو

سوچا یہی باپ نے بہر حال — کیا فائدہ مول لیں وہ جنجال
بے سود ہے کیوں بچھائیں وہ جال — حجت، تکرار، قیل اور قال
پس سوچ کے جلد ہی وہ پہونچے — لیلیٰ کے پدر سے بات کرنے!

شیخ سلام

(گذارش)

ہم امیر السعد ہیں، اک لے کے آئے ہیں پیام — آپ کو ہم پیش کرتے ہیں سلام واحترام
آپ کی خدمت میں لیکر ایک خواہش آئے ہیں — سید ناصر، ضروری اک گذارش لائے ہیں
ہے ہمارا ایک بیٹا، نام ہے ابن السلام — زہر قاتل سے ہے اس کا ان دنوں لبریز جام
ہے سحر اسکی شفق گوں، شام خوں آشام ہے — آج کل اسکو اذیت ہے، حرام آرام ہے
ان دنوں ہے رات اسکی بے نجوم و ماہتاب — تار ہیں ٹوٹے ہوئے خاموش ہے اسکا رباب
سرد ہے دل، یخ ہے سینہ اور جوانی پر جمود — کرب میں ہے ارغنوں اور غمزدہ طاؤس و عود
بات بھی کرنی ہے مشکل، سانس بھی لینا گناہ — زیست ہے بے رنگ اسکی اور سینے میں ہے آہ
وہ بہت غمگین ہے کرب و الم کا ہے شکار — ہے بہت مایوس وافسردہ اداس و سوگوار
چلچلاتی یاس سے سنولائی گئی اس کی حیات — عشق کے شعلے سے جل اٹھی ہے اسکی کائنات
ہوگیا ہے قلب میں پیوست اس کے ایک تیر — جب سے ہے وہ آپ کی دختر کی زلفوں کا اسیر

ہو نوازش آپکی اب بات کو دینگے نہ طول
اپنی فرزندی میں اسکو آپ کر لیجئے قبول!

سید ناصری

(نہ صنم کوئی ہمارا)

سنی ہم نے بس حکایت کریں کس سے ہم شکایت — کہ نہیں ہے اب تو باقی کسی شے پہ کچھ اجارا
ہے جہاں میں کون اپنا کریں کسکی ہم اطاعت — نہ صنم کوئی ہمارا، نہ خدا کوئی ہمارا

کوئی اور لوگ ہونگے جنھیں موت مارتی ہے
غم آگہی یہی ہے ہمیں زندگی نے مارا

میں پدر ہوں جس کا اس دم وہ مرض سے ناتواں ہے
اسے غرق کر رہا ہے غم زندگی کا دھارا

کریں عقد اس کا اب ہم نہیں اسکی ایسی حالت
اسے سونپ دے یونہی ہم نہیں ہے ہمیں گوارا

نہیں اعتراض مجھ کو جو ہو ربطِ شبنم و گل
میں اسی پہ جی رہا ہوں یہی ہے مرا سہارا

ابھی اس گھڑی ہے لیلیٰ تو بجھا سا اک شرارا
بہو آپ اسے بنائیں جو سلگ اٹھے یہ تارا

داستان گو

لوٹے خوش شیخ اپنے گھر کو
پہلے تو یہ خبر دی پسر کو

بعد اس کے خبر دی ہر بشر کو
دیوار کو در کو ہر شجر کو

سب نے دیا دو بدو مبارک
شکرانہ پڑھو بہو مبارک!

اس گھر میں طرب کا جمگھٹا تھا
اور دشت میں قیس بے نوا تھا

اس گھر میں خوشی کا سلسلا تھا
صحرا میں الم کا مرحلہ تھا!!

تھا قیس پگھلتا — آبگینہ
آہستہ سلگ رہا تھا سینہ!

تھی دھوپ، کہیں بھی تھا نہ سایا
صحرا تھا بہت ہی دل کو بھایا

پھر قیس کو دھیان اسی کا آیا
بے نام سکوں سا دل نے پایا

جو سوچ تھا دل میں سوچ اسی کا
لیلیٰ سے وہ ہم کلام یوں تھا!

قیس

(میرا فن، مرا موضوعِ سخن)

فصل گل آتے ہی ہوتا ہے گریباں پرزے
پہلی سی دل کی وہ آشفتہ سری آج بھی ہے

عشق کو سب سے بڑی ان سے شکایت ہے یہی
اہلِ دانش کی وہی کم نظری آج بھی ہے

در بدر پھرتا ہوں میں تیری ہی خاطر اے جاں
زندگی کاسۂ دریوزہ گری آج بھی ہے

آج بھی حسرتِ پرواز کا عالم ہے وہی ‏ — پہلے جو تھی وہی بے بال و پری آج بھی ہے

آج بھی غم کا مداوا نہیں ہونے پاتا ‏ — آج بھی ہے وہی سینے کی جلن میرے لئے

آج بھی میری زباں پر ہیں وہی پہرے سے ‏ — آج بھی ہے وہی آئینِ کہن میرے لئے

آج بھی ہے تری نظروں میں وہی تیکھا پن ‏ — آج بھی ہے وہی ماتھے کی شکن میرے لئے

آج بھی مجھ پہ ہیں الزام زمانے بھر کے ‏ — آج بھی وا ہے سرِ دار و رسن میرے لئے

زندگی میرے لئے معرکۂ کرب و بلا ‏ — زندگی تیرے لئے بسترِ سنجاب و حریر

ہر نفس تیرے لئے نکہتِ گلزارِ ارم ‏ — ہر نفس میرے لئے ایک گنہ، اک تعذیر

تیرگی کا ہے تلاطم مرے غمخانے میں ‏ — چاند کی کرنوں سے گوندھی گئی تیری تقدیر

غم تو اس کا ہے لٹا کر بھی دل و جاں تجھ پر ‏ — میں کبھی بن نہ سکا خواب کی تیرے تعبیر

تو نے جب پہلے پہل پیار سے دیکھا تھا مجھے ‏ — تیری آنکھوں سے چھلکتی تھی نظامی کی غزل!

چھا رہی تھی مری ہستی پہ غموں کی ظلمت ‏ — جل اٹھے تھے تری نظروں میں عنایت کے کنول

دل پہ آلام کی تاریک گھٹا چھائی تھی ‏ — اور برستے تھے نہ کھلتے تھے یہ تیرہ بادل

میں نے دیکھا کہ تو مائل بہ کرم تھی اس وقت ‏ — بڑھ کے مشعل سے تری میں نے جلا لی مشعل

کتنی صبحوں کا اجالا ہے جلو میں تیرے ‏ — آفتابوں کی دمک ہے ترے انواروں میں

کتنے گلزاروں کی زلفوں میں تری نکہت ہے ‏ — تیرے پیکر کی تجلی ہے شفق زاروں میں

کس قدر نرم ہے وہ آنچ جو آسودہ ہے ‏ — تیرے شانوں، تری زلفوں، ترے رخساروں میں

کاش ہم کو بھی ملے تیری محبت کا شرف ‏ — ہم بھی شامل ہوں کبھی تیرے پرستاروں میں

جب سے تو آئی ہے اس دل کے نہاں خانے میں ‏ — میرے آئینے میں جوہر نئے لے آئی ہے

تیری آمد سے ہوئی فکر میں عظمت پیدا ‏ — میرے بے تاب تخیل نے جلا پائی ہے

غم و اندوہ کی پُرہول سیہ راتوں میں
تو عصا ہے مرا اور تو مری بینائی ہے!!

تیری نظریں مرے اس دل میں ہوئی ہیں پیوست
تیری صورت مرے اس دل کو بہت بھائی ہے

چاہتا ہوں کہ سناؤں میں اسے تیرے حضور
ایک نغمہ کہ جسے گا نہ سکا میں اب تک

دل میں جو تیری محبت کا ہے طوفاں برپا
حیف تجھکو اسے دکھلا نہ سکا میں اب تک

اک معمّہ سا ہے میرے لئے تیری ہستی
وہ معمّہ جسے سلجھا نہ سکا میں اب تک!

شرر آمیز و جنوں خیز و قیامت انگیز
دلِ دیوانہ کو بہلا نہ سکا میں اب تک!

صحبتِ لعلِ یمن مجھکو ملی تھی لیکن
پارۂ سنگ مگر لعلِ یمن بن نہ سکا

خار نے کوششِ پیہم تو بہت کی لیکن
وہ فقط خار رہا اور چمن بن نہ سکا

یوں نہ تھا میں نے یہ چاہا تھا کہ یوں ہو جائے
وائے اک قلبِ حزیں تیرا وطن بن نہ سکا

پھر بھی میں خوش ہوں کبھی تیرے سوا اور کوئی
میرا فن اور مرا موضوعِ سخن بن نہ سکا!

داستان گو

اُس دشت میں اک نیا فسانا
قیس اپنے لہو سے لکھ رہا تھا

تھا اس کا گواہ ذرّہ ذرّہ
شاہد بھی تھے خارہائے صحرا!

خاموش گذر رہے تھے دن رات
تھا کوئی خضر نہ آبِ ظلمات!

اک دن وہ صعوبتوں کا مارا
اپنے ہی خیال میں تھا ڈوبا

اک شخص شکار کرنے آیا
اس گرد و نواح میں جو پہنچا

دیکھا کہ غموں سے قیس تھا چُور
محنت زدہ و غریب و رنجور۔

تھا نام جوان خوبرو کا
نوفل جو اُسے پسند بھی تھا

لشکر شکن ایک تھا وہ یکتا
تھا کس کو مقابلے کا یارا!

ہنگامِ مصاف ایک جرّار — تھا دل کا غنی بھی وہ درم دار

پوچھا کہ ہے کون؟ کیا ہوئی بات؟ — معلوم ہوا جنوں ہے سوغات

دریافت کیے خصال و عادات — واضح ہوئیں اس پہ سب حکایات

مظلوم کسی کا ہے دوا نہ — امسال ہے دشت ہی ٹھکانہ!

نوفل نے سنا جو حالِ معصوم — چہرے پہ تھی یاس جس کے مرقوم

آہوں سے فضا تھی جسکی مسموم — جو دن میں بھی نور تھا محروم

طے اس نے کیا ہے وقتِ یاری — امداد کریگا غم زدہ کی

تھا غرقِ خیال قیس اس دم — کچھ دیر کے بعد آنکھ ہوئی نم

ہنسنے لگا اس کے بعد پیہم — پھر دشت میں اس نے چھیڑا سرگم

مجنوں ہی تھا دل میں جب سماتا — بے تال وہ ہنستا، سُر میں گاتا

قیس (سائیں سائیں یہ ہوا)

خواب سی بوجھل خموشی، اونگھتا صحرائے تار — آسماں پر ٹمٹماتے سے چراغوں کا فشار

اک زمینِ بے شجر، اک دشتِ ناپیدا کنار — آرزو کا مقبرہ یعنی تمنّا کا مزار!

اب نہ کوئی قافلہ ہے اور نہ آوازِ درا — خاک بر سر اک بیاباں، سائیں سائیں یہ ہوا

اب نویدِ جانفزا شمس و قمر لاتے نہیں — زہرہ و ناہید کے نغمے بھی راس آتے نہیں

کرمکِ شب تاب کے بھی گیت اب بھاتے نہیں — زمزمے اس کلبۂ احزاں کو دہکاتے نہیں

ایک خاموشی رگِ جاں میں اترتی جائے ہے — اے ہجومِ یاس اب تو جی بہت گھبرائے ہے!

زندگی اب اپنی طوفانوں سے ٹکراتی نہیں — آندھیوں کے سَیل کو آئینہ دکھلاتی نہیں!

زلزلوں سے بجلیوں سے دل کو بہلاتی نہیں — ہر مصیبت میں نئے نغمات اب گاتی نہیں

یہ فضاؤں میں خموشی کی صدائے بازگشت
اُف یہ ریگستانِ حسرت آہ یہ وحشت کا دشت

بھول جا اُن سرخوشی کی ساعتوں کو بھول جا
کاروانِ رنگ و بو کی نکہتوں کو بھول جا

بھول جا اُن کیف آور لذتوں کو بھول جا
پہلی فرصت میں پرانی عادتوں کو بھول جا

بھول جا گذرے ہوئے لمحات ہیں مانندِ خواب
ٹوٹ کر آتا نہیں چشمے کی جانب پھر سے آب!

داستان گو

نوفل نے سُنی یہ نظم پُرسوز
اشعار تھے جس کے آسماں دوز

اِمروز تھا قیس کو نہ دیروز
تھی اسکی حیات درس آموز

وعشق آں باشد کہ کم نگردد۔
تا باشد ازاں قدم نگردد'

نوفل

گو باعثِ خوننابہ فشانی ہے عشق
پر حاصلِ ایّامِ جوانی ہے عشق

بیگانۂ ادراک جو ہیں ان کے لئے
گنجینۂ اسرارِ معانی ہے عشق

بیت

منعم بکوہ ودشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت!

حواری ۱ اک قصر ہی دشت میں بنا دیں
حواری ۲ ہو حکم تو کر کے ہم دکھا دیں
حواری ۳ کہیئے تو طناب نہر لا دیں
حواری ۴ سرکار کے خیمے کو سجا دیں

داستان گو

نوفل کے حواریوں نے کی عرض
دیں آپ کو عیش ہم یہ ہے فرض

نوفل (اک غزل کو سُناؤ صحرا میں)

تم نے جو کچھ ابھی ہے کہا — ساتھیو، شکریہ محبت کا
دوست داری ہمیں بہت بھائی — کیونکہ اس میں وفا کی بو آئی

لُو، تپش اور یہ چلچلاتی دھوپ — دھوپ کا ہر پہر نیا بہروپ
اُف یہ صحرا یہ اس کی پہنائی — آہ بھرتی ہوئی یہ تنہائی!!

یہ اُداسی میں ڈوبی ڈوبی فضا — وہ فضا جس میں تشنگی ہے روا
گرم لُو اور سنسناتی — ہوا — روح کو چیرتا ہر اک جھونکا!

ایک غوغائے بے صدا ہے یہ دشت — بے سہارا ہے بے نوا ہے یہ دشت
سر پہ سائے کا جس میں نام نہیں — دور تک اس کا انتظام نہیں

ہجر کی دھوپ اور غموں کی دھول — لمحہ لمحہ ہے آفتوں کا نزول
درد کی لَو کا آشیانہ ہے — آنسوؤں کا یہ کارخانہ ہے!!

ہر طرف گونجتا ہے سنّاٹا — نفع ہو بھی تو ہے یہاں گھاٹا
سن کے اک داستانِ دلداری — ہو گیا ہے ہمارا دل بھاری!

عامری قیس نام ہے جس کا — وہ ہے اس دشت میں سریر آرا
گو ہے اس سلطنت کا شہزادہ — پر طبیعت کا ہے بہت سادہ

بسکہ ہے بے نیازِ نفع و زیاں — وہ ہے دراصل تاجدار یہاں
آج ہی تو ہوا ہے علم ہمیں — کلفت و غم ہیں اس کی سوغاتیں

وہ غریب الدیّار ہے گریاں — بے مددگار بے سر و ساماں!
اس کے چہرے سے ہے ہویدا یاس — تشنگی، بھوک، بے کسی، افلاس

جو پہنتا تھا ریشمی پوشاک
آج اس کا بچھونا ہے خس و خاک

ہے وہ پیکانِ عشق سے بسمل
ایک تیرِ نگاہ کا گھائل!

اس کو اب ہے ضرورتِ یاری
جشن ہو نائو و نوش ہو بھاری

ہائے افسوس برہنہ پائی
کس بیاباں میں اسکو لے آئی!

ایک خیمہ سجاؤ صحرا میں
چاند تارے اگاؤ صحرا میں

بربطِ نظم اور چنگِ غزل
بے تکلّف اٹھاؤ صحرا میں

جس کا ہر تیر دل میں ہو پیوست
اس غزل کو سناؤ صحرا میں

تاثر یا ہو جس کی تابانی
وہ الاؤ جلاؤ صحرا میں!!

ذرّہ ذرّہ ہو جس سے عطر آگیں
ایسا اک گل کھلاؤ صحرا میں

قیس کا دل۔ بہت ہے آزردہ
اس کے غم کو مٹاؤ صحرا میں

ایسی ترکیب کچھ کرو یا دو
اس کو اپنا بناؤ صحرا میں

جو خراشیں ہیں روح پر اسکی
ان پہ مرہم لگاؤ صحرا میں

بھول جائے وہ اپنے یار کا غم
ایسا جادو جگاؤ صحرا میں

اسکی ہستی کو پھونکتی ہے جو آگ
آؤ اس کو بجھاؤ صحرا میں

ظلمتِ یاس مات کھا جائے
داؤ ایسا لگاؤ صحرا میں

داستان گو

نوفل کی یہ بات، ساتھیوں نے
سنتے ہی، وہاں لگائے خیمے

پہلے ہی سے وہ یہ چاہتے تھے
آپس میں یہی تھے ان کے چرچے

سامانِ طرب ہے سب مہیّا — پھر کیوں نہ ہو بزمِ عیش برپا
نوفل نے ذرا نہ کی نمائش — بس قیس سے کی یہی گزارش

نوفل

اب ختم ہو آپ کی یہ کاہش — ہم سب کے لئے ہو وجہِ نازش
گر آپ گزاریں چند لمحے — مِل بیٹھیں جو آپ ساتھ اپنے
ہیں آپ بہت ہی حوصلہ مند — کھاتے ہیں ہم آپ ہی کی سوگند
ہوتا ہے یہاں جو ایک دَر بند — کھُلتے ہیں ہزار در خداوند
بازی کوئی ایسی ہوتی ہے مات — ہے دن ہی ابھی ہوئی کہاں رات

داستان گو

کرتے رہے شام تک یونہی بات — القصہ وہ قیس کو اسی رات
خیمے پہ لے آیا اپنے ہی ساتھ — اور دی اسے ایک عمدہ سوغات
تھی رسمِ عرب عمامہ باندھا — اس طرح سے خود کو ہی نوازا
اک روز کہ قیس قدرے خوش تھا — نوفل نے یہ اپنے دل میں سوچا
بیٹھے ہوئے اک خیال آیا — دکھلائے اسے نیا ہی رستا!!!
شاید کہ جنوں کو ترک کر دے — کہتے ہے وہ بات اس کی مانے

نوفل

(الماس و گہر اور)

سچ ہے کہ سزاوار نہیں ہر کس و ناکس — ہیں سنگ گراں، ان کیلئے چاہیئے سرِ اور
اک شر ہے کہ کب سے رگ دنیا میں پیوستہ ہے — اے میرے خدا ہو کوئی تعمیر بشر اور!
ہر سمت گرے برق دھواں تک بھی نہ اُٹھے — جو پھونک دیں خرمن کو وہ ہیں برق و شرر اور

مانگے تو کوئی اسکے خزانے سے ملے گا — ہے امر مسلّم کہ دعا کا ہے اثر اور

اک پل کیلئے آپ نگاہیں تو اٹھائیں — روشن سرِ افلاک ہیں ناہید و قمر اور

کھویا جو گیا اک دُرِ ناسفتہ تو کیا غم — لے آئینگے بازار سے الماس و گہر اور

قیس

(کہاں سے لاؤ گے؟)

یہ مانا گوہر و الماس ہیں سرِ بازار — بتاؤ نرگسِ شہلا کہاں سے لاؤ گے؟

حسین اور بھی یوسف سے مل ہی جائینگے — نیازِ چشمِ زلیخا کہاں سے لاؤ گے؟

گداز کردے جو شیشے کو ایک ساعت میں — وہ تند شعلۂ صہبا کہاں سے لاؤ گے؟

جدھر بھی دیکھو اجالے کی حکمرانی ہے — سحر کا ایسا دریچہ کہاں سے لاؤ گے؟

کہاں سے آئیگا مرہم جراحتوں کے لئے — خراشِ دل کا مداوا کہاں سے لاؤ گے؟

جو پھونک دے تنِ مردہ میں جان پھر سے وہی — تنفّسِ دمِ عیسیٰ کہاں سے لاؤ گے؟

مرے عزیز ذرا مجھکو اتنا بتلاؤ — جو خاک کردے وہ شعلہ کہاں سے لاؤ گے؟

کہاں سے آئیگا وامق سا عاشقِ جانباز — جو سر بکف ہو وہ عذرا کہاں سے لاؤ گے؟

ملیں گے یوں تو بہت سے دل و جگر تم کو — ہمارا ایسا کلیجہ کہاں سے لاؤ گے؟

جسے دکھائی دے قطرے میں شورشِ دجلہ — تم ایسا دیدۂ بینا کہاں سے لاؤ گے؟

یہ لُو، یہ دھوپ، یہ غربت، یہ غم، یہ مایوسی — دکھوں کا ایسا خرابا کہاں سے لاؤ گے؟

کہاں سے لاؤ گے تم نامرادیاں اتنی — جنوں جنوں ہو جو صحرا کہاں سے لاؤ گے؟

یہ قیس ہے کہ لہو رس رہا ہے صحرا میں — بتاؤ ایسا تماشا کہاں سے لاؤ گے؟

جو کلفتوں کو بیاباں کی ہنس کے سہتا ہو — غموں کا ایسا شناسا کہاں سے لاؤ گے؟

حسیں بہت ہیں یہ لیلیٰ کی بات ہے کچھ اور — کہ ایسا حُسنِ دلآرا کہاں سے لاؤ گے؟

وہ آفتاب ہے یعنی کہ پیکرِ انوار — تجلّیوں کی وہ دنیا کہاں سے لاؤ گے؟

داستان گو

یوں دل میں بسا تھا عشق لیلیٰ
قصہ جو کوئی تھا اسکا قصہ

ہونٹوں پہ سدا وہی فسانہ
نغمہ تھا وہی بس ایک نغمہ !!

خوش دل رہا کچھ دنوں وہاں قیس
رہ سکتا تھا خوش سدا کہاں قیس

اک روز وہ تھا بہت پریشاں
آنکھوں کا لہو تھا حد سے بے ارزاں

سینے میں بپا تھا ایک طوفاں
نوفل سے کہا بحالِ گریاں !!!

ہے کوئی قرار کی نہ صورت
ہے کوئی قرار کی نہ صورت !

قیس

(ابیات)

بہت زخم کھائے ہیں سینے پہ میں نے
کہ مجروح و پامال ہے دل سراسر

کوئی دامنِ چاک کو سی نہ پایا
نہ مجھکو ملا کوئی اب تک رفوگر!

کہیں کس سے کون یاں سننے والا
زمانہ ہے بے درد، ظالم، ستم گر

مگران دنوں تو نے مرہم جو رکھا
مرا حال پہلے سے اب کچھ ہے بہتر

عجب پیاس ہے اک عجب تشنگی ہے
مرے پاس موجود ہے گو سمندر

تجھے واسطہ چارہ گر ہے خدا کا
مرض بڑھ رہا ہے دوا کر دوا کر

نہ ہو یوں کہ تاخیر ہو جائے نوفل
کہیں حال میرا نہ ہو جائے ابتر

تو اب میری لیلیٰ کو مجھ سے ملا دے
مرے سلسلہ ساز میرے برادر!

نوفل

(کل سنور جائینگی زلفیں)

آپ سے ہے عرض میری حوصلہ رکھیں ضرور
آج کے دن یاس و محرومی پہ اتفاق ہے تو کیا!

پتہ پتہ، بوٹا بوٹا کل ہرا ہو جائیگا
گر خزاں ہی آج تقدیرِ گلستاں ہے تو کیا!

بین لائیں گے ستارے آسمانوں سے بھی ہم
اس میں کیا شک ہے کہ کل اسکوں ہوگا نصیب
کل برآمد ہوگا ہنستا کھلکھلاتا آفتاب
کل سنور جائینگی زلفیں کل نکھر جائینگے رخ
کل نگاہ و فکر کو وارستگی ہوگی نصیب
کل نئی تعمیر سے ہوگی مزیّن کائنات
کل نئے ملبوس میں پیغامِ بہاراں لائینگے
لعل و گہر سے بھری جائیگی کل جیبِ سحاب
منزلِ مقصود سے ہوگا سفینہ ہم کنار
کل مٹے گی وقت کے ماتھے سے ظلمت کی شکن
ہے توقع آپ کے محبوب کو لے آئینگے

روشنی کا تیرگی سے عہد و پیماں ہے تو کیا!
کائناتِ رنگ و بو گر آج لرزاں ہے تو کیا!
آج اگر مرّیخ پیہم آتش افشاں ہے تو کیا!
آج اگر شیرازۂ عالم پریشاں ہے تو کیا!
آج ہر ہوش و خرد محبوسِ زنداں ہے تو کیا!
ہر قدم پر آج اگر تخریب خنداں ہے تو کیا!
آج اگر گلزار میں ہر جسم عریاں ہے تو کیا!
ہر بیاباں آج اگر عسرت بداماں ہے تو کیا!
آج اگر بادِ ہلاکت خیز و طوفاں ہے تو کیا!
آج تاریکی اگر عنوانِ دوراں ہے تو کیا!
آج اُس گل سے اگر خالی یہ داماں ہے تو کیا!

داستان گو

نوفل تھا بہت ہی دل کا سادہ
اور قیس سے کرکے سچا وعدہ
ساعت ہی میں طے ہوئی مسافت
رستے میں آیا دل میں کچھ شک
قاصد سے تھا جسکا نام تاجک
پس سیّد ناصری یہ سُن کر

اُس نے کیا جانے کا ارادہ
فوراً ہی سنبھالا اس نے جادہ ..
بالکل ہی لیا نہ دم نہ فرصت
پہونچا وہ دیارِ ناصری تک
بھجوایا پیام اک اچانک
عجلت ہی میں آیا گھر سے باہر

رحمان تاجک (تہدید)

پیغامِ نوفل لایا ہوں یاں تک
ہے نام میرا رحمان تاجک

نوفل کہ جس کی جگ میں ہے شہرت
ہر شخص جس کی کرتا ہے عزّت

پولاد تن ہے لشکر شکن ہے
انصاف کرنا جس کا چلن ہے!

گر دوستی ہو ہے مثلِ آہو
اور جنگ ہو تو ہے خشمِ ایزد!

بے حد جری ہے بے حد جواں دل
آساں ہے اسکے سارے مسائل

اس کی کمندیں ہیں کہکشاں پر
ٹھوکر میں اس کی ہیں لعل و گوہر

وہ یارِ نوفل یہ یارِ مجنوں
گر وہ صدف ہے یہ دُرِّ مکنوں

مجنوں نے اسکو بھیجا ہے یاں پر
گردش ہی گردش جس کا مقدّر

ہے قیس عامر کا دشت میں گھر
لیلیٰ کو فوراً لے آئے جاکر

ہے اک دورا ہے پر یہ قبیلہ
اب چل سکیگا کوئی نہ حیلہ

جو مانگتے ہیں کردے حوالے
اپنی رعیّت کو تو بچالے!!

ورنہ تباہی مقسوم ہوگی
ہر اک عشرت معدوم ہوگی

سید ناصری (بجھ سکا ہے کبھی پھونک سے آفتاب)

عزم سے پُر ہوں سب حوصلہ مند ہوں
پر یہ بہتر ہے گستاخیاں بند ہوں!

ورنہ منہ سے زباں کھینچ لی جائے گی
حملہ آور سپہ منہ کی ہی کھائیگی

اپنے آقا سے جاکر یہ کہہ دو ذرا
میرے لوگوں کا ہے کچھ عجب ماجرا

جنگ میں جب مقابل ہو کوئی عدو
جنگجو میرے لڑتے ہیں سب رو برو

زور میرا کسی طرح گھٹتا نہیں
آگے بڑھتا ہوں میں پیچھے ہٹتا نہیں

بات کرتے ہو جو اس طرح رزم کی
داد دیتا ہوں جراءت کی اور عزم کی

کب ہے پروا کبھو نام کی بھی کبھی
بات سوچی ہے انجام کی بھی کبھی

حد سے گذرو گے اپنی تو پچھتاؤ گے
عقل تو کیا ہے جاں سے گذر جاؤ گے

ہے ارادہ تو پھر تیغ کو سان دو
آؤ ہم مان دیں اپنے مہمان کو !

کہہ دو جا کر کہ ہم نے دیا ہے جواب
بجھ سکا ہے کبھی پھونک سے آفتاب

کرمکِ شب کا سورج کے آگے کہیں
جل سکا ہے دیا ایسا ہوتا نہیں !

شیر نے گُربچے کو دیا ہے خراج
آندھیوں پر کیا ہے چراغوں نے راج ؟

کیا جھکا بھی ہے مہرِ درخشاں کا سر
سامنے ظلمتوں کے کسی بام پر ؟

خم کیا ہے کبھی فکر و ادراک نے
اپنا سر معبدِ جہل کے سامنے ؟

کوہ کو بھی کبھی کاہ نے دی شکست ؟
ہے ازل سے جہاں کا یہی داد و بست

کیا قناعت کا ایمان ہو حرص و آز
کیا حقیقت نگوں سر ہو پیشِ مجاز ؟

کیا چٹان آبگینے سے مرعوب ہو ؟
باڑھ کی حکمراں کیا فقط دوب ہو ؟

یاد رکھو مٹ جائیں گے آن پر
کھیل جائیں گے ہم اپنی جان پر

یاد رکھو اگر آب ٹھنی دوستو
ہم بھی تلوار کے ہیں دھنی دوستو !

داستان گو

قاصد لوٹا وہاں سے ناکام
پہنچا یا ناصری کا پیغام

نوفل ہوا جیسے مرغ در دام
گو آ بھی چکی تھی ساعتِ شام

قاصد سے کہا ذرا نہ ٹھہرو
پھر بھیجا پیام دے کے اسکو

کچھ کام نہ آئی تیز گامی
ناکام ہی لوٹا پھر پیامی

بولا کہ -

رحمان تاجک اے نوفلِ گرامی ۔ قسمت میں لکھی ہے تشنہ کامی
گو زور لگایا میں نے خاصا اس کا ہے جواب پھر ٹکا سا

نوفل (نعرۂ جنگ)

تیر گی مہر درخشاں پہ ہے پھر دام افگن نعرۂ جنگ سے پھر گونج اٹھے دشت و دمن
خود سورج کی ہو اور آگ کا ہو پیراہن بل نہ ابرو پہ پڑے اور نہ ماتھے پہ شکن
مشعلِ عزم کے شعلے کو کرو اور بھی تیز ساتھیو سرد نہ ہو آگ یہ ہنگام ستیز!
آج ہر نوکِ قلم نوکِ سناں بن جائے آج ہر حرفِ غزل برقِ تپاں بن جائے
آج ہر جوئے چمن سیلِ رواں بن جائے آج ہر پیرِ کہن مردِ جواں بن جائے!
پھر ہو اک رقصِ شرر گرمیٔ محفل کیلئے ایک طوفان اٹھے شورشِ ساحل کیلئے
ناصری نام ہے جس کا وہ ہے مکار عدو اسکے ہی خون سے گلنار کرو اپنے سبو!
بھائی کی موت پہ کوئی نہ بہائے آنسو دستورِ راہ سے ہٹنا نہ کبھی یک سرِ مو

"اسکی تلوار جو دریا کی روانی مانگے
اسکو اس گھاٹ پہ مارو کہ نہ پانی مانگے!"

داستان گو

پس گتھ گئے جنگ میں فریقین کہرام مچا بہت ہوا بَین
اک شخص کہ نام جس کا نوُرَین اسطرح کہ جیسے ہو نکیر مین
موجود تھا جب تھی جنگ جاری کی اس نے یہ واقعہ نگاری

نورین (صحیفہ نگار)

شب نے دریچہ آہستہ کھولا مرغِ سحر کچھ دھیرے سے بولا
رنگِ شفق جب نکھرا گجر دم مشرق میں بکھرے انوارِ مبہم

سورج نے اپنا جلوہ دکھایا — کرنوں نے اپنا جادو جگایا

جب دونوں لشکر میداں میں آئے — خنجر سنبھالے نیزے اٹھائے

اک ناصری تھا اک نوفلی تھا — دونوں کے لب پر نامِ علی تھا!

طاقت ببر کی چیتے کی پھرتی — دونو عساکر میں ہم نے دیکھی

کتنے مبارز کتنے جیالے — آندھی کے بیٹے طوفاں کے پالے

میر قبیلہ سب جنگجو تھے — سب شیر دل تھے سب شعلہ خو تھے

جب وقت آیا وہ صف بصف تھے — جو صف بصف تھے وہ سر بکف تھے

پُرجوش انکے تھے اسپِ تازی — اکثر جری تھے ان میں سے غازی

کچھ تیغ باز اور ناوک فگن تھے — پنجہ شکن تھے کچھ پیل تن تھے

پیشہ تھا کچھ کا شمشیر بازی — تھے مولوی کچھ اور کچھ تھے قاضی

کچھ تیر انداز اتنے تھے اچھے — بند آنکھ کرکے لیتے نشانے!

مانندِ رستم کچھ گرز اٹھائے — جراءت کا اپنی سکہ جمائے

سہراب جیسے کتنے قوی تھے — دشت و دمن میں تھے جنکے چرچے

بجنے لگا جب اک طبل رن میں — اک آگ پھونکی اس نے بدن میں

قرنے کی جونہی آواز آئی — جنگ و جدل کا پیغام لائی!!

سب بول اٹھے اب لام ہوگا — یعنی وغا کا ہنگام ہوگا!

لگ جائینگے اب کشتوں کے پشتے — دینگے دکھائی کشتے ہی کشتے

اک ناصری تھا بے حد توانا — فنِ حرب میں بے حد سیانا

تھا اس زمیں پر اک کوہِ البرز — پہنے زرہ اک اور ہاتھ میں گرز

لشکر سے اپنے آیا نکل کر — بولا عدو سے سدِ سکندر!

قوی دست (دستا سامنے آتا ہے)

ہے کوئی ایسا تم میں جواں دل — آئے جو اس دم میرے مقابل
ہے مرد کوئی جو مجھ کو لڑ سکے — ہے کس میں ہمت جو مجھ کو ٹوکے
کتنے ہیں عذر اور کتنے بہانے — کیا نوفلی ہیں سارے زنانے؟

نورین (ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا)

آیا مقابل اک منحنی سا — لڑکا قبیلے کا نوفلی تھا
بانکا سپاہی شرمیلا سا تھا — چوکنّا سا تھا پھرتیلا سا تھا
دیکھا جو اس کو اس ناصری نے — ہنسنے لگا وہ کچھ منھ کے سے
وہ نوفلی پر کچھ بھی نہ بولا — اپنے عدو کو نظروں سے تولا!
پھر جٹ گئے وہ اک دوسرے سے — اُس جنگ کے تھے پیچیدہ رستے
طوفان اٹھّا پھر اس بلا کا — قاصر ہوں کیسے کھینچوں میں خاکا
طوفاں تھما اور جب گرد ٹھہری — دیکھا سبھی نے جو کچھ تھی گذری
تھا چار شانے رن میں قوی دست — یوں حوصلے تھے اسکے ہوئے پست
کی اُس نے کوشش پر اُٹھ نہ پایا — بانکے نے ایسا پانی پلایا!
سر ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے تھے — اس کے ستارے روٹھے ہوئے تھے

ناصر قبیلے کے اک جواں نے — اک نوفلی کے چھکّے چھڑائے
تیغ عدو کو دو نیم کر کے — اسکو لگائے چرکے پہ چرکے
دے ڈالا اسکو پھر ایک خنجر — اس سے کہا لے تو خودکشی کر!
بزدل تھا ایسا وہ بھاگ نکلا — اُس نوفلی نے مڑ کے نہ دیکھا

دونوں ہی لشکر تھے آشا وادی
اب تک کشاکش تھی انفرادی
یک دم ہی قرنا پھونکا کسی نے
آپس میں الجھے دونوں قبیلے
ہاتھ اور پاؤں سر اور بازو
ران اور سینہ، دھڑ اور پہلو
کٹ کٹ کے صحرا میں گر رہے تھے
کام آئے رن میں کیا کیا جیالے
گرز اور خنجر تیغ اور نیزے
تھے پرزے پرزے تھے ریزے ریزے
جنگل میں جاری اک جوئے خوں تھی
تودے سے نگوں سر دنیائے دوں تھی!
بجلی کی زد پر ہر آشیاں تھا
ہر سمت ہر سو آگ اور دھواں تھا
جب بھی کسی نے شمشیر اٹھائی
صحرا میں خوں سے تحریر لکھ دی!
اک صاعقہ تھی تلوار کیا تھی
چمکی، اٹھی اور سر پر ہی ٹھہری
دیکھا بس اتنا مغفر پر آئی
مغفر سے اتری بکتر پہ آئی!
پیکار اتنا پیکارِ خونیں
باقی تھا شاطر اور تھا نہ فرزیں!
پہلے ہی سے تھی تو کی نوازش
اس پر یہ طرّہ تیروں کی بارش
رہوار ہر سو یوں کوندتے تھے
گھائل عساکر کو روندتے تھے!
نیزے تھے روشن تھی ان میں تیزی
جیسے کہیں پر گرتی ہو بجلی
اس مرحلے پر قیس آن پہنچا
اک شخص سے وہ کچھ پوچھتا تھا
ہم بھی وہاں پر تیزی سے پہنچے
دیکھا تو دونوں محوِ سخن تھے!

قیس (کیسی سوغات!)

دیکھو جدھر ہے رات ہی رات
کیسا دن کیسی سوغات!
خونریزی ایسی اور جنگ
دیکھ اسے میں ہوں دل تنگ

انسانوں کے خون کی بُو — سستا انسانوں کا لہو !!!
ہاتھ کٹے اور پاؤں کٹے — انسانوں ہی کے لاشے
کس کا جرم اور کس کا قصور — خون بہانا کیا تھا ضرور !
کس کو ہم یاں دیں آواز — گھائل نغمے، ٹوٹے ساز
کس کو دکھائیں زخمِ دل — مرہم کیا دیگا قاتل !!
راہیں سب اجڑی سنسان — کون کرے عہد و پیمان !!
تم نے بہایا جن کا لہو — دشت میں ان کی ہے خوشبو
کیوں ان کو برباد کیا — جن کو دیکھا تک بھی نہ تھا

جوان (یہ تحفہ، یہ سوغات)

یہ کس شمشیر کی تیزی ہے بدنام — یہ کیا آغاز ہے اور کیا ہے انجام!
یہ کڑوے گھونٹ کیا میرے لئے ہیں — یہ تحفے آپ نے اچھے دیئے ہیں!
لگا دی ہم نے جب اس جاں کی بازی — ہمیں جی آپ نے اچھی سزا دی
کسیلے فقرے اور دلدوز طعنے — یہ طعنے کیا ہمارے ہی لئے تھے؟
کیا جو کچھ بھی ہم سب نے یہاں پر — کیا وہ آپ کی خاطر ہی یکسر
ادا وہ کون سی دشمن کی بھائی — ہمیں یک لخت بوئے مہر آئی
تعجب ہے کہ ہو دشمن سے یاری — تھی بے مطلب ہماری جاں سپاری؟
محبت کا نیا ہی سلسلہ ہے — سبق ہم کو بھلا اچھا ملا ہے !
یہاں مقتول ہے اور کون قاتل — کسے بتلائیں جب ہم خود ہیں بسمل

قیس (یہ ظرف کی ہے بات)

دوستی کیوں نہ عدو سے ہو جائے — دشمنی کیوں نہ اچانک کھو جائے

چاہیئے اسکے لیے ظرف بڑا
ہم ذرا اپنے کو سمجھیں چھوٹا !

چشمِ دشمن ہی سے دیکھیں تو سہی
زاویہ اپنی نظر کا ہو وہی !

ہم گلے کیوں نہ لگائیں اس کو
کیوں ہم اپنا نہ بنائیں اسکو

ہو اگر حال پریشاں اس کا
ہم کریں کیوں نہ کوئی اس کی دوا

وہ نظر آئے اگر در ماندہ
کسی درگاہ سے ہو گر راندہ !

ہات میں ہات نہ کیوں لیں اسکا
کیوں ڈریں اس سے کہ ہونگے رسوا

نورین (سیلِ بلا)

اک معرکہ تھا اک شور و شر تھا
دورِ قمر میں دورِ شرر تھا

شدّت ہوئی تھی پیدا وغا میں
بکھرے پڑے تھے نالے فضا میں

پیکار زن تھا نوفل ہر اک سُو
غصّے کا عالم تیکھے سے ابرو

جس سمت جاتا سر کاٹ لاتا
سر قطع کرکے سب کو دکھاتا

بے حد جیالے تھے دونو لشکر
کچھ کٹ گئے تھے کچھ تن تھے سر پر

ڈھلنے لگا دن جب شام آئی
طے ہو گیا ہو ختم اب لڑائی

زندہ رہے تو کل پھر لڑیں گے
بس رات کی رات آرام لیں گے

مشرق میں اٹھ کر جب صبح آئی
اک جنگِ نو کا پیغام لائی

جب صبح آئی چھائی سیاہی
چاروں طرف سے آئے سپاہی

پھر سے ہوا اک ہنگامہ برپا
تھا ہوش کس کو واں تن بدن کا

اک دوسرے میں کچھ گتھ گئے تھے
اور خنجروں سے کچھ لڑ رہے تھے

کچھ لا رہے تھے کام اپنی تیغیں
کچھ ٹھونکتے تھے سینوں پہ میخیں

امڈا ہوا اک سیلِ بلا تھا — ظلم و شقاوت کا سلسلہ تھا!
الجھا ہوا تھا بھائی سے بھائی — بالکل برابر کی تھی لڑائی!
کچھ دیر ہی میں پانسا پلٹا — جب ناصری کا اک پاؤں رپٹا
تقدیر نوفل پر مہربان تھی — چہرے سے اس کے نفرت عیاں تھی
تھا ناصری کا لشکر نگوں سر — نوفل کا لشکر حاوی تھا اس پر
تھی ناصری پر بے شک مصیبت — بے حد کڑی تھی اس پر یہ ساعت
ہر شخص اس کا تھا پست ہمت — باقی رہی تھی کچھ بھی نہ جراءت
کچھ حوصلے بھی ٹوٹے ہوئے تھے — کچھ اسکے چھکے چھوٹے ہوئے تھے!
مشکل ہوا تھا پاؤں کا جمنا — باقی رہا تھا تھوڑا ابھی دم نا!
ہر چال الٹی ہر داؤ بے تک — آ ہی گیا تھا اک وقتِ نازک
جب فتح نوفل کی تھی یقینی — کام آنے ہی کو تھی دور بینی!
کہنے ہی کو تھا ہتھیار رکھ دو — اتنے میں اک فوج آئی کمک کو
تھی اک کمک جو از غیب آئی — جو ناصری کو امداد لائی!
جیسے ہی تازہ دم فوج آئی — پیغامِ نصرت ہمراہ لائی!
دیکھا کمک کو جب ناصری نے — غیبی مدد پر کر ڈالے سجدے
پس ناصری نے نعرہ لگایا — نوفل کے دل پر چرکا لگایا!
چاروں طرف سے یلغار کر کے — نوفل کے قلعے مسمار کر کے
کر کے یکایک شدت کا حملا — نوفل کی فوجیں کر ڈالیں پسپا
موجود اس جا تھے اک میانجی — جن کی قبائل میں منزلت تھی
دیکھا انھوں نے نقشہ غضب کا — دشمن عرب ہی واں تھا عرب کا

پہلے وہ پہونچے نوفل کے لشکر | تھا تیرگی ہی جس کا مقدر
نوفل کا ازحد تھا حال خستہ | تھا خود گستہ اور دل شکستہ

میانجی (سفیرِ امن)

ہاریں نہ ہمت اے میرے بھائی | ہے میرے پاس اک اچھی دوائی
ہے مصلحت ہی میرا اشارہ | جنگ و جدل سے کرلیں کنارہ
جز صلح کوئی چارہ نہیں ہے | اس کے سوا اب رستہ نہیں ہے

نورین (صلح ہوئی)

نوفل کا سر تھا خم ان کے آگے | سب کچھ سنا پر کچھ بھی نہ بولے
نوفل سے لیکر وعدہ میانجی | پہونچے وہ خدمت میں ناصری کی
اور آشتی کا پیغام دے کر | ساری فضا کو کرکے معطر
لوٹے میانجی خیمے کو اپنے | صلح و سکوں کے ساماں بناکے
جب صلح آئی دل ہوگئے صاف | جشنِ مسرت تھا قاف تا قاف
باقی تھے لیکن کچھ چاک سِلنے | نوفل چلا اب مجنوں سے ملنے!

نوفل (شرمسار)

السلام اے قیسِ عامر السلام | آپ کو میرا سلام و احترام
میں وہی ہوں یعنی نوفل جس کا نام | مجھ پہ ہے آرام و آسائش حرام
مجھ پہ ہے اک عالمِ شرمندگی | اور اک الزام ہے یہ زندگی!
آپ سے آنکھیں مِلا سکتا نہیں | آپ کو صورت دکھا سکتا نہیں!
التجا ہے آپ سے کردیں معاف | میرا وعدہ تھا فقط لاف و گزاف
میں یہاں ہوں ہاتھ خالی ہے مِرا | حیف لیلیٰ کو نہیں میں لا سکا

قیس
(پھر ہے وہی خارزار)

پھر وہی تنہائیاں دکھ کے وہی سلسلے
پھر سے مقدر میں ہیں غم کے وہی مرحلے

پھر ہے وہی خارزار پھر ہیں وہی آبلے
پھر ہیں وہی سختیاں پھر ہیں وہی مرحلے

پھر ہیں وہی مشکلیں پھر ہیں وہی مسئلے
یعنی وہی شور و شر اور وہی غلغلے

پھر وہی تاکیدِ ضبط دل کے وہی ولولے
ایک تمنا وہی اور وہی حوصلے!!

مجھکو نہیں علم کچھ مجھکو نہیں کچھ پتا
بات یہ سچ ہے کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا

میں تھا بہت پُر امید وہ مجھے مل جائیگا
جس کیلئے دشت کی خاک ہوں میں چھانتا

غم میں سرابور ہوں کیا ہوا کیسے ہوا
کس لئے مسموم ہے دشت کی ساری فضا

اور بڑھے گا مرض، اک مرضِ لا دوا
کیا ہے مداوا بھلا آئے کہاں سے دوا؟

دل کا وہی مدعا دل کا وہی آسرا
ہوگا کرم مجھ پہ کب کون سے دن اے خدا؟

نوفل
(گرتے ہیں شہسوار ہی)

مجھ کو بہت ہے افسوس اس کا
جو مدعا تھا وہ مل نہ پایا

اس جنگ کی تھی تنظیم ایسی
آئے کمک تو ہو کامیابی!

جو بھی سپاہی تھے ساتھ میرے
علم الحرب سے واقف وہ کم تھے

پس میرے آگے اک مسئلہ تھا
کم میسرہ تھا، کم میمنہ تھا

تعداد میں کم میرے جواں تھے
سب مر چکے تھے باقی کہاں تھے!

کم تھے جواں پر تھی جنگ جاری
بازی لگی تھی ہمت نہ ہاری

دل میں تھی برپا بے نام ہلچل
مجھ کو یہی تھی الجھن مسلسل

جیسے ہو ممکن مقصد کو پاؤں
دشمن کو اپنے نیچا دکھاؤں

اس جنگ میں بس خونریزیاں تھیں
سر اڑ رہے تھے چنگیزیاں تھیں
گو جان و دل کی بازی لگی تھی
لیکن تھی قسمت ناکامیابی
اک شعر نے دی دل کو تسلی
ہر طرح میری ہمت بندھائی

بیت

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں
وہ طفل کیا کریگا جو گھٹنوں کے بل چلے!

قیس

(تم نے تو کہا تھا)

تپتا ہوا صحرا ابھی ہے وہی اور آگ وہی ہے دہکی ہی
تم نے کہا تھا دم لے لو ختنی چمن لے آؤ گے!
اے نوفل جسکے عطر آگیں نافے کی ہے خوشبو پھیلی ہوئی
وعدہ تو کیا تھا تم نے وہی آہوئے ختن لے آؤ گے
وہ سرو چمن جس کے آگے ہر شمشادِ گلشن ہے نگوں
تم نے ہی ہمیں بتلایا تھا وہ نازِ چمن لے آؤ گے
جسکو نہیں اک پل چین کہیں ہم جسکو کہیں درِّ غلطاں
تم کہتے تھے اک روز وہی سیماب بدن لے آؤ گے
اب آئے ہو کیا لائے ہو؟ کیوں خالی ہاتھ ہی آئے ہو؟
کیا فائدہ ایسے آنے سے آتے ہی نہیں تو اچھا تھا
آکر یہ بتاتے ہو ہم سے وہ چاند نہیں مل سکتا ہے
دل تڑپانے والی یہ خبر لاتے ہی نہیں تو اچھا تھا
اک ایسا نغمہ جو دل کے تاروں کو کبھی بھی چھیڑ نہ پائے
اس محفل میں تم وہ نغمہ گاتے ہی نہیں تو اچھا تھا

تم جسکو عمل میں لا نہ سکے جسکو تم پوری کر نہ سکے
تم اک ایسی سوگند اگر کھاتے ہی نہیں تو اچھا تھا

نوفل

(فیصلہ کر کے ہی آنا چاہیئے)

بات کو دل میں نہ رکھنا چاہیئے
جو بھی ہو محسوس کہنا چاہیئے
پشت سے دشمن کی آنا تھا ہمیں
دھیان میں اب اسکو رکھنا چاہیئے

یاد آئے جو بھی مُکّا بعدِ جنگ — اپنے ہی کلّے پہ مارا چاہیے!!

لائیں گے اب ہم کمک بغداد سے — فوج کو اپنی سہارا چاہیے!

ساتھ میں اپنے ہراول کے ضرور — ایک چنداول بھی رکھنا چاہیے!!

ناصری کی ناک کو گھسوائیں گے — اک یہی ارماں نکالا چاہیے!

چال اب ایسی چلیں گے شہ پڑے — چال ہی سے مات دینا چاہیے!!

سر کٹیں گے گرم ہوگا معرکہ — مورچہ سر کرکے آنا چاہیے!

چاہے کچھ بھی ہو اِدھر ہو یا اُدھر — فیصلہ کرکے ہی آنا چاہیے!!

آپ کے محبوب کو بر آئیں گے — عہد کو پورا ہی کرنا چاہیے!

داستان گو

نوفل نے سپر رکھی تھی رن میں — چرچا تھا نگر میں اور بن میں

باقی تھی سپہ کی جان تن میں — اک آگ لگی تھی تن بدن میں

خواہش تھی یہی کہ جنگ پھر ہو — اک درس سکھائیں ناصری کو

اطراف سے کی سپہ اکٹھی — بغداد سے ایک ٹکڑی آئی

امداد کئی ذرائع سے لی — آخر کو یہی صلاح ٹھہری

دشمن کی سپاہ پر ہو شب خوں — جس سے کہ ہو کیفیت دگرگوں

لیلیٰ تھی عناد سے ہراساں — تھی وہ شب و روز ہی پریشاں

تھی قیس کے ہجر میں وہ گریاں — سینہ تھا غم و الم سے بریاں

اس جنگ کا وہ اثر تھا دل پر — اک سوچ میں غرق رہتی اکثر

لیلیٰ

(تم بہت دور ہو)

بعد مدت کے میں آئی ہوں چمن میں اس بار
سایۂ تاک میں آسودہ ہواؤں کا خمار

گلستاں کی یہ حسیں شام یہ خوشبو کی پھوار
اپنے ہی آپ سے لیکن میں بہت ہوں بیزار

صحنِ گلشن کے یہ اشجار یہ سائے یہ سماں
ہیں یہ جگنو کہ گلستاں میں شرر ہیں رقصاں

ہر طرف مہکے ہوئے لالہ و نسرین و سمن
شعلہ رو، شعلہ جبیں، شعلہ نظر، شعلہ بدن

دہکا دہکا سا خنک آنچ سے جن کی گلشن
کنج میں لیٹی ہوئی چاند کی اک ننھی کرن

دے سکوں سب کو گلستاں کا یہی آئیں ہے
ویسے سب ٹھیک ہے پر دل ہی بہت غمگیں ہے

چاندنی سبزۂ نورستہ کی آغوش میں گم
آسمانوں میں یہ خوابیدہ سے ماہ و انجم

ہاتھ میں بادہ گساروں کے صراحی اور خم
کاش اس وقت تو موجود یہاں ہوتے تم

رت یہ بھیگی ہوئی جاگے ہوئے دل میں جذبات
اور ہر شئے کو جھلتے ہوئے یہ احساسات

دل کے جلتے ہوئے زخموں کو چھپاؤں کیسے
دیکھ پائیں نہ جنھیں ان کو دکھاؤں کیسے

جن کو میں لا نہ سکوں ان کو میں لاؤں کیسے
تم بہت دور ہو میں پاس میں آؤں کیسے؟

زندگانی کا اگر آج کوئی ساماں ہے
سوچتی ہوں کہ یہی سوچ بہر عنواں ہے!

داستان گو

لیلیٰ پہ عیاں تھی — بد حواسی
دل پر تھی محیط اک اداسی

اور قیس کی روح بھی تھی پیاسی
لیکن تھی رجائیت ذرا سی

روتا تھا بہت اور آہ بھرتا
لیلیٰ کے لئے دعائیں کرتا!

قیس

(افق سے تا بہ افق)

افق سے تا بہ افق ظلمتوں کی یورش سی
یہ خشک ریت کا طوفاں یہ آندھیوں کا فشار

یہ آفتوں کی فضاؤں سے ظلمت انسانی
تباہیوں کی فلک سے زمیں پہ یہ یلغار

سپاہیوں کے گھنیرے حصار میں لے دوست
چراغ بجھتے ہیں انوار ڈوبے جاتے ہیں

ہر اک سمت یہاں کس قدر اندھیرا ہے
طلوعِ صبح کے آثار ڈوبے جاتے ہیں

ہے یاد آج بھی مجھکو وہ ساعتِ پُر نور
شعاعِ مہر نے جب آئینہ اٹھایا تھا

دہک اٹھے اُجالے، چہک اٹھی تھی فضا
ہماری زیست کا ایوان جگمگایا تھا

نہ جانے مجھکو یہ کس سرزمیں پہ لے آیا
مصیبتوں کا یہ سیلاب تیرے شہر سے دور

یہ کس گنہ کی سزا مجھکو مل رہی ہے یہاں
کوئی بتائے مجھے کیا کیا ہے میں نے قصور

خبر بھی ہے کہ بچھڑ کر تری فضاؤں سے
مری حیاتِ بلا آشنا پہ کیا — گذری

ترے گلوں کی خنک چھاؤں سے جدا ہو کر
مرے چمن تری بادِ صبا پہ کیا گذری

زمانہ مجھکو ترے در سے دور لے آیا
مگر تجھے وہ کبھی مجھ سے دور کر نہ سکا!

غمِ زمانہ اٹھانے کے باوجود بھی دل
ترے خیال سے غافل کبھی نہیں رہتا!

الم نصیب، غریب الدیار تیرے حضور
بہت ہی دور سے لایا ہے دل کا نذرانہ

یہ تشنہ لب کہیں لب تشنہ ہی نہ رہ جائے
خدا کرے نہ رکے آج دورِ پیمانہ

مری دعا ہے کہ تجھکو ہو عمر خضر عطا
اور اس حیات کا ہر لمحہ شادماں گذرے

گل و سمن ہوں سدا تیری ہم عنانی میں
مگر خدا نہ کرے کوئی پھول تجھ کو ڈسے

زمانے بھر کی ہوں خوشیاں نصیب تیرے
غموں کی آگ سے تجھکو خدا بچائے رکھے

شرابِ حسن سے خالی ترا ایاغ نہ ہو
ترے نشاط کی محفل خدا بنائے رکھے

ترے جمال پہ نازاں ہوں زہرہ و ناہید
ترے دیار پہ ہوں مہر و ماہ سر بسجود

ترے جلو میں چلیں قافلے بہاروں کے
ترے وجود کے دم سے ہو نکہتوں کا وجود

جو تو چلے تو تری راہ میں ستاروں کا
یہ اہتمام سپہرِ کبود فرش بچھائے

ترے جمال کو کجلا سکے نہ وقت کی دھوپ | ترا شباب بہاروں کو آئینہ دکھلائے
دعا یہ ہے کہ خداوندِ آسمان و زمیں | زباں کو دے اثر ایسا مری دعا ہو قبول
ہمیشہ تیری نگہباں ہو رحمتِ یزداں | فرازِ عرش سے تجھ پر ہو برکتوں کا نزول

داستان گو

بچھڑ لے کے سپاہ اپنی نوفل | آیا بہ مصاف گاہ اوّل
تھا زورِ غضب کا اور کس بل | دشمن ہوا اس کا کور احول
تھا وہ اثرِ مصاف خیزاں | تھا قُلّہ بوقبیس ریزاں
نورین تھا اس جگہ بھی موجود | جو خود تھا میانِ ہست اور بود
تھی راہِ فرار سب کی مسدود | وہ خود سے ہی کہہ رہا تھا معبود
جنگ ایسی کوئی سنی نہ دیکھی | گذری تھی جو روئداد لکھی

نورین

(مقتل میں)

اِس جنگ کا کیا نقشہ بیاں ہو | وہ بولے جس کے منہ میں زباں ہو
جو ہو مورّخ یا وہ بتائے | جو کچھ بھی بیتی ہو وہ سنائے
میں بھی ہوں شاہد میری ہے خواہش | میں بھی کروں کچھ لکھنے کی کوشش
جب آسماں پہ چمک اٹھا صبح کا تارہ | کھلا وہ پرچمِ جنگ اور بجا وہ نقّارہ
مجاہدوں نے صفیں اپنی راست کر ڈالیں | مُرادیں اپنے دلوں کی سپاہ نے پالیں
زخاک تا بہ ثریّا ہے اک غبارِ سیاہ | یہ وہ غبار ہے جس سے بچے نہ کوہ نہ کاہ
ادِ شہر میں ہر سُو مچا ہے اک کہرام | کہ آدمی پہ یہاں زندگی ہے اک الزام
ایک گام پہ اک اہرمن کا سایہ ہے | یہ اہتمام کہاں کوئی سیکھ پایا ہے!

حریم دشت میں بہتا ہے آدمی کا لہو
اسی لہو سے تو ابلیس کر رہا ہے وضو

یہ دشت دھوپ میں جسکی ہے تیغ کی تیزی
نہیں ہے سب کیلئے ممکن اسکی انگیزی

پناہ مانگتے ہوں جن سے ظلم و استبداد
چھری سے ذبح کریں آدمی کو وہ جلّاد

دلوں میں کینہ ہنسی جن کی زہر آلود وہ
جو ہوں لہو سے نہلانے کے بعد آسودہ

نجانے کتنے ہی سینے خدنگ سے ہیں فگار
نجانے کتنے ہیں انساں کے بھیس میں خونخوار

نہ ہو سکیگا نہ ہوگا کبھی یہ ختم آزار
نجانے کتنے ہی عیسیٰ ہیں اور صلیب و دار

ہر اک نگاہ میں کیا خوب ہے وہ نظّارا
کسی نے جنگ میں جب کہہ دیا کہ "وہ مارا"

پھولوں کو نقاہت ہے تو کلیاں بھی ہیں بیمار
گلشن کا مزاج آج تو ناساز بہت ہے

اس دشت کو ہلچل نہیں درکار کہ اسکو
سناٹے کی گونجی ہوئی آواز بہت ہے

میدان میں شبیر کی خاطر جو اٹھی ہو
ہر شمر کو اس تیغ کی آواز بہت ہے

ملعون ہے جھک جا کہ جو سر خوفِ عدو سے
وہ سر جو گرے کٹ کے سرافراز بہت ہے

جو حق و صداقت کی حمایت میں اٹھی ہو
کمزور بھی ہو گر تو وہ آواز بہت ہے

جہانِ کس مپرسی ہے یہ میداں
رواں ہے جوئے خوں ہے چاک داماں

بیاباں میں نہ ہے سایہ کہیں پر
فلک نامہرباں سا ہے زمیں پر

افق سے آگ برساتا ہے سورج
خیالوں تک کو جھلساتا ہے سورج

سرابوں کا یہ بحرِ بیکراں ہے
یہاں ہر موج موجِ خونچکاں ہے

شرار و برق میں کچھ چشمکیں ہیں
الم کی بے صدا سی آہٹیں ہیں!

یہاں پر بس بھری دلداریاں ہیں
یہاں بے آگ ہی چنگاریاں ہیں

شرارے ہیں، طپش ہے تشنگی ہے
بدستِ موت ہے جو زندگی ہے

سکونِ دل یہاں حرفِ غلط ہے
فغان و اشک کی محفل سجی ہے
وہ چٹیل دھوپ کی اسے شگفتگی ہے
تمنّا سر فروشی کی جواں ہے
عجب اک منظرِ خونیں ہے آ گئے
ہتھیلی پر لئے ہیں سر جیالے
ستیزہ کار ہیں میداں میں احرار
یہ سورج اور یہ اس کی خود پسندی
یہ لُو کی دست اندازی فضائیں میں
ادھر بڑھتی چلی ہے لُو کی حدّت
جمی اک مجلسِ آہ و بُکا ہے
تمنائیں یہاں ہے خاک بر سر
تباہی جنگ میں ہے کشت و خوں ہے
یہاں پر قتل ہے غارت گری ہے
مجاہد اور بہادر سر بکف ہیں
بس آنکھیں موت کی آنکھوں میں ڈالے
ادھر کوئی گرا ابلق سے اپنے
کوئی مانندِ ضیغم ہے دہاڑے
تڑپتا گھاؤ سے ہے ایک گھائل

تدارک بے قراری کا نہیں ہے!
بفیضِ غم لبوں پر آ بنی ہے
فضا میں حسرتیں ہیں بے کسی ہے
کدھر ہے باندئے قاتل کہاں ہے؟
لگے اسکو ہی جس کے تن ہے لا گے
یہ موقع ہے کوئی تو آزمائے
جنھیں ہے اپنی شہزوری کا پندار
یہ ہر سُو دھوپ کی آئینہ بندی
حرارت ہی حرارت ہے ہوا میں
اِدھر ہے کاروبارِ غم میں شدّت
یہاں ماتم ہے اور حشر بپا ہے
قیامت سے ہی پہلے روزِ محشر
خرد کا نام صحرا میں جنوں ہے!
یہ وہ مقتل ہے جسمیں زندگی ہے
مٹانے اپنی ہستی صف بہ صف ہیں
فنا کے گھاٹ اترتے ہیں جیالے
ادھورے رہ گئے سب اسکے سپنے
کوئی ہے اپنے دشمن کو پچھاڑے
طبیعت موت کی ہے اس پہ مائل!

پڑا ہے خاک پر اک اور زخمی — نہیں ہے فکر اس کو زندگی کی
اگر ہے فکر کچھ تو بس یہی فکر — لبوں پر بے وفا محبوب کا ذکر
وہ نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے — پسینہ پونچھیئے اپنی جبیں سے

اُمنڈتی جوئبارِ اشک آنکھوں میں نہاں رکھ دی — فغاں کی طرح تو کس نے یہ زیرِ آسماں رکھ دی
کسی نے چار تنکے ہی جلا کر خاک کرنے کو — یہ کس سورج کی چنگاری قریبِ آشیاں رکھ دی
کسی نے بے خطر ہی تیر کھائے اپنے سینے پر — ہتھیلی پر کسی نے جان اپنی بے گماں رکھ دی
کسی بسمل نے گردن پیش کردی قتل کی خاطر — کسی قاتل نے اس پر تیغ سی آرامِ جاں رکھ دی
کسی نے ایک حملے میں مقابل کے کئے پرزے — کسی نے یک بیک دشمن کے سینے پر سناں رکھ دی
گرا اشہب سے کوئی صف شکن بس ایک لمحے میں — خدا کے سامنے اس طرح اس نے اپنی جاں رکھ دی
کوئی تلوار جب پہونچی گلے کے پاس آہستہ — کسی سے کوئی بولا ہائے کیسی شے کہاں رکھ دی
کسی جانباز نے خنجر پہ پلکوں سے کئے سجدے — کسی نے شوقِ گل بوسی میں کانٹوں پر زباں رکھ دی

اِس جنگ میں خونابہ فشانی تھی بہت — شمشیر عناد کی روانی تھی بہت
بس پیار کی اک جنس بہت مہنگی تھی — ارزاں ہوسِ دشمنِ جانی تھی بہت
پیکار کے سب معرکہ آراؤں نے — اس دشتِ ستم کی خاک چھانی تھی بہت
غارت گری و قتل کے ہنگامے سے — دلگیر و غمیں سرائے فانی تھی بہت
دیکھی نہ سُنی جنگ کسی نے ایسی — ہونٹوں پہ سبھی کے یہ کہانی تھی بہت
اس جنگ سے ہر اک خفقانی سا تھا — ہر ایک طبیعت پہ گرانی تھی بہت!

بس ایک ہلّہ تھا اسکا کاری — پلّہ ہوا تھا نوفل کا بھاری!
تسلیم میں سرِ دشمن کا خم تھا — ناکامیابی کا اسکو غم تھا۔

نوفل کا لشکر اب کامراں تھا ۔ سرشار اسکا ہر اک جواں تھا
باقی عدو کے جتنے جواں تھے ہتھیار رکھ کر محوِ فغاں تھے
کچھ بھی نہ ان میں تاب و تواں تھی آئی ہوئی سی ہونٹوں پہ جاں تھی
تھا خاک بر سر میرِ قبیلہ کام آنہ پایا کوئی بھی حیلہ
گردن جھکائے دشمن کے افسر اپنی سپر اور شمشیر — رکھ کر
نوفل کے آگے کرنیل آئے کرنیل تو کیا جرنیل آئے
فریاد تھی بس جاں بخش دیجئے ہم پر عنایت لِللہ کیجئے

جرنیل

منظور ہم کو ہے اب غلامی اب درگذر ہو چھوٹی سی خامی
گر جان لو گے کیا ہو گا حاصل کہلاؤ گے تم اپنوں کے قاتل!
بہتر یہی ہے ہم پر کرم ہو ناحق نہ کوئی پھر چشم نم ہو ۔

نورین

سب افسروں کی اک التجا تھی دے دیجئے اب ہم کو معافی
اتنے میں اس جا دیکھا سبھی نے لیلیٰ کے والد بھی آن پہونچے
بکھرے ہوئے تھے ٹوٹے ہوئے تھے ان کے ستارے رُوٹھے ہوئے تھے
ویسے بہت تھے بے باک سیّد اُس دم مگر تھے غمناک سیّد!
تھی شرمساری رُخ پر — ہویدا مجروح تھے اور تھے دل شکستہ
کب تک وہ یونہی خاموش رہتے خاموش رہتے کچھ بھی نہ کہتے!

سیّد ناصری

(تن شکستہ، دل سوختہ)

نہ چمن میں اڑتے شرار ہیں نہ گلوں کے رخ پہ نکھار ہے — مجھے اس سے کوئی غرض نہیں یہ بہار کیسی بہار ہے !!!

ہے سکون بھی یہاں قرار بھی کہ یہ اپنا اپنا نصیب ہے — مری زندگی ہے وہ زندگی نہ سکون ہے نہ قرار ہے !

میں وہ پر شکستہ پرند ہوں کہ چمن بھی جسکو نہ راس ہو — کہ چمن کی مسندِ گل بھی میرے لئے تو بسترِ خار ہے !

نہیں بات اب تو کوئی نہاں سبھی کچھ تو دنیا پہ ہے عیاں — مرا تن شکستہ و سوختہ مری روح زار و نزار ہے !

نہ تو گل میں ہے کوئی بوئے خوش نہ تو برگ گل میں ہے تازگی — یہ خزاں کا دوسرا روپ ہے جسے لوگ سمجھے بہار ہے !

وہ سکوت ہے کہ کہیں سے صوت و صدا بھی آتی نہیں مگر — یہ تناؤ کیسا تناؤ ہے یہ فشار کیسا فشار ہے !

وہی زندگی وہی راستے وہی سختیاں وہی معرکے — وہی ایک اپنا طریق ہے وہی ایک اپنا شعار ہے !

نوفل

(لیلیٰ کو کرو حوالے)

پس جنگ تو ہم نے جیت لی ہے — اور تم کو بڑی شکست دی ہے

تھا تم کو بہت غرور خود پر — فرمایا تھا ہے ذلیل و کمتر

نوفل جو ہے خاکسار کا نام — جس نے کہ تجھے ہی عیش و آرام

اک یارِ ستم زدہ کی خاطر — ثابت کیا جنگ میں ہے شاطر

لیلیٰ کو کرو مرے حوالے — کیا پڑ گئے اب دہن پہ تالے !!

دینا ہے اسے بدیر یا زود — تا گردم ازیں قبیلہ خوشنود

دینے میں اگر کرو گے تاخیر — ہاں فیصلہ تب کرے گی شمشیر

تم عاقل و محترم ہو سیّد — فخرِ عرب و عجم ہو سیّد

احسان کرو گے قیس پر تم — لیلیٰ کو کرو حوالے گر تم

صحرا میں وہ اس کا منتظر ہے — ہے نام لبوں پہ چشم تر ہے

لیلیٰ کے بغیر جی رہا ہے — ہر سانس سے زہر پی رہا ہے

دنیا سے سفر وہ کر نہ جائے
ڈر ہے کہ کہیں وہ مر نہ جائے
کہنا تھا مجھے جو کہہ چکا ہوں • اب فیصلہ تم پہ چھوڑتا ہوں

سیّد ناصری

(گھاؤ گہرا زخم کاری)

مجھ کو اس بات کا سخت افسوس ہے رنج از حد ہے اور شرمساری بھی ہے
بھرتے بھرتے ہی بھر پائیگا زخم جاں، گھاؤ گہرا بھی ہے زخم کاری بھی ہے
جو یہ کشتوں کے پشتے لگے ہیں یہاں رنج اسکا ہے اس کی ہے شرمندگی
خون ان سب کا میری ہی گردن پہ ہے، اس میں میری بڑی ذمہ داری بھی ہے
کس طرح میں کہوں جانتا کچھ نہیں کون مانے گا ایسی لچر بات کو
بات دراصل یہ ہے کہ اس امر میں موت سے میری کچھ ساجھے داری بھی ہے
جو کہے تھے کبھی لفظ میں نے جناب آپ کی شان میں نامناسب تمام
یاد میں اس حماقت کے برتاؤ کی آنکھ سے جوئے شرم ایک جاری بھی ہے

نوفل

(خود کلامی)

دگر بہ مسکیں اگر پر داشتے!
تخم گنجشک از جہاں برداشتے،

سیّد ناصری

باپ ہر کوئی بس چاہتا ہے یہی اس کی بیٹی سدا شاد و آباد ہو
میری دختر ابھی تک ہے ناکتخدا رکھی دل پر یہ سِل ایک بھاری بھی ہے
آپ کا حکم تو میں بجا لاؤنگا تیغ ہے آپ کی میری دیکھی ہوئی
کھیل سکتا ہوں کیسے میں خود موت سے زندگی جبکہ حد درجہ پیاری بھی ہے

رد سیہ مجھ کو اس جنگ نے کر دیا منتظر ہوں مگر میں کہ آئے ربیع
تاکہ فرمان کی ہو بجا آوری جو طریقِ رہِ جاں سپاری بھی ہے
قبل اس کے کوئی حکم صادر کریں آپ سے ایک ادنیٰ گذارش کروں
التجا ہے کریں عرض میری قبول اس میں شامل مری آہ و زاری بھی ہے
مل گئی ہو گی یہ آپ کو بھی خبر قیسِ عامر بیابان کے باب میں
یعنی وہ اپنے آپے میں بالکل نہیں ایک دیوانگی اس پہ طاری بھی ہے!
اس قدر نام اس کا شکستہ ہے اب، کوئی اسکو زباں پر تو لاتا نہیں
سرزنش اور تمسخر کا ہے وہ ہدف، خشت اندازی اور سنگ باری بھی ہے!
فی المثل قیس و لیلیٰ کا رشتہ ہو طے مجھکو بدنامیٔ نام کا خوف ہے
ویسے وعدہ کیا ہے نبھاؤں گا میں کیونکہ اسکی مجھے پاسداری بھی ہے!

نوفل

(خالی ہاتھ)

ایک کرن پھوٹی تھی دل میں ـ آئے تھے لے کر امیدیں
قیس سے ہم کہہ کر آئے تھے ـ لیلیٰ کو لے کر آئیں گے
خالی ہاتھ نہیں لوٹیں گے ـ پورا ہم وعدہ کر دیں گے

سید ناصری

قیس بدنام ہے دیوانہ ہے صحرائی ہے اسکو میں سونپ دوں دختر مجھے منظور نہیں

نوفل

ہم کو اب لگتا ہے ایسا ـ مل نہ سکیگی قیس کو لیلیٰ!
جس کی خاطر جنگ ہوئی ہے ـ خلقت دن ہے تنگ ہوئی ہے

گو ہم بازی جیت گئے ہیں — اور اب گھر کو لوٹ رہے ہیں
پھر بھی یہ احساس ہے اپنا — کیا ہو مداوا قیس کے غم کا
خوش دل ہو کر آپ جو کرتے — لیلیٰ کو مجنوں کے حوالے
گر یہ تمنّا پوری ہوتی — بات تو پھر کچھ اور ہی ہوتی
زور زبردستی سے جیتا — ہر لمحہ بیکار ہی بیتا!!
ظلم و ستم شیوہ نہیں اپنا — راضی خوشی کا ہے بس سودا
آپ کا گر دستور نہیں ہے — آپ کو گر منظور نہیں ہے
جبر سے کوئی کام نہ لینگے — آپ کو اب تکلیف نہ دیں گے!
وقت نہیں ایسے کھوتے ہیں — اچھا اب رخصت ہوتے ہیں!

داستان گو

کہہ کر وہ ہوا وہاں سے رخصت — لی اُس نے نہ ایک پل کی مہلت
ویسے تو بہت تھی اسکو فرصت — پر اسکی طویل تھی مسافت!
پس جلد ہی ہو گیا روانہ — اور دیکھتا رہ گیا زمانہ
پہنچا وہ اُسی جگہ اُسی جا — جس جا کہ تھا قیس کا ٹھکانہ
صحرا میں جہاں وہ بس رہا تھا — دیکھا وہیں قیس منتظر تھا!
اک سمت تو قیس تھا سوالی — نوفل کا اِدھر تھا ہاتھ خالی

قیس

(سناٹے کا دشت)

کیا آئے نوفل آؤ تھا میں منتظر — راہ تکتا تھا یہاں شام و سحر
کس لئے چپ چاپ اور خاموش ہو — فکرِ فردا ہے کہ محوِ دوش ہو

اب کے بھی تم ہاتھ خالی آئے ہو
یا کہ تم ہمراہ اس کو لائے ہو

جس کی خاطر چھانتا ہوں خاکِ دشت
دشت کی خاک اور خس و خاشاکِ دشت!

لگ رہا ہے تم نے پھر ہاری ہے جنگ
مورچوں پر اب بھی کیا جاری ہے جنگ؟

میں ادھر ہوں مضطرب اور بے قرار
روح بھی مجروح اور تن بھی فگار

آج بھی ہے زندگی میری عذاب
زیست یعنی ایک دیوانے کا خواب

تشنگی، آزردگی، درد اور داغ
ایک دشتِ کالا ہاری بے چراغ

ایک خاروں کا نگر ہے زندگی
کور و بے شمس و قمر ہے زندگی

زندگی ہے ایک سناٹے کا دشت
فائدہ کا؟ جی نہیں گھاٹے کا دشت

اب تلک تو ہے مقدّر بے کسی
نیم جانی، رنج اور افسردگی!

تلخ ہے اس زندگی کو شہد و شیر
ایک دو کا ذکر کیا ہیں غم کثیر

اک مسلسل جہد مطلب کچھ نہیں
کچھ نہیں ہے زیست یارب کچھ نہیں

کشمکش، کوشش، کشاکش کس لئے
کس لئے، کس وجہ سے غش کس لئے

رات دن ہی کیوں ہراسانی رہے
زندگی مٹ جائے آسانی رہے

سچ یہی ہے میں سمجھ پایا نہیں
زندگی کیا چیز ہے اور کیا نہیں!

نوفل

غور میں نے بھی کیا ہے اکثر
ہے یہ اک مسئلہ بندہ پرور

زندگی کیا ہے کوئی کیا سمجھائے
کیا نہیں ہے یہ کوئی کیا بتلائے

قیس

پھر بھی تم کوشش کرو نوفل بتاؤ ہے یہ کیا - زندگی کے باب میں حاصل ہے تم کو تجربہ

نوفل

ویسے تو علم کی حد ہے معدوم — عرض کرتا ہوں جو کچھ ہے معلوم

(زندگی)

ہو نہیں سکتا جنوں کا سدِّ باب — بجھ بھی سکتا ہے چراغِ آفتاب

آندھیوں کے ساز پر ذروں کا رقص — گردِ صحرا کا وہ ہیجانی شباب

عارضِ ساحل پہ بوسے موج کے — سینۂ دریا پہ وہ رقصِ حباب

وہ مغنّی کی نوا کا زیر و بم — وہ مسلسل لرزشِ تارِ رباب

خوش ادا ساقی کے دستِ ناز پر — بزم میں بس گردشِ جامِ شراب

وہ پتنگوں سے ہم آغوشی کے وقت — شمع کی لو کا دمادم التہاب!

ہے کبھی عریانیوں میں جلوہ گر — بزم آرائی کبھی زیرِ حجاب

زندگی ہے ہر نفس پا بر رکاب — آشنائے معجزاتِ انقلاب

جوئبار و کوہ صحرا ہیں نہاں — زندگی ہے کارواں در کارواں

زندگانی کے تراشیدہ نقوش — باعثِ آرائشِ کون و مکاں

زندگی ہے آپ ہی اپنا عیار — آپ خود لیتی ہے اپنا امتحاں

زندگی کے تن پہ راس آتے نہیں — ریشم و اطلس حریر و پرنیاں

آہنی دستار فولادی قبا — زندگی کے جسم کے شایانِ شان

ذوق و شوق و مستی و جذبِ سرور — ہیں جہازِ زندگی کے بادباں!

ظلمتوں کی راہ میں سب سنگِ میل — فکر و تخمین و ظن و وہم و گماں

زندگی تقلید سے ہے سرگراں — مثلِ آذر خالقِ تازہ بتاں

زندگانی کو ہر اک تلخی نبات — زہر بھی اس کے لئے آبِ حیات
زندگانی اک ترنگ و نازِ مدام — کشمکش اس کے لئے وجہِ ثبات
زندگی کے بال و پر کی زد میں ہے — کاف و نون کا اک جہانِ ممکنات
خاک کو اکسیر کی تاثیر دے — زندگی کی اک نگاہِ التفات
زندگی کا قلب مثلِ جامِ جم — حاملِ صد واردات و کیفیات
زندگی پیمائشِ ارض و سما — زندگی تسخیرِ وقت و جہات
سازِ ماہ و سال کے پردے تلے — آج بھی مضمر ہیں کتنے حادثات
کٹ نہیں سکتی ہے زنجیرِ حیات — رک کہاں سکتی ہے نبضِ کائنات

قیس

(آفریں)

چند لفظوں ہی میں بتلایا ہے کیا ہے زندگی — آفریں ہو خوب سمجھایا ہے کیا ہے زندگی
چند حرفوں ہی میں کتنی کام کی باتیں کہیں — اب سمجھ میں میری بھی آیا ہے کیا ہے زندگی
اسکو کہتے ہیں حقیقت اہلِ غرب اور اہلِ شرق — یہ سمجھتے ہیں فقط مایا ہے کیا ہے — زندگی
تولنے کے اسکو پیمانے تھے میرے مختلف — اک نیا میزان ہاتھ آیا ہے کیا ہے زندگی
خاک سے اوپر ہی اٹھ کر اسی پایا ہے دوام — دیکھنے میں خاک کی کایا ہے کیا ہے زندگی
جب جھلس دے موسمِ گرما کی تپتی دوپہر — اس طپش میں زلف کا سایا ہے کیا ہے زندگی
چہرۂ اسرار سے پردہ اٹھایا تم نے آج — زاویہ اک سامنے آیا ہے کیا ہے زندگی

میں سمجھتا ہوں نہیں کوئی خطر — برسرِ مطلب میں اب آ ڈوں اگر
میں یہ چاہوں گا دلاؤں تم کو یاد — دو دن تمہاری کوششوں کی تم کو داد
تم نے نوفل جنگ شاید جیت لی — کس لئے لیکن یہ خوش خبری نہ دی

جانتا ہوں میں کہ تم دل ماندہ ہو
اب کچھ کرنے کو تم آمادہ ہو

مجھ کو ہے علم ستارو یہ جواں
ہیں تمہارے - اس زمیں پر آسماں

میری خاطر اک لڑائی جو لڑی
اک عظیم الشان قربانی ہے دی

اس لڑائی میں جو لوگ آئے ہیں کام
رہتی دنیا تک رہے گا ان کا نام

کارنامہ ہے یہ جنگ بے مثال
بے مثال و باکمال و لازوال

ہاں تمہارے لفظ اب یاد آ گئے
جو کہے تھے جنگ پر جاتے ہوئے

(دور کی آواز)

سر کیجئے گرم ہو گا معرکہ
معرکہ سر کر کے آنا چاہیے

چاہے کچھ بھی ہو اِدھر ہو یا اُدھر
فیصلہ کر کے ہی آنا چاہیے

آپ کے محبوب کرے آپ سے
عہد کو پورا ہی کرنا چاہیے

بھائی نوفل ہے کہاں محبوب قیس؟
جو ازل کے دن سے ہے منسوب قیس

وہ مرا محبوب میری زندگی
روشنی میری، مری تابندگی!

جس سے روشن میری راتیں میرے دن
جس کا سولہ کا ہے یا سترہ کا سن

ہیں فقط جس کے ہی چرچے ہر طرف
اور باقی سارے چرچے برطرف

شہرۂ آفاق ہے جس کا شباب
دن کا سورج رات کا وہ ماہتاب

گل کہ ہے جس کا روانِ رنگ و بو
جو کہ ہے سارے چمن کی آبرو

وہ تو کیا سر آتش ہو جو کہ ہے
کیا بتاؤں میں کہ وہ کیا چیز ہے!

اک شرارہ، ایک شعلہ، ایک آگ
ایک نغمہ، ایک بربط، ایک راگ

ایک دعویٰ، ایک حیرت، اک ثبوت
ایک ہلچل، اک خموشی، اک سکوت

نہ ہوئی سیدِ ناصر کو ذرا سی بھی گزند
حرف اِس امر سے لیلیٰ تھی بہت ہی خرسند
جھک گئی جلد ہی اور سجدۂ شکرانہ کیا
یعنی معبودِ حقیقی کا کیا شکر ادا !!
باپ کا سایہ رہا بیٹی کے سر پر قائم
دی دعا سب نے کہ قائم رہے سایہ دائم !!
ہم تو لے آتے تھے لیلیٰ کو زبردستی سے
خواہ اُس وقت ہمیں لوگ بُرا ہی کہتے !
سچ کہیں ہم کو تشدّد ہمیں اچھا نہ لگا
اور لیلیٰ کا پدر ویسے رضامند نہ تھا
ہم کو اس بات کا بھی علم ہوا تھا اُس دن
باپ کے حکم سے اک کرب میں تھی وہ کم سِن
ہم کو افسوس ہے جو کچھ بھی کیا سیّد نے
چاہنے والوں کو ملنے نہ دیا سیّد نے
ہارنے پر بھی وہ تیور تھے کہ کیا عرض کروں
بات کرنے میں وہ نشتر تھے کہ کیا عرض کروں

سیّد ناصری (مجھے منظور نہیں)

(دور کی آواز)

جی نہیں اس میں ذرا بھی نہیں مرضی میری
قیس، لیلیٰ کا ہو شوہر مجھے منظور نہیں
قیس بدنام ہے دیوانہ ہے، صحرائی ہے
سونپ دوں ایسے کو دختر مجھے منظور نہیں
آج تک ایسا کوئی شر نہ تو دیکھا نہ سنا
ایسا شر، داورِ محشر مجھے منظور نہیں
رات تاریک، خطرناک سفر، لیلیٰ کا
ایک گمراہ ہو رہبر مجھے منظور نہیں
جنگ میں کام ہی آجاؤں مجھے ہے منظور
میرا سر میرا ہی خنجر مجھے منظور نہیں
میرا داماد بنے شاہ کا دیوانہ پسر
یہ مرا بختِ سکندر مجھے منظور نہیں
میری بیٹی کے لئے ریت کے ایوان و محل
یعنی صحرا کا یہ منظر مجھے منظور نہیں
جس کی راہوں میں سدا پھول بچھیں اس کیلئے
خار زاروں کا ہو بستر مجھے منظور نہیں
اِن دنوں ہم پہ مقدّر کا کرم کم تو نہیں
اور بھی حال ہو ابتر مجھے منظور نہیں

نام ہیں یوں تو ہزاروں ہی مگر مجنوں کا — ایک ہی نام ہو از بر مجھے منظور نہیں

سر مری بیٹی کا ہر وقت سرفراز رہا — میری بیٹی ہو نگوں سر یہ مجھے منظور نہیں

قیس

(جو ہوا سو ہوا)

شکریہ تم نے نوفل جو تکلیف کی ۔ زخم کتنے کھائے مصیبت سہی ۔ آخری آس تھی وہ بھی جاتی رہی

بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

اس عنایت کرم کا بہت شکریہ ۔ قربت دم بدم کا بہت شکریہ ۔ غم کے اس جام جم کا بہت شکریہ

بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

ہم تو گھوم آئے ہیں میکدہ میکدہ ۔ ایک جام ایک جرعہ بھی قسمت نہ تھا ۔ ہے وہی تشنگی اور وہی مسئلہ

بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

رات ہے ابر ہے شمع خاموش ہے ۔ ایک طوفان ہے چاند روپوش ہے ۔ ڈوبتے جی ہیں دل میں کوئی جوش ہے

بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

سامنے تیرہ و تار انجام ہے ۔ اک بلانوش ہے اور تہی جام ہے ۔ دور اس دل سے کتنا آرام ہے

بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

گشت دنوں کا ادھر گرم بازار تھا ۔ اس طرف ہم تھے اور لب پہ حرف دعا ۔ دل نے مانگا تھا جو وہ نہیں مل سکا

بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

دل کو دیوانہ ہے دل کو سودائی ہے ۔ ایک سراب جس کا تمنائی ہے ۔ تشنگی عشق کی دشت میں لائی ہے

بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

لیلیٰ دنیا ہے اور کیف ہے خدا ۔ کس نے کس کی سنی کون کس کا ہوا ۔ اے خدا اس بیاباں میں دم گھٹ گیا

بھول جاؤ اسے جو ہوا سو ہوا

داستان گو

اس دشت میں شہر سے بہت دور — تھا قیس سرشک ریز و رنجور
سینے میں سناں جگر میں ساطور — غمناک، الم نصیب، مجبور۔
فرخندہ گھڑی گریز پا تھی — کیسا تھا قصور کیا سزا تھی!
لیلیٰ کا خیال دل میں آتا — تب سوچ کے اشک اور بہاتا
کچھ بھی تو کسی سے کہہ نہ پاتا — کھانے کے بجائے غم وہ کھاتا!
بس عمر گزر رہی تھی یونہی — ساعت تھی ہر ایک سو برس کی
اک صبح جب آفتاب نکلا — صحرا میں بکھر گیا تھا سونا!
غمناک صدا سے قیس جاگا — دیکھا تو عجب سا ماجرا تھا!
اک دام بچھا ہوا تھا کچھ دور — تھے اس میں غزال چند محصور
تھی صبح وہ صبح گیتی افروز — وہ بھول گیا تھا رنجِ دیروز!!
منظر تھا مگر بہت ہی جاں سوز — اور اس کے ہی ساتھ درس آموز
خون اذیتِ آہواں رواں تھا — ناقابلِ گفتنی سماں تھا
جب قیس نے دور سے یہ دیکھا — دوڑائے ہوئے وہ اسپ پہنچا!
پہنچا وہ اسی جگہ اسی جا — تھا دام جہاں بچھا ہوا سا
صیاد سے اس نے کی شفاعت — اس طرز سے جس میں تھی فراست

قیس

(کیوں؟)

کیوں ان پہ ستم کرتے ہو کیا تم کو ہوا ہے؟ — یہ ظلم ہے کس طرح کا یہ کیسی سزا ہے؟
میں تم کو تو انساں نہیں کچھ اور کہوں گا — اک گرگِ ستم پیشہ سے تشبیہ میں دوں گا
للہ کرو ان کو رہا قیدِ ستم سے — مظلوم ہیں ان کے لئے تاوان لو ہم سے!

اللہ نے دی تم کو سماعت ہو تو سن لو — جو بات لگے کام کی اس بات کو چن لو
صحرا میں خموشی ہی غزالوں کا ہے گہنا — کہتے ہیں یہ آنکھوں ہی سے جو کچھ بھی ہو کہنا!

غزال

(اشارات سے [illegible] خموشی)

جس شخص نے پھندے [illegible] — اس قید کا [illegible] جس نے [illegible]
اس طرح جو بے وجہ ستم ڈھایا ہے ہم پر — پھانسا ہے ہمیں مکر سے اس جال کے اندر
اس شخص کے سینے میں نہیں دل نظر آیا — اس طرح کیا قید تو کیا اس نے ہے پایا
آزادی بہر حال بہر طور ہے پیاری — آزادی پہ لیکن یہ لگی ضرب ہے کاری
سونے کے بھی مل جائیں تو کیا پہنیں سلاسل — اس طرح کی زینت سے تو کچھ بھی نہیں حاصل

داستان گو

سنتا رہا بے دلی سے صیاد — ان ہرنوں کی اک خموش فریاد
فریاد کہ داستانِ بیداد

صیاد

کردوں نہ کردوں میں ان کو آزاد

داستان گو

پس سوچ میں غرق ہو گیا تھا — کچھ دیر وہاں وہ کھو گیا تھا
ہرنوں کو فراغ غم سے تھا کب — اور قیس یہ سوچتا تھا

قیس

یا رب

تو مجھکو سمجھا دے راستہ اب — چھٹ جائیں یہ بے گنہ ہرن سب

داستان گو

کچھ دیر خموش رہا نہ بولا۔ صیاد سے پھر ہوا وہ گویا

قیس

(شکنجے سے آزاد کر)

اے شکاری مری ہے یہی التجا — کر دے للہ ان آہوؤں کو رہا

ایک بھی ان میں ہرگز نہیں ہے بُرا — ایک سے بڑھ کر ایک ان میں ہے بے بہا
ہر سُبک رو کو میں اک حسینہ کہوں — نازک جسم ان غزالوں کا سینہ کہوں
میں شمامے کو ان کا پسینہ کہوں — اس بیاباں کو ان کا خزینہ کہوں
جو بھی کہتا ہوں اس میں مجھے شک نہیں — ان غزالوں کی آنکھیں ہیں بے حد حسیں
ان کی پلکیں بھی لاریب ہیں دلنشیں — ہے جبیں ان کی دراصل ماہِ مبیں
کس قدر خوب صورت ہے گردن کا خم — اور ہیں اُن کا سب سے پُشت و شکم
ان کی رفتار کی شوخیاں دم بدم — حیف آج ان پہ ٹوٹا ہے کوہِ ستم
نافہ حاصل ہو جس سے کہ مشک ان کی ناف — مشکِ ناب ایسی جس کی کہ جائز ہے لاف!
جس کی خوشبو کا شہرہ ہوا تا بہ قاف — کس قدر پاک ہے اور کتنی ہے صاف
آہوؤں کو شکنجے سے آزاد کر — دکھ خداوندِ قدوس کا دل میں ڈر
آج ہوتے اگر ان غزالوں کے پر — دام کو لے کے اڑ جاتے سب سربسر

صیّاد

(خاندانی منصوبہ بندی نہ کر سکنے کا المیہ)

انگشت گرفتہ در دہن — ہوں — بہتر تو یہی ہے کچھ نہ بولوں
لیکن مجھے خوف ہے، خموشی — تشہیر کرے نہ اور میری —!
اے قیس جو آپ نے کہا ہے — اس پر مرا سر جھکا ہوا ہے!
اس وجہ سے منہ کو کھولتا ہوں — سچّی ہے جو بات بولتا ہوں
میں ایک غریب آدمی ہوں — اسباب نہیں ہیں کچھ دُکھی ہوں!
روزی کا مری یہ ہیں ذریعہ — اور میری کمائی کا وسیلہ
ہے جیب مری سدا سے خالی — اس پہ مری کثرتِ العیالی —

اس درجہ ہوا ہوں فارغ البال　　سر پر نہیں ایک بال امسال
بس جن کے بہت بڑے ہیں کنبے　　غمگین ہیں وہ مری طرح سے
دس کھائیں جو ایک ہی کمائے　　پر ایک کیسے کِھلائے؟
منصوبے سے کام جو میں لیتا　　اس طرح سے خود کو دکھ نہ دیتا
کنبہ ہوتا مرا جو چھوٹا　　ہوتا نہ خسارہ اور نہ ٹوٹا

قیس　(بے جان نہیں آہو)

جاں دار ہیں سب آہو، جرارت ہو تو جھٹلا دو　　بے جان نہیں ہرگز، تم بھول گئے اسکو
جو زندہ ہیں پھر ان پر ظلم و ستم کیسا　　ظالم نہ ہوا ہوگا شاید کوئی تم جیسا
اچھا ہو بہت اچھا گر ان کو رہا کر دو　　دانائی اسی میں ہے تم ان کی دعا لے لو

صیّاد　(بازارِ بردہ فروشی)

بہتر تو یہی ہوگا اب اور نہ کچھ بولوں　　اِس منہ نے دیئے ہیں دکھ اس منہ کو نہ میں کھولوں
ہے بات ہی کچھ ایسی خاموشی مناسب ہے　　دیں کسکو حساب اپنا یاں کون محاسب ہے
کس کس کو بتائیں ہم کیوں جھوٹ سناتی ہے　　یاں کون سمجھتا ہے کیوں جاں پہ بن آتی ہے
کس سے یہ بتائیں ہم اد بار بری شے ہے　　یہ بردہ فروشی کا بازار بری شے ہے
بازار سے ٹکرلے طاقت ہے بھلا کس میں　　بک جاتا ہے اک پل میں یوسف سا حسیں بس میں

(شوز)

وہ دیکھئے آتے ہیں کچھ لوگ اسی جانب　　جن کی بیماری سے مایوس ہوا ہے طب
اک عرصہ ہوا خلقت بھوکی اور پیاسی ہے　　مجروح ہے ان کا تن بس آس ذرا سی ہے

تخلیقت (کاخِ اُمرا کے در و دیوار بنا دینے والی مخلوق)

ظلمتیں کتنی سدا ہم سے ہم آغوش رہیں
مہر و مہتاب رہے ہم سے گریزاں کتنے

مضحکہ اپنا اڑاتے رہے کتنے غنچے
اور زخموں پہ رہے پھول بھی خنداں کتنے

آندھیوں اور بگولوں نے صدا دی ہمکو
مہرباں ہم پہ رہے خارِ مغیلاں کتنے

گرم خوں ہم نے دیا فصل کی شادابی کو
کھیت اس پر بھی رہے تشنہ و ویراں کتنے

صیّاد (راضی برضا)

گو آپ کی غلامی سے آزاد ہوں سب آہو
اور گھل کے فضاؤں میں لیں سانس ہر پہلو

[illegible] کی قیمت ہمیں مل جائے
تا جور دستم ہم پر آ کاش نہ پھر ڈھائے

[illegible] تن ڈھانک سکیں اپنا
فطرت میں قناعت ہے حد درجہ ہے استغنا

تسلیم میں سر ہے خم راضی برضا ہم ہیں
مٹی ہے سرشت اپنی خاکی بخدا ہم ہیں

کیا [illegible] ہم بس اتنا ہی کافی ہے
گستاخی اگر کی ہو تو پیشگی معافی ہے!

قیس (نجات دہندۂ غزالانِ دشت)

نہ یہ بازار [illegible]
اک دریدہ قبا ہے میرا لباس

اور تو کچھ نہیں ہے میرے پاس
اک یہ توسن اک اسکی زین اور راس

رخشِ اسود یہ [illegible] ہے
جو کئی معرکوں کا غازی ہے

جب یہ رہوار [illegible] ہوتا ہے
رنگِ رخ اور بھی نکھرتا ہے

یہ ہواؤں سے بات کرتا ہے
اس سے ہر شہسوار ڈرتا ہے

برق رفتار ہے یہ تیز خرام
چلتی تلوار ہے یہ تیز خرام

اسکے سم اسکی پشت اس کی ایال
اسکی دم، اس کا ماتھا، اسکے بال

اس کے تیور اور اس کا جاہ و جلال
اس کا انداز اس کی ڈلکی چال!

اور کس اسپ کو میسّر ـــــ ہیں
یہ تو اس اسپ ہی کے جوہر ہیں!

دیکھو توسن یہ اب تمہارا ہے
گو مجھے حد سے بڑھ کے پیارا ہے

میں ندی ہوں یہ اک کنارا ہے
ڈوبتی اس کا سہارا ہے!

زین اس اسپ کی اور اس کی راس
صرف ان کو رکھونگا اپنے پاس

اب نہ کچھ اور آم مجھ سے کہو
صرف اتنی سی میری بات سنو

ہے یہ مشکل گراں بہا لے لو
اور سارے ہرن مجھے دے دو

تم کو سودا رہے گا پس سستا
اس سے بڑھ کر کہوں میں تم سے کیا

صیّاد

(تشکّر)

شکریہ اے تاجدارِ دشت تیرا شکریہ!

اِس عنایت اس کرم اور اس عطا کا شکریہ۔ اس نوازش اور اس جود و سخا کا شکریہ۔ شکریہ صد بار لطفِ برملا کا شکریہ

شکریہ اے تاجدارِ دشت تیرا شکریہ!

خوش بہت خوش ہونگے یہ سُنکر مرے اہل و عیال۔ ایک ہی لمحے میں ہم کو کر دیا ہے مالا مال۔ دام سے آزاد کر دیتا ہوں میں سارے غزال

شکریہ اے تاجدارِ دشت تیرا شکریہ!

بات یہ ہے بندۂ ناچیز اس لائق نہ تھا۔ تو نے سکھلایا ہمیں انسانیت کا مدّعا۔ یاد رکھے گا مرے گھر کا ہر اک چھوٹا بڑا

شکریہ اے تاجدارِ دشت تیرا شکریہ!

داستان گو

مرکب سے اتر کے نیچے آیا
جب قیس تو اسپ ہنہنایا

اس بات نے اس کا دل دُکھایا
صیّاد غزال سارے لایا!

کرکے انھیں قیس کے حوالے
چلتا بنا اسپ کو سنبھالے
پس قیس نے دام کو کیا چاک
تھے سارے ہرن بہت ہی غمناک
دل میں تھا ہراس سر پہ تھی خاک
آزاد ہوئے تو سب تھے بے باک
تھا ان کی نگاہ میں تشکّر
تھی ایک ہی لے اور ایک ہی سُر

غزال

(شکریہ)

اے شہِ عاشقاں آپ کا شکریہ

ایک صیّاد کے ہم تھے حلقہ بگوش
تھا ہمارے لئے کوئی فردا نہ دوش
اور باقی نہ تھا تن بدن تک کا ہوش
سرد تھی آگ اور سرد جوش و خروش
اب کبھی شمع کی طرح ہم تھے خموش
اے شہِ عاشقاں آپ کا شکریہ

محسن و مہرباں آپ کا شکریہ!

کوئی شئے بھی غلامی میں بھاتی نہیں
کوئی تدبیر تک کام آتی نہیں
آس بھی کوئی رستہ سجھاتی نہیں
ناامیدی کی دیوار ڈھاتی نہیں
حرّیت رنگ اپنا جماتی نہیں
اے شہِ عاشقاں آپ کا شکریہ

محسن و مہرباں آپ کا شکریہ!

ہو اسیری تو دن رات کچھ بھی نہیں
اور اسیروں کے جذبات کچھ بھی نہیں
ہو وہ شہ یا کہ ہو مات کچھ بھی نہیں
زندگی ہو کہ سکرات کچھ بھی نہیں
قیدیوں کی مدارات کچھ بھی نہیں
اے شہِ عاشقاں آپ کا شکریہ!

محسن و مہرباں آپ کا شکریہ!

قید میں ہوں تو گھٹتا ہے ذوقِ عمل ‏ قید دراصل ہے اک پیامِ اجل
قید کی داستاں ایک طولِ امل ‏ ایک دیروز ہے آج ہے اور نہ کل
مرگِ احساس ہے جس کا ہر ایک پل ‏ اے شہِ عاشقاں آپ کا شکریہ

محسن و مہرباں آپ کا شکریہ!

ایک ناچیز و بیکار شے ہے غلام ‏ کوئی حرکت ہے جس میں نہ کوئی قیام
جس کا کوئی لقب ہے نہ ہے کوئی نام ‏ جس پہ ہیں روز و شب زندگی کے حرام
موت کی آرزو ہے فقط جس کا کام ‏ اے شہِ عاشقاں آپ کا شکریہ!

محسن و مہرباں آپ کا شکریہ!

آپ کی وجہ سے ہم ہوئے ہیں رہا ‏ ہر گرفتار کو آپ کا آسرا
مل گئی ہے ہمیں پھر کھلی سی فضا ‏ آپ کے پاس ہے ایک ایسی دوا
جس سے ہو جاتی ہے ہر مرض کو شفا ‏ اے شہِ عاشقاں آپ کا شکریہ

محسن و مہرباں آپ کا شکریہ!

ہم گرفتارِ صیاد آزاد ہیں ‏ سب غزالانِ دشت آج دلشاد ہیں
اس بیاباں میں ہم پھر سے آباد ہیں ‏ دام باقی ہیں اب اور نہ صیاد ہیں
اب نہ نمرود ہیں اور نہ شداد ہیں ‏ اے شہِ عاشقاں آپ کا شکریہ

محسن و مہرباں آپ کا شکریہ!

قیس ‏ (بھول جاؤ بھلا دو)

ہے تمہاری بڑائی ہی اے دوستو ‏ مجھکو جو دل سے بھائی ہے اے دوستو
تھا یہ اک فرض جو میں نے پورا کیا ‏ بڑھ کے اس سے بتاؤ بھلا کیا کیا

تم بھی جاندار ہو میں بھی جاندار ہوں
میں سدا ہی اعانت کو تیار ہوں

میں کسی کا بھی غم دیکھ سکتا نہیں
ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھ سکتا نہیں

[illegible] کچھ نہیں امکان میں ہے
ہو نہ سچ تا سدا، ایک ساعت میں ط

ہے کہ فرزندِ آدم ہوں انسان ہوں
دوسرے کے لئے پریشان ہوں!

رنج مجھ سے زیادہ دیا تھا تمہیں
قید اک بھائی نے ہی کیا تھا تمہیں

چاہتا ہوں نئے دن کا آغاز ہو
تم بھی پرمسرت کا دریا نہ ہو

بھول جاؤ بھلا دو ہوا سو ہوا
دل سے مت بد دعا دو ہوا سو ہوا

غزالانِ دشت

(یومِ آزادی کے موقع پر غزالانِ دشت کا نغمہ)

(کورس) آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد

اے حریم نجد ہے تجھ سے ہمیں عزّ و جاہ
تیرے بیابان کے ذرّے بھی ہیں مہر و ماہ

پھر سے میسّر ہوا تیرا یہ آب و گیاہ
پھر سے ہوا استوار پیار ترا، تیری چاہ

پھر سے مقدّر ہوئی تیرے کرم کی نگاہ
ہم ہیں غزالانِ دشت تیری محافظ سپاہ

آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد

عشق ترا اے وطن ہوگا پھر اپنا شعار
دیکھ کمربستہ ہیں پھر سے ترے جاں سپار

جب بھی ضرورت ہوئی جان کریں گے نثار
تیرے شہیدوں سے ہے تیری زمیں لالہ زار

دل میں رہیگی سدا تیری لگن تیرا پیار
عہد یہ کرتے ہیں پھر آج سے ہم استوار

آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد

تیرا یہ جاہ و جلال اور یہ ترا طنطنہ
تیرا یہ حسن و جمال اور یہ ترا دبدبہ!

تیرا یہ اوجِ کمال اور یہ تیرا مرتبہ
آنچ اگر تجھ پہ آئے یا ہو کوئی مرحلہ

ہم ہیں ترے میسرہ ہم ہیں ترے میمنہ
سب کے لبوں پہ رواں ایک ہی زمزمہ

آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد!

شام ہو یا صبح ہو اور وہ دن ہو کہ رات
ساتھ میں اللہ ہے ہاتھ میں بس اسکا ہات!
ہاتھ میں ہے اسکا ہات یعنی ہے اس رب کا ساتھ
دے نہ سکیگا ہمیں کوئی عدو آج مات!
ذکر فقط اس کا ذکر، بات فقط اسکی بات
دل سے ہمیں ہیں عزیز اسکی صفات اور ذات!

آج سے آزاد ہیں سارے غزالانِ نجد!

قیس (دل بُرد از من دیروز شامے)

نجد کی سرزمیں ہو یا تاتار
ہے تمھی سے تو گرمئ بازار
پاک ہے قلب پاک ہے نیّت
یہ تمہاری نفیس شخصیّت!
دیکھ کر تم کو آ رہی ہے یاد
دل پہ لیلیٰ کی چھا رہی ہے یاد
کس قدر دل فریب آنکھیں ہیں
کس قدر دیدہ زیب آنکھیں ہیں
دیکھ کر تم کو آ رہی ہے یاد
دل پہ لیلیٰ کی چھا رہی ہے یاد!
مجھ کو لیلیٰ کی یاد آتی ہے
دل میں طوفان سا اٹھاتی ہے
دشت میں یہ جو کڑی جو بھرتے ہو
میرے دل کو نہال کرتے ہو
دیکھتا ہوں جو شوخئ رفتار
جیسے شعلے سے ٹوٹتا ہو شرار
یاد آتی ہے دم بدم مجھکو
میری لیلیٰ دعا ہے شاد رہو!
یہ حسیں خم تمہاری گردن کا
ساغرِ جم تمہاری گردن کا!
ہے یہ گردن کہ اک صراحی ہے
اے مرے رب تری دُہائی ہے
یاد آتی ہے گردنِ لیلیٰ
دل دُکھاتی ہے گردنِ لیلیٰ!
کیا کہیں کیا ہے تابِ پیشانی
ایک دنیا بنی ہے دیوانی
یہ تمہاری حسین جبیں کا چاند
چاند کی آب جس کے آگے ماند

مجھکو آتی ہے اس حسیں کی یاد — یعنی لیلائے مہ جبیں کی یاد
اور چہرا ہے رشکِ سیم ناب — دل کہ ہے اک کھلی ہوئی سی کتاب
لعلِ زیبا تمہارا سینہ ہے — ہے یہ سینہ کہ آبگینہ ہے
دیکھ کر اسکو مجھکو یاد آئی — اُس دل آرام یعنی لیلیٰ کی!
تم کو رب نے دیئے ہیں پائے لطیف — یاں نہ رکھو کہ ہے جگہ یہ کثیف
کہیں میلے نہ یاں پہ ہو جائیں — یا کچیلے نہ یاں پہ ہو جائیں
یادِ لیلیٰ نے لی ہے انگڑائی — پاؤں کو دیکھ آنکھ بھر آئی!

ایک غزال (تخاطب بہ قیس)

کفرست در شریعتِ تو کینہ داشتن — آئینِ تست سینہ چو آئینہ داشتن

عشاق بہت دیکھے ہیں ایسے نہیں دیکھے — سچ کہتے ہیں ہم آپ کے جیسے نہیں دیکھے!
ہیں آپ ہی اقلیم محبت کے شہنشاہ — اک آپ کی رہ راست ہے باقی تو ہیں گمراہ
اس بارگہِ عشق پہ سر اپنا جھکا ہے — رو کے سے کہیں عشق کا طوفان رکا ہے!
عشاق یہاں آئے تھے کل، آئینگے کل بھی — کچھ ایسے کہ تھا جن کے دماغوں میں خلل بھی
عاشق کہ جو صادق ہوں یہاں آئیں ہیں کم کم — بے سُری نے بے تال یہاں چھیڑی ہے سرگم
اس میں نہیں شک آپ کی ہے بات ہی کچھ اور — ہے آپ کی بات اور حکایات ہی کچھ اور
آئیگا بہت جلد وہ آئے گا زمانہ — جب آپ کا ہر شہر میں گونجے گا فسانہ
عشاق کی فہرست جو ہوگی کبھی تیار — ہوگا سرِ فہرست ہی نام آپ کا سرکار
اللہ رکھے آپ کو صحرا میں سلامت — قائم رہے دائم رہے یاں آپ کی عزت!

دوسرا غزال (دعا گو ہیں ہم)

مخلص جو نہیں ہیں عاشق ان کی — کھل جاتی ہے دو ہی دن میں قلعی

جھوٹوں سے خدا بچائے رکھے — سچوں کو خدا بنائے رکھے
ممنون نہیں ہیں ایک یا دو — ہم سارے غزال ہیں دعا گو
اللہ حضور کو دے ہمت — قائم رہے دشت پر حکومت
اللہ مراد کو دلا دے — محبوب سے آپ کو ملا دے!

داستان گو

تھا قیس کے لب پہ نام جاناں — محبوب کے ہجر میں تھا گریاں
"رفت از پس آہوان شتاباں — فریاد کناں دراں بیاباں"
خاروں سے لہولہان تھا قیس — اس دشت کی آن بان تھا قیس
سورج آتش اگل رہا تھا — ہر ذرۂ دشت جل رہا تھا
تن سے جو لہو نکل رہا تھا — چہرے پہ اسے وہ مل رہا تھا
رخ اس کے فروغ سے تھا گلزار — "دل خستہ شد از گزندِ آں خار"
تھا قیس دریدہ حال و مضطر — آشفتہ و دل فگار و ششدر
غم قلب میں جسم و جاں میں اخگر — خاروں کا نصیب میں تھا بستر
چادر کی جگہ تھی گردِ صحرا — تکیہ جو تھا ریت کا تھا ٹیلا
سورج کی شعاع نے بتایا

شعاع

مجھ پر بھی سیاہ وقت آیا — میری بھی پلٹ گئی ہے کایا
مجھ کو بھی ملے کہیں تو سایا
فولاد، حدید، کانسہ اور کانچ — ہر شے کو جھلس رہی ہے اک آنچ

داستان گو

دن بھر تھا وہی طپش کا عالم — رہ رہ کے ستاتا تھا اک غم!

تھی آنکھ لہو سے اس کی پُرنم
امید تھی وصل کی پہ کم کم
تابش سے بُرا تھا حالِ صحرا
گو شام ہوئی پہ دل نہ ٹھہرا
یوں خود سے کیا نباہ اس نے
اک غار میں لی پناہ اس نے
لی شب کی ردا سیاہ اس نے
در پہ ہی رکھی نگاہ اس نے
تھا رات تمام قیس بیکل۔
آنکھوں میں امڈ رہا تھا جل تھل!

د جب زاغِ شب نے بیضہ ہائے انجم آشیانۂ مغرب میں چھپائے
اور صیادانِ سحر خیز دام بر دوش آئے
تب وہ سیمرغِ زرّیں جناح مطلا بال

غیرتِ لعل

تفسِ مشرق سے جلوہ افروز ہوا
یعنی شب گذری روز ہوا"

(رجب علی بیگ سرور)

لیتا رہا کروٹوں پہ کروٹ
دل میں تھا غموں کا ایک جمگھٹ
لیلیٰ ہی کے نام کی تھی بس رٹ
جیسے ہی سنی سحر کی آہٹ۔
آنکھوں کو ہتھیلیوں سے مَل کر
اُس غار سے قیس آیا باہر
جیسے ہی ردائے شب ہوئی چاک
ظلمت سے ذرا فضا ہوئی پاک
"آمد سحر از برونِ افلاک"
پہنے ہوئے اک سنہری پوشاک
کچھ ایسا سحر کا کرّ و فر تھا
اک تاجِ طلائی زیبِ سر تھا
پھیلی ہوئی نور کی تھی چادر
بکھرے ہوئے اوس کے تھے گوہر
ہر ذرّۂ دشت تھا منوّر
تھا سامنے زر نگار منظر!

اک حسن تھا دشت و در پہ چھایا
پرتو جو افق سے تا افق تھا

پھونکا جو سحر نے اپنا افسوں
ہر ذرّے کا حال تھا دگرگوں

جب شب پہ کیا سحر نے شب خوں
لرزاں تھا زمیں پہ بیدِ مجنوں

تھا ایک طلسم سا سحر کا
ظلمت کا نشان مٹ گیا تھا

اک سمت کو قیس ہوا روانہ
لب پر لئے ایک ہی ترانہ

قصّہ وہی اور وہی فسانہ
لیلیٰ ہی کا جس کا تھا دِوانہ

ناگاہ وہ اک جگہ پہ پہونچا
اک دام جہاں بچھا ہوا تھا

تھی دام میں قید ایک گوزن
گوزن تھی کہ جیسے کوئی جوگن

معصوم، خموش، پاک دامن
تھی ایک رسن میں اس کی گردن

صیّاد کے نیک تھے ارادے
اسکو کرے ذبح اور کھائے

جب قیس نے ماجرا یہ دیکھا
اک غم کا پہاڑ اس پہ ٹوٹا

تاخیر نہ کی وہاں وہ پہونچا
صیّاد کا دام جس جگہ تھا

فوراً ہوا اسطرح وہ گویا
صیّاد سے تھا جو پاس بیٹھا!!

قیس

(مرگ بر استبداد و پابجولانی
زندہ باد استقلال و آزادی)

ایسا ظلم اور ایسی شقاوت دیکھی ہم نے اور نہ سنی
ایسا ستم اور ایسی عداوت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی

کیوں ڈھاتے ہو کوہِ ستم تم اک پاکیزہ ہستی پر
ایسے مجبوروں کی حسرت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی

تم سے اک عیّار کے ہاتھوں قتل اور اک معصوم کا قتل
چوپائے کی ایسی شہادت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی!

نام مٹانے کو ہو تم اک بھولی بھالی ہستی کا
ایسی ذلیل گری ہوئی حرکت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی!

ہم سے تم اتنا ہی بتاؤ ظلم کی حد بھی ہے کہ نہیں
حشر سے پہلے ایسی قیامت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی

جتنے ہیں جاندار جہاں میں اُن سب میں ہے یہ معصوم
معصوموں پر ایسی صعوبت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی

چوپایوں کی مجلس شوریٰ کا ہے فیصلہ متفقہ
انسانوں کی ایسی رذالت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی

اک انساں ہوں میں بھی اگرچہ میری بھی ہے رائے یہی
ایسی رذالت ایسی ذلالت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی

اُس گوزن کا جفت ہے ایسا جو ہے اسکا سودائی
ہجر میں اسکی ہے جو درگت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی

اسکو اے صیاد رہا کر اور دعائیں لے اسکی
دام میں اسکی ہے جو حالت دیکھی ہم نے اور نہ سُنی!

صیاد
(التجا)

میں نے کیا ہے قید اسے میں ہی کروں اسے رہا
آپ کی بات کا جناب سمجھا نہیں میں مدّعا

کتنی ہی کاوشوں کے بعد میں نے کیا اسے اسیر
مانگتے مجھ سے کیا ہیں آپ مجھ سے یہ چاہتے ہیں کیا

آپ نے جو بھی ہے کہا مان لوں میں اسے اگر
اتنا بتلائیے حضور مجھ کو ملیگا کیا صلہ؟!

آپ کے حکم پر اگر اسکو میں کر بھی دوں رہا
آپ کو قیسِ عامری اس سے ملیگا کیا بھلا؟

ہوگی یہ جس گھڑی رہا جائیگی اپنے گھر ضرور
اس کے بنا کرونگا کیا جب کہ یہ ہے مری غذا

ہے یہ مری خورش نہیں اس میں مجھے ذرا بھی شک
کھاؤنگا اسکو میں ضرور قید جو اسکو ہے کیا

ایک نہیں ہوں میں یہاں مجھ پر ہیں ذمہ داریاں
میرا بڑا ہے خاندان اور عزیز و اقربا!

پھر سے وہی کہونگا بات مجھ پر ہیں ذمہ داریاں
بچے ہیں کل ملا کے دس میں اک اور میری اہلیہ

آپ کرینگے سرزنش کیوں نہیں کنبہ بندی کی
عرض کرونگا میں یہی ہوگئی مجھ سے بس خطا

کہنا تھا جو بھی کہہ چکا اس سے زیادہ کیا کہوں
آپ سے میری ہے جناب چھوٹی سی بس یہ التجا

آپ بھی جانتے ہیں جو رسم ہے اس جہان کی
ہے جو یہاں کا سلسلہ ہے جو یہاں کا قاعدا

جب سے کہ کائنات ہے تب سے یہ رسم ہے یہاں ۔۔۔ جو بھی کرے کسی کو قتل دیتا ہے اسکا خوں بہا

بات جو میں نے عرض کی یعنی مثال جو بھی دی ۔۔۔ اس سے ہے کچھ الگ مگر زیرِ نظر معا ملا

اسکو نہیں کروں گا ذبح اور نہ اسکو کھاؤنگا ۔۔۔ اس کے عوض کریں اگر مجھ کو معاوضہ عطا

گوزن

(ہر حال میں خم گردنِ مخلوق)

گذر رہی ہے جو دل پر کہیں تو کس سے کہیں ۔۔۔ بنی ہے آنکھ سمندر کہیں تو کس سے کہیں!

نہ صبح چین میسّر نہ شام ہے آرام ۔۔۔ بہت ہی حال ہے ابتر کہیں تو کس سے کہیں

یہ دام تنگ، یہ بندش، یہ روک ٹوک، یہ قہر ۔۔۔ ادائے جورِ ستم گر کہیں تو کس سے کہیں

یہ شعلہ زار، یہ آتش، یہ آنچ، یہ حرارت ۔۔۔ ستم طرازیٔ صرصر کہیں تو کس سے کہیں!

کھنچے کھنچے سے یہ ابرو، شکن شکن یہ جبیں ۔۔۔ یہ اسکے ظلم کے تیور کہیں تو کس سے کہیں

یہ اس کی آنکھ کہ جس میں ہے خون اُترا ہوا ۔۔۔ یہ اسکے ہاتھ میں خنجر کہیں تو کس سے کہیں!

یہ آدمی ہے کہاں یہ تو اک قصائی ہے ۔۔۔ یہ فتنہ گر ہے پر از شر کہیں تو کس سے کہیں

یہ دشت جس میں پنپتے ہیں مکر اور تزویر ۔۔۔ یہ دام اور یہ احقر کہیں تو کس سے کہیں

صیّاد

(افکارِ معیشت کا شکار)

میں ہوں اس پر بہت ہی شرمندہ ۔۔۔ تم سمجھتی ہو گر مجھے جلّاد

عفو کا خواستگار ہوں لے گائے ۔۔۔ چاہتا ہوں تمہیں کروں آزاد

تاکہ تم جاؤ اپنے کنبے میں ۔۔۔ جس سے ہو جائے دل تمہارا شاد

جانتا ہوں، تمہارے گھر والے ۔۔۔ ہو گئے میری وجہ سے ناشاد

دل بھر آیا ہے میرا بھی سن کر ۔۔۔ یہ تمہاری الم سے پُر فریاد!

اپنے کنبے کو پالنے کے لئے ۔۔۔ بن گیا ہوں میں پیشہ ور صیّاد

مجھ سے ہر جاندار نالاں ہے — کیونکہ کرتا ہوں اس پہ میں بیداد

میری ہستی ہی کیا ہے میں کیا ہوں — خس کا اک گھر بہ رہگذارِ باد

کوئی کرتا نہیں مری تعریف — مجھ کو ملتی نہیں کہیں پر داد!

ہے مرا آسرا اسی رب پر — جسکو کہتے ہیں لوگ سب جوّاد

میں نہ ظالم ہوں اور نہ ہوں جابر — میں نہ قصّاب ہوں نہ ہوں جلّاد!

نجد کا ایک عام انسان ہوں — میں نہ نمرود ہوں نہ ہوں شدّاد

فکر دن رات ہے معیشت کی — اپنے ہی شہر میں ہوں میں برباد

میں ہوں ممنون قیسِ عامر کا — جو کہ اس دور کے ہیں اک فرہاد

اور لیلیٰ کو میں کہوں شیریں — قیس کرتے ہیں جن کی ہر دم یاد

شکریہ شکریہ انھوں نے آج — مجھکو انسانیت دلائی یاد

ہے دعا اب یہ میرے ہونٹوں پر — تم سدا خوش رہو سدا آباد

قیس (گوزنِ زیرِ دام)

ہے جو یہ قید و بند میں یعنی جو زیرِ دام ہے — اور جو بھوک و پیاس سے آج ہوئی ہے جاں بلب

اسکی فلاح کے لئے اسکے سکون کے لئے — تم نے کیا ہے صاف صاف آج معاوضہ طلب

سوچ رہا ہوں کس طرح تم کو میں دوں معاوضہ — ہے یہ مقدّمہ عجیب ہے یہ معاملہ عجب

ہے یہ غریب بے گنہ جسکو کیا ہے یوں اسیر — تم ہو کوئی یزیدِ شام یا کہ ہو کوئی بولہب

خوش ہو کیا جو اسکو قید، تم ہو بڑے ہی روسیاہ — آج ہے غیر ذاتی جشن و سرور اور طرب!

اسکو یہ علم ہے کہاں ہوتے ہیں ماہ و سال بھی — اسکو بھلا پتہ ہے کیا ہے یہ ربیع یا رجب

ایک چرند ہے کہ جو دہر سے بے نیاز ہے — اس کیلئے ہے ایک سب، ہو وہ عجم کہ ہو عرب

دد بہری ہری اسے جان سے بھی عزیز ہے
اسکی نظر میں خاک ہے سیب ہو یا کہ ہو عنب

اسکو پسند دل سے ہے امن و سکون و آشتی
اسکو پسند ہی نہیں قہر ہو یا کہ ہو غضب

قطع اسے کریں گے ہم، اس پہ اٹھے جو کوئی ہاتھ
اس پر کبھی بھی اٹھ نہ پائے کوئی نگاہِ بے ادب

ایک نہ ایک دن تمہیں دینا پڑیگا سب حساب
تم نے ستم جو ڈھائے ہیں دشت میں اس پہ بے سبب

صیاد (مفلس و بے دِرَم)

نہ مفلسی ہو تو انسان بدل نہیں سکتا
وہ روز اک نئے سانچے میں ڈھل نہیں سکتا

نہ مفلسی ہو تو انسان کا نہ ہو نیلام
ہر ایک جام میں خنداں رہے مئے گلفام

حسین کتنی ہو دنیا اگر نہ ہو غربت
حسین کتنی ہو گیتی اگر نہ ہو نکبت

حسین کتنی ہو دنیا اگر نہ ہو افلاس
حسین کتنی ہو ہر شئے نہ ہو جو کوئی اداس

فلک پہ چاند ستاروں کا نور بڑھ جائے
زمیں پہ سرو قدوں کا غرور بڑھ جائے

نہ غم ہو اور نہ کسی آنکھ سے لہو ٹپکے
نہ کوئی بھوکا ہو جگ میں نہ کوئی پیاسا رہے

نہ مفلسی ہو تو انسان خود پہ ظلم نہ ڈھائے
کسی کے در پہ جبینِ نیاز کو نہ جھکائے

غریب ہوں مجھے اولاد بھی زیادہ ہے
میں ایک دس کا مگر میرا خانوادہ ہے

انھیں غذا نہ کروں گر بہم تو کیا میں کروں
انھیں کروں نہ میسّر دِرَم تو کیا میں کروں

کہ بیوی بچوں کا تن ڈھانکنا ہے فرض مرا
کہ خاک ان کے لئے چھاننا ہے فرض مرا

تجھے ہیں ان کی ہی خاطر تو عیش اور آرام
انھیں کی وجہ سے سر لے لیا ہے ہر الزام

تبھی تو آپ سے چھوٹی سی اک گذارش کی
معاوضے کا یہ معروضہ اور خواہش کی

عطا ہو جو بھی کرونگا اسے خوشی سے قبول
حضورِ والا یہ تجویز ہے مری معقول!

قیس

(زین اور راس)

زین ہے میرے اسپ کی اور ہے اک اُسی کی راس — میری یہی ہے جائداد اب تو یہی ہے میرے پاس
گو زنِ خستہ کے عوض، اتنا ہی دے سکونگا اب — دے بھی سکونگا تم کو میں اس سے زیادہ؟ جانے کب؟

صیاد

(ہرچہ از دوست ....)

شکریہ آپ کی سخاوت کا — شکریہ آپ کی عنایت کا
خواب میں بھی کبھی نہ سوچا تھا — اور نہ ایسا خیال آیا تھا
اسپِ شاہی کی راس اور یہ زین — جو کہ مشہور ہے عرب تا چین!
ہونگی اک دن یہ میری مِلکیت — جس سے ہوگی مجھے طمانیت!
شکریہ آپ کے تلطّف کا — شاد ہو جائے گا مرا کُنبہ!
خوش بہت لیکے راس ہوں سرکار — میں سراپا سپاس ہوں سرکار
آپ نے سن کے پس مرا احوال — کر دیا ایک پل میں مالامال
زین مجھکو پسند دل سے ہے — اس میں کیا شک گرانبہا ہے یہ شے!
ہوگی آسان اب مری مشکل — مجھکو مِل جائیگی مری منزل!
بھوک، فاقے سے اب ملے گی نجات — دور ہو جائے گی یہ غم کی رات
پیاس سے اب نہ آنکھ نم ہوگی — کلفتِ دہر یہ کچھ تو کم ہوگی
اب نہ افلاس ظلم ڈھائے گا — غم کا خورشید ڈوب جائے گا
شادمانی بنی ہے میری دوست — "ہرچہ از دوست می رسد نیکوست"!

داستان گو

اٹھا اپنی جگہ سے صیاد — شاداں، مسرور اور دلشاد
اب تھی نہ لبوں پہ کوئی فریاد — ناکردہ گنہ کو کر کے آزاد

سامان اٹھائے اپنا سارا صحرا سے وہ شہر کو سدھارا
باقی نہ تھی آگ اور نہ شعلے ہنگامے تھے اور تھے قہقہے
ہونٹوں پہ تھے قیس کے ترانے اک بوجھ اتر گیا تھا دل سے
اس وجہ سے کہ اک غریب کی جان تھی اس نے بچائی دے کے تاوان
صیاد ادھر ہوا روانہ خوش دل میں کہ لگ گیا نشانہ
گوزن کے لبوں پہ تھا ترانہ وہ خوش تھی تو خوش تھا اک زمانہ
گوزن کے قریب قیس پہونچا اس طرح ہوا تب اس سے گویا

قیس (گوزن و لیلیٰ)

تو اگر بے صدا بھی ہے تو کیا ہوا شکر معبود کا کر تو گوزن ادا
کیونکہ اللہ نے جاں تری بخش دی آج تجھ کو نئی زندگی مل گئی
تو بھی مجبور ہے میں بھی مجبور ہوں تو بھی مجبور ہے میں بھی مجبور ہوں
اس جہاں میں سبھی کو یہ معلوم ہے تو ہے اک بے زباں ایک معصوم ہے
ہے لبوں پہ مرے اب یہی اک دعا ہے خدا سے مری اب یہی التجا
تیرے نزدیک غم کوئی آنے نہ پائے لاکھ طوفاں اٹھیں آنچ تجھ پر نہ آئے
ہر ادا تیری سب کو ہے دل سے پسند چال تیری ملائم ہے اور مند مند
ہر نگہ تیری مجھکو دلاتی ہے یاد دیکھ کر تیری آنکھوں کو آتی ہے یاد
اس طرحدار کی ہے جو جانِ حیا انکھڑیاں جس کی ہیں رازدانِ حیا
نام لیلیٰ ہے جس کا جو ہے شہریار دلربائوں، حسیناؤں کی تاجدار
وقت آنے پہ تو تیز و طرار ہے ہے سبک سیر اور برق رفتار ہے

تو ہے سنجیدہ و بُرد بار و خموش
فرق تجھ کو نہیں ہو وہ فرداکہ دوش

ہے تری طرح ہی میری لیلیٰ خموش
ناپسند اسکو دل سے ہے شور اور خروش

تجھ میں پاکیزگی اور تقدیس ہے
نجد کے آسماں کی تو برجیس ہے

تو بہت خوبصورت ہے بے حد حسیں
ہے یہ وہ سچ مجھے جس میں کچھ شک نہیں

میری لیلیٰ بھی ہے باحیا نازنیں
چاند کی طرح سے دلربا، دلنشیں

ہے وہ دراصل مہتاب سے بھی حسیں
چاند پر داغ ہے اسکے رخ پر نہیں

ہے خداوندِ قدوس سے اب دعا
روز و شب تجھ کو آسائشیں ہوں عطا

داستان گو

تھا حرفِ دعا لبوں پہ اس کے
چلنے کو تھا قیس اب وہاں سے

صحرا میں چمک اٹھے تھے ذرّے
سورج تھا اگلنے ہی کو شعلے

لیلیٰ کی جو آس تھی وہ کم تھی
گوزن کی بھی چشم ادھر کو نم تھی

گوزن

(دُعا)

ہم کو خلش کر کے عطا یوں نہ جائیے
پھر سے نہ ملنے کی قسم یوں نہ کھائیے

ہم پہ جو بیتی اسے دل سے بھلائیے
ایسے خدارا نہ اپنا دل دکھائیے

اے گل سرسبد ہوں ممنون آپ کی
آج کے دن مجھ کو ملی زندگی نئی

آپ کا احسان ہے اے قیسِ عامری
جس کو، یہ سچ ہے، نہ بھلا پائیں گے کبھی

ہے یہ دعا آپ رہیں خرّم و دلشاد
مالکِ ہر دوسرا پوری کرے مراد

آپ جہاں بھی ہوں کسی کو نہ ہو عناد
آپ کو اللہ رکھے ہر طرح سے آباد

داستان گو

گوزن کی دعا کو ساتھ لیکر۔ پس سوچتا چل پڑا وہ ابتر

دے ہی دیا اوکھلی میں جب سر — پھر دل میں ہو موسلوں کا کیا ڈر
طوفاں میں لگا دیا جو ڈیرا — کیوں فکر کہ غرق ہوگا بیڑا
اِس دشت میں زہرِ غم ہے پینا — مرنا ہے یہیں، یہیں پہ جینا
پس ہے یہی عشق کا قرینا — ہو غرق کہ پار ہو سفینا
کیا غم جو کہے کوئی دِوانہ — ہے دشت ہی اپنا اب ٹھکانہ
اس وقت تھی نیم روز ساعت — تھی اپنے عروج پر تمازت
بڑھتی چلی جارہی تھی حِدّت — اور لُو سے بھی دشت میں تھی وحشت
کچھ دور پہ دیکھا اس نے اک پیڑ — پس خود کو لگائی اس نے اک ایڑ
اطراف میں اس شجر کے یکسر — پانی سے بنا تھا حوضِ عنبر
ہر قطرۂ آب مثلِ گوہر — 'پاکیزہ و خوش چو آبِ کوثر'
سایہ بھی تھا آب بھی تھا موجود — تھا قیس کے لب پہ شکرِ معبود!
تا وقتِ غروب کرکے آرام — چلنے کے لئے جب اٹھا گلفام
دیکھا کہ ایک زاغِ بے نام — بیٹھا سرِ سرو تھا سرِ شام
دونوں کی نظر اٹھی جو اک سات — ملتے ہی نظر اٹھے حجابات!

زاغ (سیاہی زادہ، شب پروردہ، طائرِ حبش نژاد)

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را — کہ سوزد از دمِ ایشاں چراغِ عشق در صحرا،
یہ دن ہے دن مری خوش قسمتی کا — تجھی تو ہے مرے لب پر ترانا
یہ دن اس زندگی کا مدعا ہے — شہِ عشّاق سے ملنا ہوا ہے
کہاں قیس اور کہاں ناچیز اک زاغ — کہاں میں اور کہاں آپ اور اک زاغ

کہاں میں اک فرومایہ سُبک سر — کہاں آپ اے شہ والا مقدّر!
کہاں آپ اے درخشاں مہرِ افلاک — کہاں یہ خاکسار اک ذرّۂ خاک
کہاں میں ایک بے مایہ قلندر — کوئی دیکھے مرا بختِ سکندر — !
یہ سنّاٹا یہ میری کائیں کائیں — یہ صحرا اور یہ آندھی سائیں سائیں
نہ ہے دیروز اپنا اور نہ اِمروز — نہیں لب پر مگر حرفِ گلو سوز !
کلنک اک اپنے ماتھے پر لگا ہے — جسے دیکھو وہ ہم کو ٹوکتا ہے
جسے دیکھو لگا جاتا ہے پچر نہ — کہ غم جس سے ہوا جاتا ہے دوُنہ
ذرا سُنیئے کہ صلواتیں ہیں کیا کیا — ہمیں کہتی ہے مخلوقِ خدا کیا!

دشمن تو سبھی جہاں میں ہے تیرا فانہ کیا
کہتی ہے تجھکو خلقِ خدا غائبانہ کیا،

خلقِ خدا

(تعارف)

تعارف ہم کرائیں آپ ہیں زاغ — رہائش آپ کی بازار یا باغ
یہ ہیں مشہور جدّہ ہو کہ پونہ — پرندوں کے یہ اک اعلیٰ نمونہ
یہ اپنے اِس نئے پیکر سے پہلے — تکبّر میں ڈھلے اک مرد بد تھے
بُرے کرتوت اور افعالِ بد کی — خدا نے ان کو فوراً ہی سزا دی
کیا مسخ اور انھیں کوّا بنایا — بنایا اور سیہ روغن لگایا!
سیہ شب کی سیہ تابندگی دی — پھر ان میں جان پھونکی زندگی دی
پروں کو ان کے پھر پرواز بخشی — نہایت ہی کرخت آواز بخشی
یہ جب کرۂ خاکی پہ آئے — سحر تا شام کیا کیا گُل کھلائے

یہ اپنے ارتقاء کے اس سفر میں
نہ ٹھہرے رہ گذر میں اور نہ گھر میں

ہیں بہروپی کئی ہیں نام ان کے
نہیں اک دو کئی ہیں نام ان کے

اگر ہم ان کے ناموں کو گنائیں۔
ہیں اتنے نام گنواتے ہی جائیں

یہ ہیں اک دزد اور قزاق بھی ہیں
کہ یہ سر جملۂ عشاق بھی ہیں

دغاباز اور فریبی اور مکّار
مخالف اور منافق اور ریاکار!

یہ بکواسی یہ جھگڑالو گھمنڈی
یہ روگی ہیں یہ شکّی اور وہمی

یہ ہیں کج بحث، شاکی اور جھکّی
یہ ہیں کچھ منطقی کچھ حجّتی بھی

یہ غنڈے ہیں یہ لچے ہیں یہ اوباش
یہ مفلس اور ہیں حد درجے قلاش

نقب زن بھی ہیں اور رہزن بھی ہیں زاغ
مگر تعزیر سے ایمن بھی ہیں فراغ

اٹھائی گیرے ہیں اور صبح خیزے
ہیں بے حد شرمناک ان کے وطیرے

یہ جادوگر ہیں اور ہیں شعبدہ باز
مگر چھپتی نہیں ہے ان کی آواز

بڑے کاذب ہیں اور بے حد ہیں نقّال
یہ مرتد ہیں کئی ہیں ان کی اشکال

یہ مجرم بھی ہیں اور مظلوم بھی ہیں
یہ مخبر بھی ہیں اور معصوم بھی ہیں

یہ کوچہ گرد ہیں، ہیں یہ گداگر
ہے ان کے واسطے سب کچھ برابر

یہ غاصب بھی ہیں، ہیں یہ سازشی بھی
کہ ان کی زندگی ہے اک پہیلی

یہ ہیں نمرود اور شدّاد بھی ہیں
یہ ہیں آباد اور برباد بھی ہیں!

یہ ہیں ایک جیب کترے اور لٹیرے
کبھی شہروں کبھی گاؤں میں ڈیرے

یہ ہیں خانہ بدوش اور ہیں اُچکّے
بڑے سارق ہیں اس پر ہیں لُٹّے

یہ پیاسے ہیں [illegible]اکے اور بھوکے
ذرا دیکھے تو کوئی ان کو چھوکے

یہ پوری قوم کی ہے قوم ڈاکو — پرندوں کے جہاں کے یہ ہلاکو!

یہ مصلح بھی اور ہیں محتسب بھی — انھیں آتی ہے حکمت اور طب بھی

بڑے نیتا بڑے سیّاس ہیں زاغ — کہ جنتا کے انوکھے داس ہیں زاغ

پرندوں کے جہاں کے ہیں روباہ — بڑے ہی طاق پھیلانے میں افواہ

ہے ان کا مشغلہ چوری چکاری — کیا کرتے ہیں چوری باری باری

یہ حاسد بھی ہیں اور طمّاع بھی ہیں — یہ زیرک بھی ہیں اور طبّاع بھی ہیں

مقرّر بھی ہیں یہ قصّہ خواں بھی — زباں ان کی فصاحت سے رواں بھی

نگر ہو گاؤں ہو یا ہو کوئی کاخ — یہ بلوائی ہیں مفسد ہیں یہ گستاخ

گجر دم ہیں پرندوں کے موذّن — ہیں سارے ایک بوڑھے ہوں کہ کمسن

یہ مخبوط الحواسی کی صدا ہیں — یہ مالیخولیا میں مبتلا ہیں

ہے ان کے سود خواروں سے بھی ناتے — نہیں لینے سے رشوت ہچکچاتے

یہ بے ایمان ہیں اور بے ادب ہیں — نہیں ہیں ایک یا دو سب کے سب ہیں

شریعت میں ہے ان کی بے حجابی — تجسّس میں نظر ان کی عقابی

یہ ویسے تو بڑے بھولے میاں ہیں — یہ اپنے وقت کے چنگیز خاں ہیں

بہت ہشیار ہیں بے حد ہیں بیباک — چرالیں آنکھ کا کاجل یہ چالاک

انھیں ہے دخل اندازی کا سودا — در آتے ہیں جہاں جائے نہ تنکا

کبھی جب سیند گھر میں ہیں لگاتے — کسی کے کب کہاں قابو میں آتے

یہ ان کی بھوک ان کی فاقہ مستی — سحر تا شام ان کی خود پرستی

جو کہتے ہیں کہا کرتے ہیں بے لاگ — کبھی یوں بے اعتنا جیسے ہوں بیراگ

ہزاروں خواہشیں پر اک تجاہل
اکٹھے ہوں مچاتے ہیں بڑا غل

ہے ان کی چشم یکسر چشمۂ بے آب
بڑے ہی بے حیا بے شرم بے تاب

جو بس ہو چشم سوزن میں بھی در آئیں
نقب دیر و حرم میں بھی لگا جائیں

بڑے ناآشنا اور بے مروت
ازل سے طوطہ چشمی ان کی عادت

بظاہر تو فقیرِ بے نوا ہیں
بباطن کسکو بتلائیں کہ کیا ہیں!

کبھی بے حد سراسیمہ پریشاں
کبھی جیسے کہ نادم اور پشیماں

لئے ہاتوں میں کشکولِ گدائی
یہ کرتے ہیں دروں پر جبہ سائی

ہے تضحیک و تمسخر ان کا شیوہ
دل آزاری بھی ہے انکا وطیرہ

اگر کوئی کرے ان پر عنایت
کہاں ہے ان کے پاس اتنی بھی فرصت

(ق)

نہیں ہے شکریئے تک کا انھیں ہوش
یہ پوری جنس ہے احساں فراموش

یہ فتویٰ دیتے ہر اک بات پر ہیں
یہ کرتے تبصرہ حالات پر ہیں!

بہت ہی شدومد سے رائے دیکر
یہ اٹھ جاتے ہیں محفل سے سراسر

قفس میں ساتھ ہوں گر زاغ و بلبل
ذرا سا ہو نہ اس میں کچھ تساہل

(ق)

کہ اس نے کھا لیا ہو جسطرح سم
نفس بلبل کا رک جائے گا یکدم

اگر اک سنگِ بد گوہر سراسر
کرے ہے پاش پاش اک کاسۂ زر

تو گھٹ سکتی نہیں کچھ زر کی قیمت
نہ بڑھ سکتی ہے کچھ پتھر کی قیمت

نجاست میں اگر گر جائے گوہر
نفاست پر نہ ہو حرف اسکے یکسر

اگرچہ گرد جائے آسماں پر — رہیگی وہ خسیس و خاک بر سر
ہوئے آذر کے گھر پیدا براہیم — کوئی خطرہ ہوا ان کو نہ کچھ بیم
کھلا کرتا ہے گل کانٹوں کے مابین — یہی ہوتا ہوا آیا ہے دن رین
یہی ہے ماجرائے زاغ و بلبل — مقدر اس کا ہے خس اسکا ہے گل
ہنر کیا زاغ میں کچھ بھی نہیں ہے — سیہ ظاہر سیہ باطن سیہ شئے

بہت سارے ہیں ان کے کارنامے
کہاں تک کب تلک کوئی گنائے

بڑے حضرت ہیں کہتے ہیں جنھیں زاغ — مگر خود اپنے ماتھے پر ہیں اک داغ

قیس

(آدمی ——— فی سبیل اللہ فسادی)

اے سیانے زاغِ دشتی تجھ پہ رحمت اور سلام — ہے کہستاں فرش تیرا آسماں ہے تیرا بام
تو ہے اک سیاح سیلانی یہ سب کو علم ہے — گونجتے ہیں دشت و در میں تیرے میٹھے زمزمے
دکھ ہے مجھ کو جو کبھی کہتی ہے تجھے خلقِ خدا — لوگ جاہل ہیں نہ رکھ ان سے ذرا بھی واسطا
جسم کالا ہے تو کیا دل تو نہیں تیرا سیاہ — جسم کالا ہے اگر تو اس میں تیرا کیا گناہ
ہم نے انسانوں میں دیکھے ہیں بہت سرخ و سپید — جو کہ ہیں گورے بدن ہے خون بھی جنکا سفید
دیکھنے میں ہیں حسین لیکن ہیں اصلاً کالے ناگ — اپنے ہم جنسوں کو ڈس جاتے ہیں ڈسنے والے ناگ
جن کے ماتھوں پر تقدس کا عیاں ہے طمطراق — زہد کو در اصل لیکن دے چکے ہیں وہ طلاق
جعلسازی، بدقماشی، مکر، دھوکا اور دروغ — ہیں یہ وہ فتنے کہ جن کا ہوتا آیا ہے فروغ
جہل کی ہے فتنہ پردازی فضائے دہر میں — جس کے باعث ہے عفونت سی ہوائے دہر میں
کتنی آنکھوں میں بظاہر ہے یہاں معصومیت — غور سے دیکھیں تو ان سے جھانکتی ہے معصیت

کتنے ہیں بوجہل جن کو علم کا پندار ہے
آدمی اس دہر میں رسوا سرِ بازار ہے!

آدمی ہی نے تو تیرے نام رکھے اے عزیز
آدمی مفلوک ہے مکروہ ہے اور بدتمیز!

آدمی اس دہر میں مفسد بھی ہے فاسد بھی ہے
آدمی اس شہر میں بزدل بھی ہے حاسد بھی ہے

آدمی لاعلم ہے ناچیز ہے اور ہے حقیر
آدمی بدبخت ہے بدذات ہے اور ہے شریر

آدمی یاغی ہے اور سرکش ہے اور جابر بھی ہے
آدمی بدکار بھی ہے پوچ بھی ساحر بھی ہے

بے حمیت، بے مروت، بے یقیں، بے اعتبار
ناتواں، نااہل، ناہنجار، ناکس، نابکار

مشتبہ بے حد ہے اور مشکوک اسکی شخصیت
کوچہ و بازار میں بکتی ہے آج انسانیت

آدمی فاسق بھی ہے بے دین بھی مرتد بھی ہے
آدمی کی ذلت و خواری کی کوئی حد بھی ہے!

ہے یہ وہ آدم کہ جو آدم سے رکھتا ہے عناد
اس جہاں میں فی سبیل اللہ کرتا ہے فساد

ہے یہ وہ آدم کہ جس پر خندہ زن ابلیس ہے
ایک ایسا ساز جس میں کوئی سر ہے اور نہ لے

میں اگر قائل تناسخ کا جو ہوتا اے خدا
ہاتھ اٹھا کر تیرے آگے بس یہی کرتا دعا!

اے مرے معبود تیرے دل میں آئے گر خیال
زاغِ دشتی کو جزا کے طور کرنے کو نہال

زاغ سے اسکو نہ ہرگز آدمی کا روپ دے
زاغ ہی رہنے دے اسکو زاغ جینے دے اسے

آدمِ خاکی سے بہتر اور برتر زاغ ہے
آدمی انسانیت پر ایک کالا داغ ہے

داستان گو

اُس رات وہیں پہ قیس ٹھہرا
دیتا رہا زاغِ دشت پہرا

تھا گھاؤ بہت ہی دل کا گہرا
پورب سے جو نکلا دن سنہرا

تب بسترِ غم سے قیس اٹھا۔
اک سمت کو ہو گیا روانا

کچھ دور ہی راستے میں ٹھٹکا
تھا پیشِ نظر عجب تماشا

دیکھا تو [illegible] اک ضعیفہ
گردن میں پڑا تھا جس کی پھندا

اک شخص اسے ہنکا رہا تھا
کھینچے ہوئے لے کے جا رہا تھا
منظر یہ بہت ہی دلشکن تھا
زخموں کا کھلا ہوا چمن تھا
چھکا ہوا جس سے سارا بن تھا
انگشت گرفتہ در دہن تھا
قیس اپنے لہو میں جل رہا تھا
اُس دشت میں بس پگھل رہا تھا
وہ شخص جونہی قریب پہنچا
جسکی گرفت میں تھی بڑھیا
دیکھا اسے پاس قیس لپکا
اور اس سے دہاں ہوا وہ گویا
الفاظ تھے کچھ تو سخت اس کے
اور طنز میں کچھ تھے لفظ ڈوبے!

قیس

(تف ہے)

ایک معمّر کے ساتھ ایسا ظلم
شرم تم کو مگر نہیں آتی
جسکو آتی ہے شرم آتی ہے
بے حیا کو مگر نہیں آتی
یہ زنِ پیر اور رسن بہ گلو
ظلم کی حد نظر نہیں آتی
تم کو اس پر ترس نہیں آتا
اسکی حالت نظر نہیں آتی
کس لئے ہے زبان یوں خاموش
بات کیا تم کو کرنی نہیں آتی

فقیر درویش

(خاموش رہیئے)

حیرت ہے کہ ہیں دہر میں ایسے بھی دوانے
نادان ہیں اور خود کو سمجھتے ہیں سیانے!
ہم بات کو بے وجہ معمّا نہ کریں گے
کہنا ہے ہمیں جو بھی وہ بالراست کہیں گے!
کس واسطے تشبیہ کے پردے میں کریں بات
اکثر ہی ہوا کرتی ہیں بیکار علامات
اے قیس ابھی آپ نے جو کچھ بھی کہا ہے
سنکر اسے ناچیز کا دل دکھ سا گیا ہے
تنقید کا حق آپ کو کس نے یہ دیا ہے
قانون یہ کیا خود کیلئے وضع کیا ہے؟

کچھ لفظ ہیں جو آپ کو زیبا نہیں دیتے — ہم کو تو وہ لفظ آپ کے اچھے نہیں لگتے
بہتر تو یہی ہوگا کہ خاموش رہیں آپ — اچھا تو یہی ہوگا کہ کچھ بھی نہ کہیں آپ

عجوز (اسیرِ دلگیر)

کیا سخن آپ سے حضور کہوں — اسی درویش کی میں زوجہ ہوں
ہوں اسی کی غلام اور اسیر — اس غلامی سے ہوں بہت دلگیر!
مجھ ضعیفہ پہ ظلم ڈھاتا ہے — روز آنکھیں مجھے دکھاتا ہے
اس کی رسّی ہے اور مری گردن — چاک ہے زندگی کا پیراہن!
اس ستم گر کی ہوں میں دستِ نگر — جو مرا زوج ہے مرا شوہر
چپ رہوں گر تو بڑبڑاتا ہے — کچھ کہوں گر تو کاٹ کھاتا ہے
کب سے میرے ہے در پئے آزار — میری تکلیف اس کے دل کا قرار
ایک آفت میں ہے مرا ایمان — ہے عجب مخمصے میں میری جان
(جان ہی سے جہاں میں رونق ہے — ورنہ بے آب و تاب ہے ہر شے)
ایک ٹکڑے کے واسطے ہی سہی — اب نہاں ہے اسی میں میری خوشی
غور فرمائیں میری حالت پر — کل بُری تھی پہ آج ہے بدتر
خالقِ دو جہاں ہمیشہ شاد — رکھے، پائیں حضور دل کی مراد

[illegible] (جو درگت آپ کی ہے)

جو درگت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی ۔ جو ذلت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی
شکنجے میں کسا سر آپ کا اے محترم مادر ۔ جو حالت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی
یہ آزادی کا جذبہ اور غلامی کی یہ زنجیریں ۔ جو حسرت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی

گلو بندِ غلامی، پا بجولانی کا پیراہن — جو خلعت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی
سفر بے ساز و ساماں آپکا اس دشتِ وحشت میں — جو غربت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی
ہے شوہر آپکا قاہر مگر اس کے لئے پھر بھی — جو طاعت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی
اجازت دیں اگر ہم کو، جگہ ہم آپ کی لے لیں — جو دِقّت آپ کی ہے ہم سے وہ دیکھی نہیں جاتی۔

عجوز [دعا]

دعا ہے یہ مری اے شاہزادے — تمہیں، اس مہر کی، مالک جزا دے
مرا رب آپ کو آباد رکھے — سدا آباد رکھے، شاد رکھے
نہالِ دل رہے سرسبز و شاداب — یہ موجِ وصل دلبر سے ہو سیراب
نہیں ہے عشق بچوں کا کوئی کھیل — نہیں ہے دو دلوں کا ہی فقط میل
دعا ہے بس خدا ئے بحر و بر سے — وہ دل کو آپ کے محفوظ رکھے
بلائے ناگہانی سے بچائے — کبھی اس پر نہ کوئی آنچ آئے
رہے بس فاتحِ اقلیم خوبی — کرے صبح و مسا تعظیم خوبی
غلام اس شخص کے گر آپ بن جائیں — ثواب اس کا بہر صورت یہیں پائیں
خلاصی جلد ہو میرے گلو کی — ملے آرام، ہو میری تسلّی

قیس [جو شکل نظر آئی]

یہ موجِ صبا بیکل، یہ دشتِ ستم پیشہ — ہر حلقۂ صرصر میں زنجیر نظر آئی
مہتاب کی آنکھوں میں خوں اترا ہوا دیکھا — جلّاد کے ہاتھوں میں شمشیر نظر آئی
مرصع ہوا دیکھا تھا اک خواب اسیری کا — آج اسکی نئے ہے قسمت تعبیر نظر آئی
جب تیغ پہ خود بڑھ کر سر ہم نے رکھا اُس دم — قاتل کے ارادے میں تاخیر نظر آئی

تقدیر کے لکھے کو کوئی نہ مٹا پایا
لو ہم کو مقدر کی تحریر نظر آئی - !

صحرا میں غنیمت ہے صحرا سے ذرا ہٹ کر
جو شکل نظر آئی دلگیر نظر آئی

اس طرح سے آہ و زاری کر کے
آخر کو چھڑائی جان اس نے

قیدی ہوا قیس اس کے بدلے
زنجیر و طناب و طوق پہنے

طوفاں لئے دل میں سر بسر قیس
خاموشی سے چل پڑا مگر قیس

آشفتہ، خراب، پا بجولاں
'خود را بسر شک دیدہ شویاں'

غافل اسے دیکھ کر تھے خنداں
عاقل اسے دیکھ کر تھے گریاں

لیلیٰ کی قیام گہ پہونچ کے
'مستانہ سرود بر کشیدے'

سرودِ قیس

(آؤ)

قیس

پھر سے اک بار اسی دشت و دمن تک آؤ
میرے آہوئے ختن اپنے ختن تک آؤ

آؤ دوبارہ غزل خوان و صراحی در دست
جشنِ گل ساتھ منائیں گے چمن تک آؤ

سر بکف، سینہ سپر ساتھ مرے، میری طرح
حوصلہ ہو تو ذرا دار و رسن تک آؤ

رُخ ہو گر ماہ تو پھر قد کو کہو سروِ رواں
سر کرو ساز غزل، شعر و سخن تک آؤ

تذکرہ ہے تو کرو اس نگہِ ناز کی بات
بات نکلی ہے تو اس غنچہ دہن تک آؤ

آج ہم آئے ہیں پھر در پہ ترے جانِ بہار
'پا بدستِ دگرے دست بدستِ دگرے'

تحفۂ نیست بجز اشک کہ ما پیش کنیم
خوشتر از اشک دریں دہر کجا خوش ثمرے

مانگتے کچھ نہیں بس تجھ کو دعا دیتے ہیں
ہم ترے در پہ ہیں لیکن ترے ایواں سے پرے

ہم کہ سائل ہیں تو ہم پر بھی کرم کی ہو نگاہ
اے گلِ گلشنِ رعنائی و زرّیں کمرے

مدعی بھی ہیں یہاں اور خطا کار بھی ہیں — مطلق الحکم، ذوی العدل، شہر یار بھی ہیں
دربدر، خاک بسر ہم ہیں کٹہرے میں کھڑے — کوئی تصویر ہو دیوار پہ چسپاں جیسے
آپ کے عدل کے ایوان میں تنہا ہم ہیں — جس پہ انگشت اٹھے ایسا تماشا ہم ہیں
آپ نے وضع کیا اسکو ہمارے ہی لئے — یعنی وہ حرف، جسے حرفِ ملامت کہئے
ہم کہ ماخوذ ہیں، ملزم ہیں، گنہگار ہیں ہم — جرم ثابت ہوا یعنی کہ خطا کار ہیں ہم
جرم کس طرح کا ہے جرم کی یادداشت ہے کیا — ہے یہ اک راز کسی طرح جو ہم پر نہ کھلا
فیصلہ آپ کا ہے لائقِ تعزیر ہیں ہم — کشتنی سرزدنی، لائقِ شمشیر ہیں ہم
اس قدر نامۂ اعمال ہے آج اپنا سیاہ — نہ مچلکا، نہ ضمانت، نہ شہادت، نہ گواہ
آہ کیسی یہ عدالت ہے جہاں میرے خدا — جرم ناکردہ گنہ گاروں کو ملتی ہے سزا
ظلم اتنا کوئی آواز اٹھاتا ہی نہیں — جور ایسا کوئی انصاف دکھاتا ہی نہیں

داستان گو

مجنوں ہوا قیس پھر سے یکبار — زنجیر کو توڑ کے وہ سیار
گاتا ہوا اپنے چند اشعار — جن میں تھے معانی اور اسرار
راہی ہوا کوہ کے ہی رستے — جیسے کہ کماں سے تیر نکلے!

قیس

(گم ہے آوازِ جرس)

وارثِ تاج و نگیں — ہے ملول اور حزیں
ہے رسن در گردن — چاک ہے پیراہن
بند ہے بابِ قفس — گم ہے آواز جرس
شام سے تا بہ سحر — ہے فقط رقصِ شرر

نہ تو گلزار نہ راغ
اب کہاں غم سے فراغ!
کوئی مشفق نہ شفیق
نہ کوئی اپنا رفیق!
دل بہ ایّام فراق
جیسے سلگتا چقماق
ہو رواں سر پہ جو تیغ
نہیں اس سے بھی دریغ
گل سے ہو دور جو برگ
اس سے بہتر تو ہے مرگ
چار میخ اور صلیب
ہے یہی اپنا نصیب!

داستان گو

لیلیٰ کا بھی غم سے تھا بُرا حال
گویا کہ تھی صیدِ سحرِ بنگال!
خاموش تھی کس سے کہتی احوال
کچھ کہہ کے وہ کیوں بڑھاتی جنجال
تابندہ فضاؤں کی خموشی
لیلیٰ کی یہی تو تھی سہیلی
جب جنگ سے وہ شکست خوردہ
زخموں سے ہوا تھا فسردہ
تھا لب پہ فقط قصیدہ بُردہ
زندہ تھا مگر تھا جیسے مُردہ
گھر سیّد ناصری جو پہونچا
دہشت سے ہوا وہ ایسے گویا

سیّدِ ناصری

(افسوس)

آج کا دن ہے ہمارے لئے اک شرم کا دن!

آج ہم اپنے لہو میں نہائے ہوئے آئے
اپنی آزادی کے پرچم کو گرائے ہوئے آئے
آج دشمن کو مقدر سے ملی فتح و ظفر
آج دشمن کی ہے پھولوں سے پٹی راہ گذر
شادیانے ہیں مسرت کے عدو کے گھر آج
فتح کا تاج درخشاں ہے عدو کے سر آج
جنگ میں اپنے قدم یوں نہ اکھڑتے اے کاش
اپنے ہی بوتے پہ اور بل پہ ہی لڑتے اے کاش!
تھی ازل سے ہی مقدر میں لکھی اپنی شکست
ہوش میں کب تھے تھے نشے میں بہت مست الست!

ایک چلو بھی نہیں آب کہ ہم ڈوب مریں　　داستاں اپنی کہیں بھی تو بھلا کس سے کہیں

آج کا دن ہے ہمارے لئے اک شرم کا دن!

داستان گو

جب بیٹی نے باپ کی یہ حالت ۔ دیکھی تو ہوئی اسے ندامت
طاری ہوئی اس کے دل پہ رقت ۔ آنکھوں سے عیاں تھی ایک حسرت
دھیرے سے زبان اس نے کھولی ۔ اور باپ سے اسطرح وہ بولی

لیلیٰ

[دلاسہ]

میں ہوں بے حد بہت ہی شرمندہ　　کاش ہوتی نہ آج میں زندہ
آپ پر جنگ میں جو ہے بیتی　　زہر ہوتا اگر تو میں پیتی
میری ہی وجہ سے ہوا سب کچھ　　ہات سے آپ کے گیا سب کچھ
پھر بھی باقی ہے آپ کی عزت　　آبرو اور آپ کی حرمت
آپ اور آپ کے عدد ہیں لڑے　　جنگ میں آپ دوبدو ہیں لڑے
پر عدو کو دکھائی پیٹھ نہیں　　بھاگ گئے آپ جنگ سے تھے کہیں
اسی میدان میں لڑے ڈٹ کر　　سینکڑوں رہ گئے جہاں کٹ کر
آپ کیوں اس قدر ہراساں ہیں　　کس لئے آپ یوں پریشاں ہیں
آپ کیا رزم سے نرالے ہیں　　ہیں جری اور بڑے جیالے ہیں
کوئی دشمن ہرا نہیں سکتا　　کوئی نیچا دکھا نہیں سکتا
پس ذرا دل کو ایک ڈھارس دیں　　اور للّٰلہ کچھ بھی غم نہ کریں
پھر سے طاقت کو اپنی جمع کریں　　پھر سے اک بار آپ لوہا لیں

سید ناصری

(ایک آسیب)

اے مری بجھتی ہوئی شمع کے نور
پاس ہوں تیرے مگر کتنا دور

دخترِ نیک مری لختِ جگر
میری تاریک سیہ شب کی سحر

حوصلہ تو نے بڑھایا میرا
میرے ہونٹوں سے نکلتی ہے دعا

میری تسکین مرے دل کے قرار
دیکھ لے آج مری حالتِ زار

ایک گرتی ہوئی دیوار ہوں میں
ایک ٹھکرایا ہوا پیار ہوں میں

میں ہی باعث ہوں کئی آہوں کا
ایک آسیب کئی صدیوں کا

اک کھنڈر یعنی اک اجڑا ایوان
اک دیا جس سے کہ اٹھتا ہو دھواں

روح اک جس کو نہیں غم سے فراغ
ایک تن جس کا نہیں کوئی سراغ

اک پہیلی کہ معمّا ہوں
آج معلوم نہیں کیا ہوں میں

پھر بھی رکھتا ہوں ابھی ہوش و حواس
ہے مجھے اب تو فقط ایک ہی آس

تجھ کو ہر طرح سے خوش دیکھوں میں
عمر بھی اپنی تجھے دے دوں میں

تاکہ سب تجھ کو کہیں خوش قسمت
مرتبہ تیرا بڑھے اور عزت

اب آگے کہوں کہ کیا سر د...ت
ہمت نہیں کچھ اور حوصلہ پست

پس مات ہوئی ہے ایک بازی
دنیا نے ہماری یکّہ تازی ہے!

(ق)

دیکھی ہے اور ہم کو داد دی ہے
حتیٰ کہ عدو سے داد لی ہے

پر ہار تو ہار ہے جہاں میں
ہم ہار گئے ہیں امتحاں میں!

جیسے ہی شکست ہم نے پائی
نوفل ہی کی ہم نے دی دہائی

نوفل سے کہا کہ اے کماندار — تبریک ہماری تم کو بسیار!
بازی تو یہ تم نے جیت لی ہے — اس جنگ میں ہم کو مات دی ہے
لیکن ہمیں پھر وہی ہے اصرار — دو کوئی ہمیں نہ اور آزار — !
بیٹی کو نہ اپنی دے سکیں گے — مجنوں کے تو عقد میں نہ دیں گے — !
پس فیصلہ آخری ہے اپنا — اب قیس نہ دیکھے کوئی سپنا!
لیلیٰ اسے مل نہیں سکے گی — اب یہ کلی کھل نہیں سکے گی"
نوفل نے سنی یہ بات چپ چاپ — خاموشی سے راستہ لیا ناپ
بس کوچ کا حکم جاری کر کے — اور اپنی سپہ کے آگے آگے
اس دشت کو ہو گیا روانہ — جس دشت میں قیس ہے دِوانہ
نوفل کی کریں گے ہم تو تعریف — تعریف کریں گے اور توصیف
اللہ اسے جزا دے اس کی — دے اسکی جزا عطا دے اسکی
آفات سے رب اسے بچائے — آنچ اس پہ کبھی کوئی نہ آئے
یوں تو کہوں گا ایک ہی بات — بازی یہ ابھی ہوئی نہیں مات
گو دل میں اتر گیا ہے چاقو — اس ہار میں جیت کا ہے پہلو
حالانکہ اندھیرا ہر طرف ہے — حالانکہ اجالا ہر طرف ہے
سورج پہ نگاہ آج بھی ہے — کج اپنی کلاہ آج بھی ہے!

داستان گو

لیلیٰ کا پدر بہانہ جو تھا — نوفل سے کیا تھا اس نے وعدہ
وعدہ نہ تھا اس کا تھا وہ حیلہ — باتوں ہی سے اس کو بس رجھایا

دراصل دیا تھا اس کو دھوکا
بیٹی کو کچھ اور ہی بتایا
لیلیٰ نے لب اپنے سی لئے تھے
اس باب میں بولتی وہ کیسے
خاموش رہی پدر کے آگے
سنتی رہی وہ یہ سارے قصے
جاتے ہی پدر کے تھام کے دل
یکبارگی پھٹ پڑی وہ بسمل

لیلیٰ (کون ؟)

ہم پہ جو بیت رہی ہے وہ سنائیں کس کو ۔ دل پہ جو گھاؤ لگے ہیں وہ دکھائیں کس کو ۔ اپنا غم خوار ہے کون ؟
دہر میں اب کوئی ہمدرد نہیں ہے باقی ۔ میکدے میں نہ رہی مے نہ کہیں ہے ساقی ۔ ہاں خریدار ہے کون !
قافلہ جا بھی چکا اب نظر آتا ہے کہاں ۔ اب نہ ہے کوئی طناب اور نہ خیموں کا نشاں ۔ اپنا سالار ہے کون
منتیں کس کی کریں یعنی خوشامد کس کی ۔ کس لئے کس کے لئے آج یہ آہ وزاری ۔ اپنا دلدار ہے کون ؟
اس بلندی پہ یہاں کس کا یہ اعزاز ہے آج ۔ حلقۂ دار میں ہاں کون سرافراز ہے آج ۔ یہ خطاکار ہے کون !
ہم کو لگتی ہے یہ خود اپنی ہی جانی صورت ۔ وقت آیا ہے یہ ہو جائیگی فانی صورت ۔ یہ سر دار ہے کون ؟

داستان گو

لیلیٰ تھی ہجوم غم سے گریاں
چہرے سے تھا اس کے غم نمایاں
آنکھوں سے لہو تھا اس کے ریزاں
ارزاں تھا لہو بہت ہی ارزاں
رنجیدہ وہ لالہ رخ تھی بے حد
زندہ تھی مگر تھی جیسے مرقد
غواصِ جواہرِ معانی ۔
یوں کرتا ہے اب گہر فشانی
ہو طبع پہ جس کے بھی گرانی
بے کیف ہو جس کی زندگانی
وہ دور کرے گرانی اپنی
اب آئیگا ذکر عقد و شادی
لیلیٰ کے پدر کے فیصلے کا
احوال سنا سبھی نے جانا

اکناف میں سب ہوا یہ شہرا
مجنوں کی نہ ہو سکے گی لیلیٰ

پس سامنے نامدار آئے
اور کتنے ہی خواستگار آئے

فرزندِ سلام نے بھی یہ بات
جیسے ہی سُنی وہ لے کے بارات

افسردہ دلی کو دے کے وہ مات
پہنچا لئے صد ہزار سوغات

اور ساتھ خزانہ ہائے بسیار
جن میں تھے ہزار دُرِّ شہوار

ابن سلام (لائے ہیں ہم اس کے لئے)

آپ سے درخواست ہے اے سیّدِ ناصر
صاف بہت بات ہے اے سیّدِ ناصر

اپنی غلامی میں کریں مجھ کو قبول آپ
مان لیں لِلّٰہ نہ دیں بات کو طول آپ!

ہم کو درم اور نہ دینار ہے درکار
ہم کو تو لیلیٰ کا فقط پیار ہے درکار

لائے ہیں اس کے لئے ہم اشتر و دیبا
اس کے لئے لائے ہیں ہم حجلۂ زیبا

نافۂ آہوئے ختن اس کے لئے ہے
اس کے لئے لعلِ یمن اس کے لئے ہے!

اس کے لئے لائے ہیں ہم ہند کے ہیرے
ایک نہیں لاکھ ہیں اسطرح کے تحفے

لائے ہیں بنگال سے سیفور و کتاں ہم
اس کے لئے لائے ہیں خوشبوئے جناں ہم

ہار ہے چندن کا جسے لیکے ہیں آئے
پھول ہیں کے چاند کی کرنوں سے گندھا کے

لائے ہیں پکھراج بھی الماس بھی لائے
اس کے لئے پیار کا احساس بھی لائے

لائے ہیں ہم عطرِ حنا اور شمامہ
ہند ہی کے ملک سے آیا ہے دمامہ

گوہرِ یکدانہ بھی لیلیٰ کے لئے ہے
دل کا پری خانہ بھی لیلیٰ کیلئے ہے

لائے سراندیپ سے ہیں نیلم و گوہر
چین سے لے آئے ہیں زر لفت و مشجّر

قاف کی پریوں کے گلوبند ہیں لائے
ساتھ ہی دیبائے سمرقند ہیں لائے

اس کے لائے ہیں آبِ رکنا باد — جس کے نقطہ ایک ہی جرعے سے ہو دلشاد!

لائے فلسطین سے ہیں سرخ سے یاقوت — شہر یکے ہست درین عالم ناسوت

سیم فریدون کے توران سے لائے — سات سو پشمینے خراسان سے لائے

لائے ہیں ہم خسروِ پرویز کے سب گنج — آٹھ ہیں کل گنج ہیں بس آپ سخن سنج

اس کے لئے لائے ہیں آئینے حلب سے — عالمِ حیرت میں ہیں جو پاسِ ادب سے

ارمغاں اس کے لئے تبریز سے لائے — یعنی کہ اک شہرِ طرب خیز سے لائے

لائے ہیں بغداد کے باغات سے میوے — ساتھ ہی ایران کے قالین انوکھے

لائے ہیں جاپان سے پُر آب یہ موتی — ہے وہ دمک چاند کی بھی ماند ہے جوتی

ریشمی ملبوس بنارس سے ہیں لائے — اور جو یہ کمخواب ہے پارس سے ہیں لائے

اس کیلئے لائے ہیں اشبیلیہ سے زر — روس سے لے آئے ہیں ہم اسکے لئے فر

سیّد ناصری (اپنا سرمایہ)

[اپنا سرمایہ]

ہم کو منظور ہے تم جو بھی کہو برخوردار — ہات لیلیٰ کا تم اب ہات میں لو برخوردار

اپنی اس عمرِ رواں کا یہی سرمایہ ہے — اس پہ ولیوں کی بڑی مہر ہے اور ساتھ ہے

ساتھ میں دیتے ہیں ہم اس کے سحر کے انوار — آب موتی کی، گہر اوس کے، پھولوں کا نکھار

دل کے خاموش سے جذبات دیئے ہیں ہم نے — اس کے ساتھ اور بھی سوغات دیئے ہیں ہم نے

رنگِ گل، رنگِ سحر، رنگِ حنا، رنگِ شفق — شام نے بخش دیا ہے اسے ارژنگِ شفق

طمطراقِ سحر و شام، جلالِ خورشید — نغمۂ زہرا، زرِ ماہ، جمالِ ناہید

الغرض جو بھی ہمارا ہے بس اب اسکا ہے — پاس میں جو بھی ہمارا ہے پس اب اسکا ہے

ابنِ سلام

[در حجلۂ عروسی]

السلام اے عروسِ ابنِ سلام - السلام، السلام اے دل

صبحِ نو آج خوشی خبر لائی — میرے دل کی مراد بر

اے حسینوں کے تاجدارِ جواں — تجھ سے بڑھ کر یہاں حسیں

میرے گلشن کی اے حسین بہار — میری جاں کے سکون، دل کے

للہ الحمد اب وہ دن آیا — مجھ کو ہے ربط تجھ سے

کس طرح شکر ہو ادا اس کا — جس نے دن ایسا مجھ کو دکھ

اپنی پلکیں جھکا کے جانِ حیا — میرے پہلو میں دو گھڑی

وصل کی تیرے آرزو تھی مجھے — ہجر میں دن بتا دیئے میں

اے مری جاں تیرے زانو پر — ہوگا سر میرا جو تھا خاک

اپنی نظروں کی مے پلا مجھ کو — اپنے آنچل کی دے ہوا مجھ

اپنے غمزے سے مجھ کو کر دے نہال — اپنے تیرِ نگہ سے کر یا

حجلۂ ناز کو تبسم سے — اپنے ہمتائے گلستان کر دے

ان گل افشاں لبوں کی وادی میں — آ ہم اپنے نصیب کو پا

تیری زلفوں کے سائبان تلے — دلِ سوزاں کو بیٹھ جائے

ساز ہوگا ترا مری آواز — لے اٹھا ساز اے مرے د

لیلیٰ

(میں کسی اور کی ہوں)

سیدِ ناصر کی دختر ہوں بڑی بدنام ہوں — اپنے ہی ہونٹوں پہ میں اک طرح کا

اس میں کیا شک ہے کہ آخر کار اے ابنِ سلام — آج تم نے فتح پائی کر کے ادلیٰ اپنے

تم سمجھتے ہو کہ تم داراؤ ہو یا افراسیاب — تم کوئی مہتاب ہو یا تم ہو کوئی

دیکھ کر بھی مجھ کو کیا تم دیکھ پائے بے حجاب
تم الٹ کے بھی الٹ پاؤ گے کیا مرا نقاب؟

میں رہونگی بے حجابی کے بھی پردے میں نہاں
مجھ کو پا کے بھی کبھی تم پا نہیں سکتے عیاں!

دورِ گردوں نے کیا انصاف کتنا لاجواب
"این کہ می بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب"

تم میرے شوہر کی حیثیت سے آئے ہو یہاں
الاماں فتنے سے اس دنیائے دوں کے الاماں!

پیشتر اس کے کہ تم سوچو کوئی بیہودہ بات
یعنی دو گے اس شبِ زفاف میں تم مجھ کو مات

بات اک بے ٹوک ہے جو تم سے کہہ دوں صاف صاف
بات سچ ہے مجھ کو آتی ہی نہیں لاف و گزاف

ہو نہیں سکتا جو کچھ تم چاہتے ہو آج رات
آج ہی پر کچھ نہیں موقوف ہے اک صاف بات

میں بہت پہلے کسی کی ہو چکی ہوں جان لو
اسلئے کہتی ہوں تم سے بات میری مان لو

ہو نہ پائے گا کسی حالت میں بھی اپنا نباہ
اسلئے تم راہ لو اپنی میں جاؤں اپنی راہ --!

تم بڑے ذی ہوش ہو بس بات اب میری سنو
جاؤ جاؤ مجھ کو میرے حال پر تم چھوڑ دو

اب رہی میں غم نہیں گر ہے دریدہ پیرہن
"شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن"

ہے مقدر کا ازل سے ہی تمہارے دار و بست
فتح کے اندر ہی مضمر ہے تمہاری اب شکست

ابنِ سلام

(حدِّ فاصل)

اے مری جان اے مری دلدار
جو ہوا میں ہوں اسکا ذمہ دار

فیصلہ گر یہی تمہارا ہے
میرا اب تم پہ کیا اجارا ہے

تم کسی اور کی ہو پہلے سے
مجھ کو اسکا نہ علم تھا پہلے

ورنہ تم کو بیاہتا نہ کبھی
یعنی تم کو نہارتا نہ کبھی!

جو بھی ہونا تھا ہو چکا اب تو
تم شریعت کی رو سے میری ہو

پھر بھی گر تم کو ہے یہی منظور
پاس ہو کر بھی تم رہو گی دور

میں ہوں خوش اس میں ہی جو تم چاہو | صرف اتنی مجھے اجازت دو
اک نظر روز تم کو دیکھونگا | دور سے ہی تمہیں سراہونگا
درمیاں ہوگی اپنے ایک لکیر | اس سے آگے نہیں بڑھے گا فقیر
روز دیدار کی تمنا ہے | کچھ نہیں اور مجھ کو لینا ہے

لیلیٰ (سر بزانو ہے نوا)

مجھ کو منظور ہے بشرط تمہاری دل سے | شکریہ ایسی عنایت کا ادا ہو کیسے
مجھ کو افسوس ہے لیکن نہیں کچھ کر سکتی | مرنا چاہوں بھی اگر میں تو نہیں مر سکتی
میرا محبوب جسے کہتی ہے دنیا مجنوں | نام ہے قیس بیاباں میں جو ہے محزوں
میری تخلیق ازل سے ہی ہوئی اس کیلئے | آج بھی اس کی ہی ہوں جیسے کہ میں تھی پہلے
یہ جہاں جس کو کہیں کارگہہ شیشہ گری | نہ اتر سکتی ہے شیشے میں یہ ہے ایسی پری
لوگ کہتے ہیں اسی گیتی کو حیرت خانہ | یہ بنا دیتی ہے فرزانے کو بھی دیوانہ
ہونٹ جلتے ہیں اگر ہونٹوں کو بھی دیتی ہے | جو بھی ہوتا ہے یہاں آنکھ فقط دیکھتی ہے
جو بھی ہوتا ہے یہاں سامنے آتا ہے ضرور | دیکھتے سب ہیں تماشے کو مگر ہیں معذور
نجد کے دشت سے جس وقت ہوا آتی ہے | دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
کھلکھلاتی ہوئی صبحوں کے اجالے سے پرے | دم بدم گریۂ ظلمت کی صدا آتی ہے
ہر شبستاں کے لپکتے ہوئے شعلوں سے پرے | سرد برفاب ہوا سینوں کو دہکاتی ہے
ہر چھلکتے ہوئے پیمانے کے اس پار کہیں | تشنگی روتی بلکتی ہوئی سو جاتی ہے!
جگمگاتے ہوئے کمخواب کے ملبوس سے دور | تن کو عریانی اک آئینہ سا دکھلاتی ہے
اک خلش ہوتی ہے محسوس رگ جاں کے قریب | مجھ کو مٹی سے فقط خون کی بو آتی ہے

وہ اندھیرا ہے کہ کچھ بھی نہیں آتا ہے نظر
وہ گھٹن ہے کہ مری سانس رکی جاتی ہے
سربزانو ہے نوا، چیختی پھرتی ہے صدا
خامشی ہانپتے ویرانوں میں بل کھاتی ہے

ہے یہ دنیا بھی وہی آدم و حوا بھی وہی
کوئی پیہم اسی افسانے کو دہراتا ہے
آج بھی ظلمت و تنویر ہیں سرگرم ستیز
وہی افسانہ ہے عنوان بدل جاتا ہے
یارہی کا جگرِ یار میں پیوست ہے تیر
آج کل یار ہر آئین کو ٹھکراتا ہے!
مخلصی ہی میں پلاتا ہے کوئی زہر کا جام
زہر ایسا جو رگ و پے میں اتر جاتا ہے
نیک نامی کا کوئی اوڑھ کے آتا ہے نقاب
چپکے سے آتا ہے اک گھاؤ لگا جاتا ہے
خیر خواہی ہی کے پردے میں کوئی مارِ سیہ
آ کے ڈستا ہے تو ڈستا ہی چلا جاتا ہے
اس کے آزار کا کس کس نے مداوا نہ کیا
زخمِ آدم ہے کہ رستا ہی چلا جاتا ہے
کتنی صدیوں سے ضیا بار ہیں خورشید و قمر
پھر بھی ہر سمت اندھیرا ہی نظر آتا ہے

داستان گو

ہر سمت ہوا اسی کا چرچا
ہر ہونٹ پہ ــــ ذکر بس یہی تھا
فرزندِ سلام اور لیلیٰ
قائم ہوا ازدواجی رشتا۔!
رشتا جو ہمیشہ ہی رہے گا
ان دونوں کے بیچ بے محابا
ناگاہ شتر سوار آیا
جاہل زر کم عیار ــــ آیا
بے مغز ذلیل و خوار آیا
دل میں لئے خار زار آیا
آنکھیں ہوئیں قیس سے جونہی چار
گویا ہوا اس طرح ریاکار

شتر سوار

[ایک خرافاتی، جس میں دیا نہ باتی]

بے خبر جاگ ذرا

تجھکو معلوم بھی ہے بیت گئی جو تجھ پر - چل گیا چال قیامت کی زمانہ یکسر ــــ بے خبر جاگ ذرا
اسی شاطر اسی بدعہد کی کرتا ہوں بات - جس نے اس عشق کی بازی میں تجھے دے دی مات - بے خبر جاگ ذرا
اس جہاں میں تو نہیں کوئی کسی کا محرم - بے وفا قہرِ خدا ہوتے ہیں سارے ہی صنم - بے خبر جاگ ذرا
یاد رکھتا ہے بھلا کوئی کسی عاشق کو - وقت ضائع تو نہ کر جان کو ایسے تو نہ کھو - بے خبر جاگ ذرا
جس کی خاطر تو ہے اس دشت میں اس درجہ حزیں - وہی لیلیٰ ہے کسی اور خاتم کا نگیں - بے خبر جاگ ذرا
اس کے آغوش میں اب ایک جواں شوہر ہے - مرد ہی جس کا بہت بیش بہا جوہر ہے - بے خبر جاگ ذرا
مشغلہ شام و سحر دونوں کا ہے بوس و کنار - تو دل افگار ادھر جان سے اپنی بیزار - بے خبر جاگ ذرا
ایک ساعت کی جدائی بھی بہت ان پہ ہے شاق - وصل ہی ان کا مقدر ہے گراں ان پہ فراق - بے خبر جاگ ذرا
پیار کرنے کیلئے آپ دہو اموزوں ہے - عقد بیگانے کا ہے کس لئے تو مجنوں ہے ــــ بے خبر جاگ ذرا
جس گھڑی دہر میں منقوش ہوا نقشِ دنا - لفظ زن لکھتے ہی کاتب نے قلم توڑ دیا - بے خبر جاگ ذرا
زن ہے لیلیٰ بھی تو اس بات سے تو واقف ہے - زن کے بارے میں ہر اک بات ہے پہلے ہی سے طے - بے خبر جاگ ذرا
زہر آشام نہیں زن کے برابر کوئی - جس کے کاٹے کا نہیں ہے کہیں منتر کوئی ــــ بے خبر جاگ ذرا
زن ہے وہ شئے کہ جسے آفتِ جاں کہتے ہیں - کچھ خرد مند اسے تیغ رواں کہتے ہیں - بے خبر جاگ ذرا
مرد پر جب بھی کڑا وقت گذرتا ہے یہاں - اس کڑے وقت کے پردے میں ہے عورت ہی نہاں - بے خبر جاگ ذرا
اسلئے بہرِ پذیرائی ہے اک میری صلاح - اس میں مضمر نظر آتی ہے تجھے تیری فلاح - بے خبر جاگ ذرا
بھاگ اس شئے سے کہیں آنچ نہ تجھ پر آئے - سایۂ زن بھی کبھی تجھ پہ نہ پڑنے پائے

بے خبر جاگ ذرا!

قیس

(جھوٹ کا طومار)

کون ہے اے شخص تو مجھ پر نہیں عقدہ کھلا   کس لئے اس دشت کی تو خاک کو ہے چھانتا

جس قدر چھانیگا حاصل ہی تجھے بس ہوگی ریت — دائیں بائیں آگے اور پیچھے ترے بس ہوگی ریت

ریت سے سرسبز ہے صحرائے ناپیدا کنار — خارزارِ دشت ہیں اس ریت سے ہی آبیار

اس سے بڑھ کر تُو چھانیگا تو دکھ تو پائے گا — راہ لے اپنی نہیں تو خاک میں مل جائیگا

رب نے تجھ کو بخشش دی ہوتی جو تھوڑی سی بھی شرم — مجھ سے تو کرتا نہ ہرگز ہرگز ایسی بات گرم

تو چلا ہے ماپنے کو گز سے اک مہتاب کو — تو پرکھ سکتا ہے کیا اک گوہرِ نایاب کو؟

اک گہر کو یوں سرِ بازار رسوا کر دیا — تو نے اے ناپاک عزت کو تماشا کر دیا!

اپنے دامن کو نچوڑیگی اگر وہ ماہ رُو — آسمانوں پر فرشتے کرنا چاہیں گے وضو!

اس کی عصمت اور تقدس کا ہے شہرہ چار سُو — بستی بستی، قریہ قریہ، کوچہ کوچہ، کو بکو

تو نے آئینے میں دیکھا بھی ہے اپنے آپ کو — تو نے رسوا کر دیا خود اپنے ہی ماں باپ کو

پیاس کو تیری بجھا سکتا نہیں دریا کوئی — یوں تو ادنیٰ ہیں بہت تجھ سا نہیں ادنیٰ کوئی

وہ پری پیکر ہے پیہم پاکباز و پُر وقار — پاک داماں، پارسا، پاکیزہ و پرہیزگار

سامنے لیلیٰ کے میری رو سیہ تو کیا ہے شے — یاوہ گو تو جانتا بھی ہے وہ ہستی کون ہے!

تیری معلومات اسکے باب میں کچھ بھی نہیں — سڑ ہی جاتا ہے کہ ٹھہرے آب میں کچھ بھی نہیں

اس میں کیا شک ہے کہ تو اک شخص ہے بر خود غلط — تجھ کو شُد بُد ہی فقط ہے وہ بھی ہے شُد بُد غلط

زیست ہے اس کیلئے گو آج اک بے نور رات — میری لیلیٰ مات کھا کر بھی نہیں کھا سکتی مات

باندھتا ہے جھوٹ کا طومار آخر کس لئے — اور شماتت کا گلے میں ہار آخر کس لئے

بجھ کے رہ جائیگا اک دن ابنِ مقنع کا قمر — آئیگا یوم الحساب اک روز قصہ مختصر

دفع ہو جا سامنے سے اے ذلیل انسان تو — حد سے بڑھکر تو ہے منہ پھٹ اور بے ایمان تو

داستان گو

وہ ناقہ سوار ہو گیا گنگ — کی قیس نے اپنے آپ سے جنگ

خود اپنے ہی سر پہ مارا اک سنگ
صحرا کی زمیں کو کر کے گلرنگ

وہ گر پڑا بیچ سنگِ خارہ
جاں پارہ و جامہ پارہ پارہ

دیکھا جو شتر سوار نے حال
مجنوں کا، جو دشت میں تھا پامال

ہر لمحۂ زندگی تھا اک سال
مجنوں کا ہر ایک طرح جنجال

راکب کی تھی عافیت اسی میں
کچھ اور نہ کہے روا روی میں

شرمندہ تھا اپنے ہی کہے پر
وہ سوچ رہا تھا اب برابر

پھٹ جائے زمیں تو اس کے اندر
گڑ جائے اسی گھڑی وہ یکسر

کچھ دیر یونہی خموش سا تھا
پھر قیس سے یوں ہوا وہ گویا

شتر سوار (شرمندہ و طلب گارِ عفو)

میں ہوں اپنے کہے پہ شرمندہ
کاش گڑ جاؤں اس گھڑی زندہ

آپ کو منہ نہیں دکھا سکتا
درد اپنا بتا نہیں سکتا!

کیسے کی ہے یہ میں نے گستاخی
وجہ کوئی نظر نہیں آتی —!

میں سیہ روز آپ کے آگے
دست بستہ کھڑا ہوں اس لمحے

آپ سے عفو کی ہے اب درخواست
جو کہوں گا سو اب کہوں گا راست

آپ اے قیس مجھ کو کر دیں معاف
مجھ پہ جاری ہو آپ کا الطاف

میں نے بے حد خراب حرکت کی
آپ کا دل دکھا دیا یونہی

میں نے جو کچھ کہا، کہا ہے دروغ
جھوٹ کو کب ہوا جہاں میں فروغ

آپ اب اور اپنا دل نہ دکھائیں
جو ہوا اس کو بھول ہی جائیں

باوفا ہے ابھی وہ پردہ نشیں
آپ یوں غم زدہ نہ خوار و حزیں

دل شکستہ ہے اب وہ دل آرام — کیا تھا آغاز اور کیا انجام
خودکشی پر ہے ان دنوں مائل — آپ کی یاد سے نہیں غافل
اسکا دنیا میں یوں گذارا ہے — آپ کی یاد کا سہارا ہے
ہے وہاں اسکا آستاں اور کون — ہے بنا آپ کے وہاں اور کون ؟
یہ تو سچ ہے کہ عقد ان کا ہوا — یعنی ابن السلام و لیلیٰ کا
ساتھ ہیں گو کہ دونوں وہ تاہم — وہ میاں بیوی ہیں نہیں باہم
عقد کے باوجود بھی ان کا — عہد ہے وہ نہ ہوں گے بے پردا
یعنی لیلیٰ نے اپنے شوہر سے — صاف بس کہہ دیا اسی طے

لیلیٰ (نہیں ہے آمادہ)

کچھ نہ سوچو نہ اب بچھاؤ جال — ایک حرفِ غلط سی شئے ہے وصال
نہیں آئیگا زیست میں وہ دن — صحبتِ دُختِ رز نہیں ممکن
جھک نہ پائیگا شیشۂ بادہ — ساغرِ مے نہیں ہے آمادہ!
کوئی بلبل نہ گل کے پاس آئے — ایسی ساعت نہ اسکو راس آئے
لے صبا کوئی اور راہ بھلی — گل نہ ہو پائیگی کبھی یہ کلی ــــ!
کوششیں ماہتاب کر دیکھے — نہیں ہوگا کبھی کتاں ٹکڑے
غنچہ شبنم سے دور بہتر ہے — راگ سرگم سے دور بہتر ہے
چاند کے گھر نہ آئے کوئی چکور — آسماں پر ہے اک گھٹا گھنگھور
قطرۂ نیساں اپنی کر دیکھے — ہر صدف چپ رہیگا ہونٹ سیے
شمع کا دل پگھل نہ پائے گا — گرچہ پروانہ جل ہی جائے گا

لاکھ فرہاد لائے جوئے شیر
دلِ شیریں کبھی نہ ہوگا اسیر

جب ہدف تیر کو کرے نہ قبول
کیوں ہو کوشش کوئی یہ نامعقول

کوئی طائر جب اس کی سمت نہ آئے
تو نہ صیاد اپنا دام بچھائے

وصل کی کوششیں ہیں سب بے سود
آگ ہی جب نہیں کہاں ہو دُود

جانِ آہن ہیں سرد ہیں جذبات
سرد ہے شعلہ، سرد احساسات

آشیانے کو کھا نہ پائے گی
برق اس کو جلا نہ پائے گی

زلف سر ہو یہ غیر ممکن ہے
ایسا سر ہو یہ غیر ممکن ہے

ہے یہ کشتی جسے کوئی پتوار
نہیں درکار ہے نہیں درکار

دیکھے کرکے جتن ستار نواز
پر نہ نکلے گی ساز سے آواز!

کوئی مجرم کو لاکھ دار پہ لائے
حلقۂ دار میں نہ آ پائے!

لکھ نہ پائے کوئی بہ ہوش حواس
گرچہ خالی ہے صفحۂ قرطاس

شتر سوار

[بات نازک، کام مشکل]

چند حرفوں میں، میں سمجھتا ہوں
بات کہہ دی ہے اور کیا میں کہوں

ہے یہ میرا خیال، میں نے جناب
مدعا کہہ دیا بغیر حجاب

بات نازک تھی، کام مشکل تھا
پھر بھی کہنے کا حوصلہ تو کیا

راہِ پُرخار ہو کے جانا تھا
اپنا دامن مجھے بچانا تھا

تھا مسلسل خیال بس اس کا
منہ سے نکلے نہ بات بے ہودہ

بے ادب آپ کا یہ عاصی ہے
اسکو درکار اب معافی ہے

داستان گو

اک ایسی خبر جو تھی الم ناک
جب نشر ہوئی تو قصہ تھا پاک

مجنوں نے سُنی ، تو اپنی پوشاک — باقی جو تھی اسکو کر دیا چاک
پھر خاک پہ مثلِ مرغِ بسمل — بس لوٹنے لگ گیا وہ گھائل
یوں اس پہ عذاب ہو گیا تھا — دل اس کا کباب ہو گیا تھا
دریا کا حباب ہو گیا تھا — ٹوٹا سا رباب ہو گیا تھا
مونس تھا نہ کوئی ہم نوا تھا — کشتی کا نہ کوئی ناخدا تھا
"افتادہ چو مرغِ پرفشاندہ" — روتا تھا کبھی، کبھی تو ہنستا
لب پر تھا فقط اسی کا چرچا — تھا اس کی حیات کا جو ملجا
تن ہو گیا بال سے بھی باریک — ہر شئے تھی نظر میں اسکی تاریک
جسم اسکا تھا جیسے کوئی تنور — تھی صرف سیاہی کچھ نہ تھا نور
زخموں سے ہوا تھا سارا تن چور — جلتا تھا کہ جیسے جاتا ہو مور
خواب و خیال بن گیا تھا — اک تیکھا سوال بن گیا تھا
آتا تھا اسے ذرا جو کچھ ہوش — گر پڑتا تھا ہو کے پھر سے بیہوش
باقی نہ بچا تھا کچھ تن و توش — پس خوردہ ہوا تھا گوشت تا گوش
اور پھر سے وہ ہوش میں جب آتا — اشعار کچھ اپنی دھن میں گاتا

قیس (شکایت از خالِ رخِ یار)

اے حسنِ جہاں سوز یہ کیا تو نے کیا ہے — خاموش سا اک درد ہے جو دل کو دیا ہے
اے خالِ رخِ یار دہائی ہے دہائی — تیری ہی توجہ سے مری جاں پہ بن آئی
اک سنگِ گراں رکھ دیا تو نے مرے دل پر — بہ سہ کر شنا میں نے کیا تو نے ہے شوہر
وہ وقت ہے تو اپنے ہی گھر خرم و خوش ہے — تو اپنے ہی گھر اپنے نگر خرم و خوش ہے
ہو گی کسی شانے پہ تری زلف پریشاں — آغوش میں اک شخص کی تو ہو گی درخشاں

انوار فشاں ہوگا جبیں کا ترے سورج / کہتا ہی ہوگا تجھے وہ "اے مرے سورج"

سرخیِ حیا رخ پہ عیاں ہو رہی ہوگی / ہر رات جواں اور جواں ہو رہی ہوگی

کیا یاد ہے نا چیز سے جو کچھ کہ کہا تھا / تو بھول گئی ہے کہ تجھے یاد ہے وعدا

لیلیٰ مرنے کی ادا یاد دلاتا ہے ہمیں عشق / آدابِ جنوں روز سکھاتا ہے ہمیں عشق

قیس اربابِ جنوں ہم سے نہ ہونگے کبھی پیدا / آئیگا جو کل اس کا تو نقشہ ہے ہویدا

گر تیرا اشارہ ہو تو ہم جان بھی دے دیں / یہ جان تو کیا چیز ہے ایمان بھی دے دیں

اس عشق کی ملتی ہی نہیں تھاہ کہیں یار / کیا علم نہیں تجھکو یہ اک بحر ہے ذخار

کیا اپنے ہی تن پہ چلے اسطرح سے جاروب / کرتا ہے کوئی روح کو اسطرح زدوکوب

پہلو میں نئے یار کے تو آج ہے دلشاد / کرتی ہی نہیں ہم سے پرانوں کو کبھی یاد

تو یار سے اپنے ہو اگر پھر سے ہم آغوش / کر ہم سے نہ عشاق کو للّٰہ فراموش

یوں ہر کس و ناکس کا کوئی دم نہیں بھرتا / اپنوں کو تو رسوا کوئی ایسے نہیں کرتا

ہے دہر یہ اے جان کوئی رخشِ عناں تاب / سکھلاتا ہے جو فرد کو رفتار کے آداب

جس روز کہ ہم نے تجھے دل اپنا دیا تھا / اس دن ہمیں اس بات کا ہرگز نہ پتہ تھا

ہو جائیگی اک غیر کی تو زینتِ پہلو / اس غیر کے گھر ہوگی خجستہ تری خوشبو

خم ہے کبھی کوئی جیسے ہے ابرو کا ترے خم / خم ہے مہِ نو پر ترے ابرو سے ہے کم کم

ہر پھول کے لب پر ترے رخسار کی توصیف / ہر لعل کے لب پر ہے لبوں کی ترے تعریف

اک سرخ سی جو شاہ کے اطلس کی قبا ہے / در اصل ترے قرمزی رخ کی ہی ادا ہے

امسال، جواں سال یہ علیٰ درجے ہے لاغر / منہ میں تو زباں ہے پہ بیاں سے ہے یہ قاصر

اک تن ہی یہ کیا جان بھی ہو جائیگی صدقے / اے جانِ جہاں آن بھی ہو جائیگی صدقے

تن ہے یہ مرا یا کہ کسی تاک کا تنکا
ہے خس کا یہ تنکا کہ ہے خاشاک کا تنکا

دہلیز میں افسردہ پڑی خاک کا تنکا
ہو اسکو شرف گر ہو یہ تری ناک کا تنکا

اک پھونک سے ہی تن مرا اڑ جائے ہوا میں
ادنیٰ سے اشارے ہی پہ مر جائے ہوا میں

وہ حال ہوا ہجر میں میرا کہ کہوں کیا
ڈوبا اسی خلجان میں دن رات رہوں کیا

خود آپ ہی اپنے سے ملاقات ہے کم کم
ایسا تنِ لاغر ہے کہ باقی ہی نہیں دم

ہم آج اگر خوار و زبوں ہیں تو کرم کر
اب اور نہ کر ظلم نہ اس درجہ ستم کر

ہم تیرے ہی گلشن سے جدا ہو کے ہیں نکلے
آوارہ ہم اے سروِ رواں ہو کے ہیں نکلے

اے وعدہ شکن آج بھی ہم دور نہیں ہیں
مجبور ہیں پر ایسے بھی مجبور نہیں ہیں

ہو جاتا ہے جب عہد شکن گل کوئی اس دم
اک خار کے خنجر سے سزا پاتا ہے پیہم

رکھی تھیں دلِ زار نے کیا کیا نہ امیدیں
اس چشم نے پاس آنے نہ دیں کتنی ہی عیدیں

جو کچھ بھی ہوا خیر کسی کو گلہ کیا
جو کچھ بھی کیا ہم نے ملا ہم کو صلہ کیا!

"ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت"
پہنے ہو کوئی ٹاٹ کوئی جامۂ زربفت

رنجیدہ ہوں، غمگین ہوں، ناشاد بہت ہوں
تیری ہی عنایت ہے کہ برباد بہت ہوں

پیوست ہے اے جان ترا غم مرے دل میں
اک خار ہے چبھتا ہے جو پیہم مرے دل میں!

داستان گو

مجنوں کی بوجہ سوگواری
آنکھوں سے سرشکِ خوں تھے جاری

دل اس کے پدر کا بھی تھا بھاری
بھولا تھا وہ اپنی شہریاری

یوسف سے بہت تھا دور یعقوب
بے جرم ہی وہ ہوا تھا معتوب

لگتا نہ تھا شہ کا دل کہیں بھی
تھا آہ سے قلب اسکا چھلنی

تھی روح میں اس کی تشنگی سی
رونے سے کبھی ہو نہ پاتی سیری

دھونے سے نہ کچھ ہے ہونے والا
زنگی کا بدن رہے گا کالا!

جانا کہ یہ ہے سراچۂ تنگ
"تنگ آمدہ" آمدہ زخود جنگ،

وہ ٹوٹ گیا تھا جیسے اک چنگ
جس میں سے نہ رہا ہو کوئی آہنگ

اندوہ تھا دل میں اک سرایت
اس کے ہی پسر کی تھی عنایت

گھر کے ہی چراغ کی تھی یہ آگ
ٹوٹا ہوا ساز بے سرا راگ

بیٹے نے لیا جو ایسے بیراگ
تھا کیسا لگا دکھی یہ اک لاگ

سوچا نہ کچھ اس نے آگا پیچھا
در کھول کے گھر کا اور دریچہ (ق)

وہ جانبِ دشت ہی سدھارا
ماں باپ کو کر کے بے سہارا

دریا تھے، وہ ان کا تھا کنارا
تھے چرخ وہ ان کا تھا ستارا

قسمت جو گہن میں آ گئی تھی
صورت کو ترس رہے تھے اسکی

گل سے بھی جدا ہوئی ہے خوشبو
خم سے بھی الگ ہوئے ہیں ابرو

اور حسن سے دور کب ہیں مہرو
ہے زیست اگر تو ہے تگا پو!

گو حد سے ضعیف تھا زبوں حال
مجنوں کا پدر تھا گو کہ پامال!

پر آس نہ چھوڑی اس جری نے
اور آس کو چھوڑتا وہ کیسے (ق)

دکھ جھیلے تھے اس نے ہنستے ہنستے
سر کتنے ہی معرکے کئے تھے

اسطرح بڑھائی خود کی ہمت
پیری میں دکھائی یوں شجاعت

اٹھ ہاتھ میں لے عصا چلا شاہ
دو بیل تنوں کو لے کے ہمراہ

بے نور تھی دشت کی گذرگاہ
روشن تھی پسر کی قلب میں چاہ

پس چل پڑا دیکھنے پسر کو — تاریکی میں ڈھونڈنے نظر کو !!!

'برگشت بگردِ کوہ و صحرا' — ہر جادہ اسی کو ڈھونڈتا تھا

ڈھونڈا کیا پر پتہ نہ پایا — اک صبح وہ اک جگہ پہ پہونچا

کہتے تھے جسے عقوبت آباد — دوزخ، کہ جہاں تھا قیس برباد

دیکھا جو اُدھر تو بس یہ پایا — ڈھانچہ تھا وہاں اک استخواں کا

اٹھتا تھا کبھی، کبھی تھا گرتا — اپنے ہی خیال میں مگن تھا !!

'آوارۂ از جہانِ ہستی — بیگانۂ از جہانِ مستی !'

چلتا تھا کبھی سبک قدم سے — آگاہ نہ تھا اصولِ رم سے

رونق تھی اسی کے دم قدم سے — اس دشتِ ستم میں صبحدم سے

اک سانپ کی طرح پیچ در پیچ — تھی سر پہ کلاہ اور سر پیچ!

'افتادہ شکستہ، ہوش رفتہ' — تھا دشت میں اس کا حال ایسا

لاریب یہ شہ کا ہی پسر تھا — نوعمر وہ لگ رہا تھا بوڑھا

اک کوہ پہ جا کے ٹک گیا قیس — نخاس میں سستا بک گیا قیس

کچھ دیر میں جب ہوا وہ ہشیار — اور آنکھ کھلی تو اس نے یکبار!

دیکھا کہ پدر کھڑے ہیں غمخوار — پیری سے تھے جو نزار اور زار

آنکھوں سے ہوئے سرشک جاری — کچھ ایسے کہ لگ گئی جھڑی سی

دونوں ہی گلے ملے لپٹ کے — باہم تھے شکایت اور شکوے

راحت ہوئی جب دلوں کو قدرے — مل بیٹھے وہ حالِ دل سنانے

جب قیس نے دل کی بات کہہ دی — تب شاہ نے یوں زبان کھولی :

شاہ

(بے تعبیر خواب)

یہ سمندر دشت اور اس دشت کے لیل و نہار
ریت اور صرف ریت کا یہ بحرِ ناپیدا کنار

بے حسی اور سرد مہری میں نہیں جس کا جواب
جسکو کوئی پڑھ نہ پایا آج تک ایسی کتاب

ایک سناٹا ازل سے ہے جہاں پر حکمراں
خامشی جسکے حدودِ اربعہ میں نوحہ خواں

ہے یہ وہ صحرائے عالی شان جو بے نور ہے
ہے یہ وہ فردوس اس دنیا کی جو بے حور ہے

کیا کہیں کیا چیز ہے اس دشت کی آب و ہوا
ایک موسم وہ بھی بس موسم ہے تابستان کا

آج تک جسکو نہیں معلوم کیا شے ہے بہار
ہیں شگوفے کیا چمن کرتا ہے کیوں سولہ سنگھار

لُو ہے، بالو ہے، تپش ہے، تشنگی ہے، دھول ہے
اس بیاباں میں سرایت ایک ایسا غول ہے

(ق)

غول جو برباد کر دیتا ہے ہر تعمیر کو
جو لئے پھرتا ہے ہر سو برہنہ شمشیر کو!

آ نہیں پاتا یہاں پہ کاروانِ نو بہار
آ بھی جائے تو پنپ پاتا نہیں وہ گلعذار

اسکا افسوں، اسکا جادو، اسکا سحر، اسکا طلسم
روح جسکی کر چکی پرواز ہے اک ایسا جسم

ہے یہ وہ صحرا کہ یکسر گر چکی ہے جسکی ساکھ
جو جلا کر خاک کر دیتا ہے یا ہر شے کو راکھ

غیر تو ہیں غیر اپنوں سے بھی ہے جسکو حجاب
ایک مفلس تنگ چشمی میں نہیں جسکا جواب

بے مروت، بے نوا، مفسد، تہی دست و بخیل
جو کسی کو دے نہ پائے ایک بھی برگِ نخیل

ہے یہ بہرا، سالخوردہ اور بے صوت و زباں
بے تعلق، پُر تکبر، بد مزاج و سر گراں!

خشک فطرت، نامشخص، زود رنج، آتش مزاج
جو ہر اک جاندار سے لیتا ہے ناجائز خراج

دشت جو تاراج کر دیتا ہے ہر تخلیق کو
خاک کر دیتا ہے ہر مسلم کو ہر زندیق کو!

بے سر و ساماں ہے یہ صحرائے ناپیدا کنار
جو ہر اک دامن کو کر دیتا ہے پل میں تار تار

اس بیاباں کے ہوئے لختِ جگر تم تاجدار   دشت کی اس سلطنت پر ہے تمہارا اقتدار

ہے رعیت میں تمہاری ان جفاؤں کا شمار   سنگِ خارہ، ریت، آندھی، دھوپ، گرمی، خار زار

اچھے اچھوں کا کیا ہے تنگ اس نے قافیہ   تم نے ہی سمجھا ہے بس اس دشت کا جغرافیہ

ہے ریاضی وہ کہ جس کے نفع و نقصان سے   ایک تم واقف ہو باقی سب ہیں سرگرداں سے

اسکی خاکستر میں جیسے ہے نہاں وہ کیمیا زر   کیمیا جس نے سکھایا تم کو اے جانِ پدر

تم یہاں آئے نہیں ہو یا دلِ ناخواستہ   بزمِ تنہائی یہاں تم نے ہی کی آراستہ!

تم نے جسکی وجہ سے پہنا جنوں کا یہ لباس   جس کے باعث شہر کی آب و ہوا آئی نہ راس

تم کو اب وہ مل نہیں سکتی تمہیں کیا علم ہے   اس جہاں میں ہو چکی ہے وہ پرائی ایک شئے

جسکی خاطر تم نے مدت تک اٹھائے تھے عذاب   دن کے اس جگ مگ اجالے میں کئی دیکھے تھے خواب

اس سنہرے خواب کی کیا سچ یہی تعبیر ہے؟   رقص کرنا چاہتے ہو پاؤں میں زنجیر ہے!

اٹھ کہاں سکتی ہے اس پر بے ادب کوئی نگاہ   اک شجر ممنوع ہے وہ جسکو چھونا ہے گناہ!

اب بھی ہے وہ پھول سارے ہی چمن کا تاجدار   رات دن اسکی حفاظت کیلئے ہے ایک خار

جانتے ہیں اہلِ دل عشاق کی اشکال کو   تم پہ جو گذری ہے اسکو دوسرے احوال کو!

تم لئے پھرتے ہو اس دنیائے دوں میں کو بکو   اک نوائے سوختہ یا اک فغاں زیرِ گلو

تم لئے پھرتے ہو مدت سے جگر اک لخت لخت   یار کی منزل کڑی ہے عشق کا رستہ ہے سخت

تم لئے پھرتے ہو دل میں درد اور چہرے پہ خاک   ایک دامانِ دریدہ، اک گریباں چاک چاک

حشر ساماں روزگار، آزردہ، آشفتہ دماغ   دیدۂ نمناک، آہِ سرد، جسم داغ داغ

بے سروساماں ہو اتنے آرزو باقی نہ آس   کچھ نہیں ہے اب تمہارے پاس جُز خوف و ہراس

کونسی خفت ہے جو آنسو کے دریا میں نہیں   کونسی وحشت ہے جو اس دل کے صحرا میں نہیں

اے پسر صحرا میں بس تم خاک اڑاتے جاؤ گے / جسکو پانا چاہتے تھے اسکو کیا تم پاؤ گے ؟

جوڑ کر چلتے میں مارا چرخ نے تم پر وہ تیر / آج تک خود چرخ نے پیدا نہ کی جسکی نظیر

اُس طرف دیکھو رواں کیسی ہے رودِ تیز گام / چیر دیتی ہے جو سِل کو سنگ کو کرتی ہے خام

کانپتی ہے جب امڈ آتا ہے طوفانِ سیاہ / کر کے رکھ دیتا ہے اسکو سَیل برباد و تباہ

ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتا ہے کوہِ سخت کو / زلزلہ آ کر ہلا دیتا ہے اسکے تخت کو

ان مظاہر پر کسی کا بھی نہیں ہے اختیار / کس لئے ناخوش ہو کوئی کس لئے ہو سوگوار

غم کا آخر ایک دن ہوتا ہے قصہ مختصر / ہے ازل سے تو یہی دستور اے جانِ پدر

ایک سگ کا بھی وطن ہوتا ہے اے لختِ جگر / آدمی ہو کیوں وطن کو بھول بیٹھے ہو ادھر

میں یہاں آیا ہوں جو ہے میرے دل کا مدعا / میں نے اس دم چند حرفوں ہی میں تم سے کہہ دیا

آج کی ساعت میں ہوں میں ایک بجھتا سا چراغ / چاہتا ہوں مجھکو ہو آلام سے حاصل فراغ

ہو تمہاری زندگی پر سایۂ آسودگی / آج ہو ناشاد لیکن کل میسر ہو خوشی

وقت باقی ہے ابھی تم بات میری مان لو / ہرج ہی کیا ہے جو میری بات پر تم دھیان دو

اب بھی کچھ بگڑا نہیں تم ساتھ آجاؤ مرے / مان جاؤ اے پسر تم ساتھ اب آؤ مرے

پیشتر اسکے بھی دو اک بار بے نیل مرام / جا چکا ہوں میں یہاں سے لیکے اک سودائے خام

میں نے اس سے قبل بھی کوشش یہی ہر بار کی / تم کو دکھلاؤں کہ کیا ہوتی ہے راہِ راستی

آہ برخوردار لیکن تم نے چپ ہی سادھ لی / ورنہ اس دم اور کچھ ہوتی تمہاری زندگی

آج اے نورِ نظر ہے زرد میرا آفتاب / ہو چکا ہوں جاں بلب اور کھو چکا ہوں آب و تاب

پیشتر اس کے کہ بجھ جائے مری شمعِ حیات / دو سہارا مجھکو آؤ تھام لو تم میرا ہات

سن رہا ہوں میں فلک سے آج آوازِ رحیل / ہے یہی آواز بیشک میری رخصت کی دلیل

خوف ہے مجھکو کہیں ایسا نہ ہو جب موت آئے / تم کو اے جانِ پدر اسکی خبر تک ہو نہ پائے

قیس (عشقِ لیلیٰ جس نے تن بدن پھونک دیا ہے)

دور ہے یار منزل کئی کوس ہے — مجھ کو اس بات کا سخت افسوس ہے

آپ جو چاہتے ہیں وہ ہوگا نہیں — ہو سکی ہے جدا جسم سے جاں کہیں

اور ہو گی اگر جان مٹ جائے گی — ہے وہ بازی جو پھر خود ہی پٹ جائیگی

نام لیلیٰ ہے کیا کوئی حرفِ غلط — نام لیلیٰ ہے کیا اک تخیّل فقط

جسکو جب چاہے لکھ دے مٹا دے کوئی — جسکو جب چاہے دل سے بھلا دے کوئی

صرف لیلیٰ ہی لیلیٰ ہے اب سامنے — آندھیوں کو نہ جائے کوئی تھامنے!

جاگزیں دل میں ہے صرف لیلیٰ کا غم — لعلِ زیبا کا لوٹے لالا کا غم!

لوگ اکثر یہ کہتے ہیں لیلیٰ مری — ان نواحوں میں ہے اک پری قاف کی

لوگ کہتے ہیں وہ ایک ایسی ہے شے — تن ہی تن ہے فقط جسم ہی جسم ہے

اور کہنا ہے لوگوں کا جسمِ حسیں — اسکا ایسا ہے جیسا کسی کا نہیں

اُن سبھی سے کہوں گا میں یہ باادب — بات منہ سے نکالیں نہ یوں بے سبب

صرف اس پر ہی کرتے نہ یوں اکتفا — اس سے آگے کبھی کہتے کہ لیلیٰ ہے کیا

لوگ جو کچھ بھی کہتے ہیں سب ٹھیک ہے — اس سے بڑھکر ہے لیلیٰ کوئی اور شے

اک تمدن ہے وہ ایک تہذیب ہے — جو کہ گستاخ ہیں ان کو تادیب ہے

اک نفاست ہے اور ایک پاکیزگی — اک فصاحت ہے اور ایک شائستگی

ہے علامت وہ اس دہر میں نور کی — ہے ضیافت وہ اک شعلۂ طور کی!

ہے اشارت وہ مریم کی تقدیس کی — ہے طہارت وہ معصوم بلقیس کی۔

ہے وہ اک ایسی ہستی والا صفات — ویسی کوئی نہیں ڈھونڈ لیں شش جہات

ہے وہ گل کا تبسم، سحر کی ضیا
جل رہا جو صرصر میں ایسا دیا — !

صبح کے ہاتھ پر ہے وہ رنگِ حنا
ہے وہ سورج کی تابش، قمر کی ضیا

شام کے کالے گیسو میں پھولی شفق
حسن کے جس کے شہرے افق تا افق

ہے گھٹاؤں کی آنکھوں کا کاجل وہی
برق کی چشمکوں میں ہے چنچل وہی

سازِ ناہید کی ہے وہ اک نغمگی
اور ثریا کے ماتھے کی تابندگی — !

دشت میں وہ پرندوں کی چہکار ہے
یا لپکتی فضاؤں کی جھنکار ہے

ہر شبستاں کا سربستہ اک راز ہے
سر سے پا تک فقط ناز ہی ناز ہے

الغرض اس کی توصیف ہو اور کیا
یعنی اب اس کی تعریف ہو اور کیا !

بات کو مختصر کر کے اتنا کہوں
اس کے آگے نگوں سر ہے دنیائے دوں

ایک حبّہ بھی دے کر میں دنیا نہ لوں
عشقِ لیلیٰ کو لوں جان و تن بیچ دوں

عشق کے سامنے ایک عالم ہے ہیچ
ہر سمندر ہے ہیچ برّ اعظم ہے ہیچ

اپنی ہستی کو میں نے کیا خاک ہے
عشق کے سامنے ہیچ افلاک ہے

آج کے دن یہ ناچیز کا حال ہے
نام ہی پر مرے قرعۂ فال ہے !

علم ہے مجھ کو ہیں آپ میرے پدر
میرے سورج ہیں آپ اور میری سحر

آپ آقا مرے آپ کا میں غلام
آپ کی ذات ہے قابلِ احترام

میری رگ رگ میں جولاں ہے خوں آپ کا
میرا اپنا نہیں کچھ، [illegible] کچھ مرا !

ریزہ چیں ہوں میں بس آپ ہی کا حضور
بخش دیں مجھ کو میں نے کیا جو قصور

خربزہ ہوں میں ایسا کہ جس کا مگس
کھا چکا مغز اور پی چکا جس کا رس

ہے مناسب یہی اب شکم دیں تراش — اور اس طرح کر دیں مجھے قاش قاش
خواستگارِ معافی ہوں اے محترم — میں ہوں واللہ محتاجِ نظرِ کرم!
جس گھڑی مجھ پہ اٹھ جائے گی وہ نظر — جس نظر کا ہوں مدت سے میں منتظر
ایک ساعت میں ہر کام بن جائے گا — روح کھل جائیگی، دل سکوں پائے گا
آپ کی ہے نفس اے پدر جانفزا، — آپ کی گفتگو جیسے بانگِ درا
آپ نے جو بھی پند و نصائح دیئے — اُن کو ناچیز نے حرزِ جاں کر لئے
ہیں چراغِ دل افروز سارے ہی پند — یاد رکھنے کے ہیں روز سارے ہی پند

شاہ

(مستزاد)

جو بھی کہنا تھا مجھے آج کے دن جانِ پدر — اے مرے لختِ جگر
میں نے کہہ ڈالا مگر اتنا کہوں گا اب اور — بات ہے قابلِ غور
اس کا افسوس ہے لیکن کہ اثر کچھ بھی نہیں! — ایسا ہوتا ہے کہیں
تم سنو یا نہ سنو فرض ادا میں نے کیا — جو بھی دینا تھا دیا
اس گنہگار کے ہونٹوں پہ یہی اب ہے دعا — سن لے اے میرے خدا
زلزلے آئیں مگر تم پہ کوئی آنچ نہ آئے — کوئی شر تم کو نہ ڈھائے
بجلیاں ٹوٹیں مگر تم کو نہ ہو کوئی گزند — راہ کوئی نہ ہو بند
آئیں سو طرح کے راہوں میں تمہارے آسیب — تم نہ کھاؤ گے فریب
میرا رب ہر نظرِ بد سے بچائے تم کو — تم کو تکلیف نہ ہو
کوئی رنجش کوئی صدمہ کوئی دکھ پاس نہ آئے — تم کو اللہ بچائے
سیلِ غم آئے مگر چھو نہ سکے ایک بھی موج — ہو تمہارا وہ اوج

آندھیاں آئیں مگر تم پہ نہ آئے آفت ‎ ‎ ‎ ہو خدا کی رحمت

آئیں آلام پہ محفوظ رکھے تم کو خدا ‎ ‎ ‎ بال نہ ہووے بیکا

رب تمہیں اپنے سدا حفظِ اماں میں رکھے ‎ ‎ ‎ دور ہر غم بھاگے

ہے دعا میری نگہباں ہو سدا رب کریم ‎ ‎ ‎ تم کو چاہے وہ علیم

اپنے معبود کو اب سونپ رہا ہوں تم کو ‎ ‎ ‎ شاد و آباد رہو

نیک رستے پہ چلو دور بدی سے بچاؤ ‎ ‎ ‎ خیر کو اپناؤ

پسرِ نوح نے جب صحبتِ بد اپنائی ‎ ‎ ‎ تو نبوت کھو دی

کوہ سے راز کہو گونج کے واپس آئے! ‎ ‎ ‎ راز افسانہ بنے!

رازِ افشا نہ کبھی دل کا کسی پر کرنا! ‎ ‎ ‎ اور نہ آہیں بھرنا

دہر اک دیو ہے اک دیوِ فرشتہ صورت ‎ ‎ ‎ ہے یہ ابلیس صفت

اسکے شر، اس کی ذلالت سے نہ غافل رہنا (ق) ‎ ‎ ‎ جور تم مت سہنا

مردِ بیکار ہے مانند خرِ ناکارہ ‎ ‎ ‎ جو پھرے آوارہ

اس چمن زار میں ہرگز نہ رہو تم بیکار (ق) ‎ ‎ ‎ ہو سدا برسرِ کار

اس جہاں میں کوئی آسودہ نہیں کوئی نہیں ‎ ‎ ‎ ایسا ملتا ہے کہیں

برق کو دیکھو کہ اک لحظہ نہیں اسکو قرار (ق) ‎ ‎ ‎ رقص میں ہے وہ شرر

آہ اک رہ گذرِ سیلِ حوادث ہے یہ دہر ‎ ‎ ‎ لطف بھی اسکا ہے قہر

اس جہاں والوں کے الطاف سے رہنا ہشیار ‎ ‎ ‎ بچ کے رہنا بسیار

میں تو اس شخص کی تعریف کروں گا یکسر ‎ ‎ ‎ جو اڑا لائے گہر

(ق)

قیمتی، خسرو پرویز کے گنجینے سے گرچہ ہوں سو پہرے
تم کسی کام میں ہرگز نہ برتنا غفلت دے خدا دہ حرفت
تم کھِلو گلشنِ دنیا میں گلِ ترکی صفت جھکو مہ کی صورت
(ق)
تاکہ خوشبو سے تمہاری یہ معطر ہو جہاں کارگہہ شیشہ گراں
ہو کبھی ایسی نہ صورت کہ بنو باج گذار یا کسی دوش پہ بار
(ق)
کوئی فاتح کسی ویرانے سے لیتا نہیں باج نہیں لیتا ہے خراج
آسماں سات ہیں کُل جو ہیں بلند و بالا عرش کا دُنبالہ
(ق)
آج تک کوئی انھیں مات نہیں دے پایا سامنے کون آیا ؟
تم بھی اس دہر میں ایسے ہی مناصب پاؤ شاہِ گیتی بن جاؤ

قیس (خدا حافظ!)

اے مرے قدرداں خدا حافظ — اے مرے مہرباں خدا حافظ
عقل کے ہم زباں خدا حافظ — عشق کے راز داں خدا حافظ
اے مرے پاسباں خدا حافظ — اے مرے سائباں خدا حافظ
تھیں دعائیں یہیں مری مسموع — اے مرے آستاں خدا حافظ
میرا غنچہ یہیں پہ پھول بنا — اے مرے گلستاں خدا حافظ
تو مرے حال پہ تھا گریہ کناں — اے مرے نوحہ خواں خدا حافظ
تجھ پہ میں چاند بن کے چمکا تھا — اے مرے آسماں خدا حافظ
باعثِ ناز ہے تری تقدیس — پرتوِ قدسیاں خدا حافظ
گرد کو بھی میں پا سکا نہ تری — اب ہوں محوِ فغاں خدا حافظ

تو کہ تھا گنجِ شائگاں یعنی — دولتِ دو جہاں خدا حافظ
میں ہوں تیرا ہی نجمِ ادنیٰ سا — اے مری کہکشاں خدا حافظ
برق تجھ کو کبھی جلا نہ سکی — اے مرے آشیاں خدا حافظ
تجھ میں میں خس کا ایک تنکا تھا — میرے سیلِ رواں خدا حافظ
میری رگ رگ میں ہے لہو تیرا — میری عمرِ رواں خدا حافظ
تری آواز تھی کہ بانگِ درا — نازشِ کارواں خدا حافظ
اس غمِ روزگار نے تجھ کو — کر دیا نیم جاں خدا حافظ
ہے نہ طاقت نہ ہے توانائی — اے دلِ ناتواں خدا حافظ
جاتے جاتے تو کہہ رہا ہے یہی — دشتِ سود انشاں خدا حافظ
آ گئی ہے گھڑی جدائی کی — چشم ہے خونچکاں خدا حافظ
بات کو طول دے نہ پاؤں گا — نہیں تابِ بیاں خدا حافظ
اے خدیو فلک اب آخرِ کار — ختم ہے داستاں خدا حافظ

داستان گو

اُس دشت کی پا سکے نہ کچھ تھاہ
جس راہ سے آئے لی وہی راہ
اک آگ لگ رہی تھی دل میں
چاہا تھا کہ ہو عصا پہ رکا
تھا ساتھ عصائے چوبِ صحرا
موت آئے وہ ہوں یہاں سے رخصت

تب لے کے مقربوں کو ہمراہ!
رخصت ہوئے بن سے شاہِ ذیجاہ
کر پائے نہ تھے شگاف سل میں
لیکن نہ ہوا یہ خواب پورا
اب تھا فقط ایک ہی سہارا
یعنی کہ ہوں اس جہاں سے رخصت

شہ سوچ میں تھے یہی مسلسل ۔ سینے میں بپا تھی ایک ہلچل

بے چین تھے، بے قرار، بیکل کیوں آج نہ ہو جو ہونا ہے کل

ہے موت علاجِ غم سدا سے کتنے ہی گئے ہیں یاں سے پیاسے

لے کر گئے دل میں کتنے ارمان اور سینے میں خواہشوں کے طوفان

لے کر ہی سدھارے کتنے انجان وسواس، تردّد اور خلجان

یہ بات کسی نے یوں کہی ہے دنیا کی روش یہی رہی ہے

القصّہ بڑی ہی دقتوں سے شہ اپنے صدر مقام پہونچے

کچھ دن یوں ہی قصر میں بتائے اور پھر وہ جہان سے سدھارے

رخصت ہوئے بادشاہِ عالی تھے دونوں ہی ہاتھ ان کے خالی

یوسف کو ابھی پتہ نہیں تھا یعقوب کا اٹھ گیا تھا سایا

آشفتہ تھا درمیانِ صحرا بڑھتا ہی چلا تھا اسکا سودا

لمحات گذر رہے تھے بے سود تھی آگ مگر کہیں نہ تھا دود

اُس دشت میں صبح جب بھی آتی انوار کی چاندنی بچھاتی

ہر ذرّہ دشت کو جلاتی ہر خار کی تیغ کو پلاتی

کرنوں کا سنہرا صاف پانی ہو جاتی تھی دور سرگرانی

کھل جاتا تھا جب سحر کا پرچم ہو جاتا تھا گنگ ایک عالم

بھر دیتی تھی اپنی مے سے شبنم صحرائی گلوں کے ساغرِ جم ۔

اک روز طلوعِ مہر کے سات دی رات کو صبح نے جو تھی مات

اُس دشت میں آیا ایک صیّاد صیّاد تھا ایک مردِ آزاد

دیکھا کہ لئے لبوں پہ فریاد — بیٹھا تھا کوئی تباہ و برباد
نومید، نزار، سر بزانو — نمدیدہ و خشمناک ابرو
بیٹھا تھا جو خستہ حال و غمناک — اس دشت ستم میں پیرہن چاک
پہنے ہوئے خاک و خوں کی پوشاک — تھا قیس جسے تھا اتنا ادراک
لیلیٰ کے سوا جہاں میں کیا ہے — اِس عالم اِنس و جاں میں کیا ہے!
صیاد کو پس ہوا یہ معلوم — ہے خستہ، خراب قیس مظلوم
چہرے پہ فقط ہے یاس مرقوم — ہے اسکی ہر اک امید معدوم
صیاد کی بات میں تھی تلخی — لہجے سے عیاں تھی ناگواری

صیاد (قالین کا شیر)

اے بے حس و رسوا پسرا ے ناخلف اولاد — صد حیف کہ مادر نہ پدر کی ہے تجھے یاد
اس دشت میں آیا تھا میں اک صید کی خاطر — پیشہ ہے یہی میرا کہ صیاد ہوں آخر
آیا تھا میں لپکا ہوا اک شیر کے پیچھے — سوچا تھا کہ صحرا میں شکار اسکا میں کرکے
بیچونگا اُسے اور گذر اپنی کرونگا — مل جائیں گے کچھ دام تو پیٹ اپنا بھرونگا
اس شیرِ بیاباں کے تعاقب میں پیاپے — پہونچا جو ادھر دیکھا کہ آشفتہ کوئی ہے
بیٹھا ہوا، ٹوٹا ہوا، مارا ہوا غم کا — نومید، نکوہیدہ، نکھارا ہوا غم کا
دیکھا جو ذرا پاس سے پایا کہ یہ تو ہے — اے قیس یہاں خاک پہ تیرا ہی لہو ہے!
مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے — قالین کا تو شیر ہے جو ہے مرے آگے
کچھ تجھ کو سحر کا بھی پتہ ہے کہ نہیں ہے — کچھ اپنے پدر کا بھی پتہ ہے کہ نہیں ہے
اک زن ہی فقط کیا ہے ترے فکر کی سرحد — لیلیٰ ہی فقط کیا ہے تری زیست کا مقصد!

رسوا ہوا اشر دہر میں تیرے ہی سبب سے
منہ اپنا چھپاتا رہا اس وجہ سے سب سے
اس دہر میں کیا کیا نہ سہی اس نے اذیت
اور اس پہ پڑی شہر میں کیا کیا نہ مصیبت
بدنام ہوا، خوار ہوا ساتھ ہی رسوا
سودا یہ ہر کیف پڑا ہے تجھے مہنگا
تھا اسکو ترا تجھکو کسی غیر کا سودا
قسمت نے تجھے لا کے بہت دور ہے مارا
جو فخر ہوں اجداد کے ہوتے ہیں سپوت اور
اب آئیں نہ اس دہر میں تجھ جیسے کپوت اور
اک فلسفئ ہند نے کیا بات کہی ہے

فلسفئ ہند

صدیوں سے زمانے کی یہی ریت رہی ہے!
پوت ہو سپوت تو دھن کاہے کو
پوت ہو کپوت تو دھن کاہے کو!

صیّاد

ہے تیرے پدر کی یہی اب ایک نشانی
تربت ہے نقط خاک کی اے باپ کے جانی
جاتا ہے زیارت کو وہاں ایک زمانہ
اس خاک میں مدفون ہے بے مثل خزانہ
کچھ شرم و ندامت بھی تجھے ہے کہ نہیں ہے
اُس نام کی حُرمت بھی تجھے ہے کہ نہیں ہے!
بے شرم تو جھانک اپنے گریباں میں ذرا تو
اس نام کی باقی ہے ہوا میں ابھی خوشبو
اُس قبر پہ جا مانگ لے تو دل سے معافی
اس رُوحِ مقدّس کیلئے ہے یہی کافی!

داستان گو

جیسے ہی خبر سُنی یہ جانکاہ
دنیا سے سدھارے شاہ ذیجاہ
تھی قیس کے غم کی پھر نہ کچھ تھاہ
نکلی دل سوختہ سے اک آہ
گھلنے لگا اسکے تن کا ڈھانچہ
جڑنے لگا خود کو ہی طمانچہ
سیماب صفت وہ ہو گیا تھا
آرام و قرار بھول بیٹھا!!

اس درجہ ہوا وہ دل گرفتہ — بہنے لگا آنسوؤں کا دریا
پھر اٹھ کے اُدھر ہوا روانہ — مدفون جہاں تھا وہ خزانہ
جب باپ کی قبر پر وہ بے آس — آیا تو فقط یہی تھا احساس
جسطرح کہ کھا لیا ہو الماس — دنیا نہیں آس کی اسے راس
اک چشم زدن میں وا تھی آغوش — تربت پہ گرا وہ ہو کے بیہوش
جب اٹھا اڑائی سر پہ کچھ خاک — داماں کو اپنے کر دیا چاک !
پھر خون کی لالہ رنگ پوشاک — پہنی مجنوں نے ہو کے بے باک
تھا کوئی نہ ہم صفیر اسکا — اب تھا نہ کوئی نصیر اسکا
لکھی تھی جبین پر یتیمی — تھی دشتِ ستم کی دستگیری
قسمت میں تھی پیش و پس خرابی — ہر شے معدوم ہو گئی تھی
غم خوار نہ تھا کوئی جہاں میں — باقی نہ مزا تھا داستاں میں
کچھ اتنے سرشکِ خوں بہائے — مجنوں نے، کہ بحر و بحر نہائے
جب دل سے نکل رہی تھی ہائے — آہوں کے چراغ جھلملائے
اور مثلِ سراب تھا وہ مضطر — یعنی کہ اک استخواں کا پیکر

بیس (طلبِ گارِ عفو)

ج میں آیا ہوں تربت پہ تری خاک بسر — مرے غم خوار، مرے راہ نما، میرے پدر
یں کہ آیا ہوں جلائے ہوئے آہوں کے چراغ — مل نہیں پایا مجھے آج تلک اپنا سراغ
دلِ پُر سوز لئے دیدۂ نمناک لئے — مغزِ آشفتہ لئے سینۂ صد چاک لئے
خونچکاں آج ہیں اس دہر میں میرے شب و روز — کوئی فردا ہے مرا اور نہ کوئی امروز

تو مرا قافلہ سالار تھا اس دنیا میں
ایک تو یاور و غمخوار تھا اس دنیا میں

کس طرف جاؤں کہاں تجھ کو صدا دوں بابا
غیر ممکن ہے کہ میں تجھ کو بھلا دوں بابا

حالِ زارِ پسرِ شاہ تو برخیز و ببیں
شہد بھی سم ہے مرا تلخ ہے میرا شیریں

دستگیری سے تری آج ہوا ہوں نومید
ضبط کرتا ہی نہیں دل کو کروں کیا تاکید

آج شرمندہ و نادم ہے مری گستاخی
ہے خجل اپنے کئے پر یہ غریب خاکی

میں نہ چل پایا کبھی راہِ طریقت تیری
زندگی لائقِ بخشش تو نہیں ہے میری

تو حقیقت کی بلندی پہ رہا سرافراز
میں نے اپنائی نشیبوں میں ادھر راہِ مجاز

تو نے چاہا تھا ہو آراستہ اک بزمِ نشاط
میں نے ویرانی میں ایام گزارے ہیہات

میں کہ آیا ہوں تری خاک کا کرنے کو طواف
التجا ہے مرے ہر جرم کو کر دے تو معاف!!

اپنے جرم اپنے گناہوں کا گرفتار ہوں میں
زار ہوں، خوار ہوں، رسوا سرِ بازار ہوں میں

مجھ کو ڈر ہے مجھے ماخوذ کریگا مرا رب
لطف تیرا مجھے مل جائے تو ہو سہل یہ سب!

تیر اک سینے پہ مارا ہے تری رحلت نے
چاک کر ڈالا گریبان مری وحشت نے

سینہ زخمی ہے جگر سوختہ اور دل ہے کباب
اتنا لاغر ہوں کہ باقی نہ تواں ہے نہ ہے تاب

جس طرف دیکھئے آہوں کا دھواں اٹھتا ہے
اک دھواں اٹھتا ہے فریاد کناں اٹھتا ہے

اک نظر دیکھ لے کس طرح سے میں جیتا ہوں
زخمِ دل سیتا ہوں اور خونِ جگر پیتا ہوں

کوئی الفاظ نہ اب تابِ بیاں ہے باقی
اک فقط قیسِ حزیں نوحہ کناں ہے باقی!

داستان گو

مجنوں نے بہائے اشک اتنے
آنکھوں سے یہ بہنے والے فتنے

تارے سرِ آسماں ہیں جتنے
طوفان اٹھا رہے تھے کتنے

کچھ دیر میں رک گئی جو برسات
معمول پہ آئے قدرے حالات

تب بستر خاک سے وہ غمناک
اٹھا لئے قلب میں یہ ادراک

غمخوار پدر ہے تو دۂ خاک
اولاد ہے خود وہ جسکی ناپاک

روتا ہوا چل پڑا وہاں سے
واقف نہ تھا نفع و زیاں سے

راہی ہوا وہ سوئے بیابان
آنکھوں کا لہو تھا اسکے ارزاں

ہر شب زفراق بیت خوانان
پہنچا وہ اسی جگہ شتابان

تھا جو کہ صدر مقام اس کا
آشفتگی و جنوں کا صحرا

صحرا کہ جہاں عیاں تھی زنجیر
تھی جس پہ رقم جنوں کی تحریر

چلتی تھی جہاں پہ لو کی شمشیر
جس دشت میں تھی طپش جہانگیر

وی کرد بہ ساں سرشک باری
امّا بہ طریق سوگواری

وی رفت چو باد در بیاباں
اتنا ہی تھا اس کا ساز و ساماں

آشفتہ، نزار، چاک داماں
وحشت زدہ، سوختہ پریشاں

مشفق تھا نہ کوئی مہرباں تھا
صحرا میں جنوں کا کارواں تھا

اس دشت میں جو بھی جانور تھے
سب قیس کے واسطے خضر تھے

بنجاروں کی طرح دربدر تھے
حالانکہ وہ خود ہی بے بصر تھے

القصہ یہ وحشیانِ صحرا۔
آزاد تھے درمیانِ صحرا

کافی تھے درندگانِ خونخوار
چیتے بھی تھے، شیر بھی تھے بیدار

سگ بھی تھے پلنگ بھی بد اطوار
روباہ بھی گرگ بھی سیہ کار

وایشاں ہمہ گشتہ بندہ فرماں
او بر ہمہ شاہ چو سلیماں،

خرگوش نے گرگ سے کی یاری
اور میمنہ نے بھی باری باری

کی گردنِ شیر پر سواری
بڑے کی پلنگ پر عماری

چیتے کی تھی صلح مخلصانہ
گو زن سے زراہِ دوستانہ

ان جانوروں میں تھا اک آہو
معروف جو تھا بنامِ مہرو

تھا فہم و خرد سے جو ارسطو
تھا دشت میں جس کا ذکر ہر سو

کیا اور بیاں صفت ہو اسکی
کہنے کو نہیں کچھ اور باقی

مستغنی، خجستہ و سرافراز
شائستہ و اشرف و خوش آواز

مشہور تھے جس کے ناز و انداز
تھا سامنے اب وہی فسوں ساز

و مجنوں کہ بہ آہواں نظر داشت
بروے نظرے تمام تر داشت"

مانوس ہوا وہ اس ہرن سے
اس درجہ کہ وہ بغیر اس کے!

رہتا نہ الگ تھا چند لمحے
بس ایسے ہی دن گزر رہے تھے

لیلیٰ کو سدا ہی یاد کر کے
لیتا تھا وہ اس ہرن کے بوسے

لوگوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا
اس بات پہ سب کو تھا اچنبھا

رشتہ سا یہ آدم اور ہرن کا
میلان ہے دونوں میں یہ کیسا؟

ہوتے ہیں جہاں میں ایسے کم کم
ملتے ہی کہاں ہیں ایسے آدم؟

تھے راہ سپار کچھ مسافر
اللہ تھا جن کا راہ میں ناصر!

اس دشت میں تھا جو دشتِ قاہر
بستا تھا جہاں یہ قیسِ عامر۔

دی قیس کو ان مسافروں نے
خوراک طعام میں سے اپنے!

پکوان: تھا گو بہت مزے کا
پر قیس نے اس سے کچھ نہ چکھا

پورا ہی درندوں کو کھلایا ۔ بھوکا ہی رہا پہ کچھ نہ کھایا
ممنون تھا ان مسافروں کا کوزے میں جو لے کے آئے دریا
مشکور ہوئے سبھی درندے برتاؤ ہوا جو ساتھ ان کے
بس ایک ہی لحن میں وہ بولے

درندے ۔ اے قیس تمہیں خدا نوازے
ہم پر جو کیا ہے تم نے احساں کیا بھول سکیں گے ہم وہ حیواں؟

حکایت

سُنا ہے کہیں تھا کوئی حکمراں اسے لوگ کہتے تھے شاہِ جہاں
بہت اسکو آتے تھے آئینِ حرب اٹھاتا تھا جب تیغ کاری تھی ضرب
وہ اک تیر انداز مشّاق تھا فنِ نیزہ بازی میں وہ طاق تھا!
بلا کا مبارز ، بلا کا دلیر گرجتا تھا وہ جنگ میں مثلِ شیر
رکھے اس نے تھے چند خونخوار سگ محل میں تھی ان کی رہائش الگ
جو ہوتا کسی سے خفا بادشہ تو کرتا خیالِ جفا بادشہ
غلاموں کو پس حکم دیتا تھا شاہ

حکمراں کرو پہلے اس دزد کا روسیاہ
تب اس کی ذرا گوشمالی کرو یہ چیخے گا پر کان تم مت دھرو
پھر اسکو سگوں کے حوالے کرو کرو اسکو فی النّار جینے نہ دو
ندیموں میں شہ کے جواں ایک تھا بہت خوش خصائل بڑا نیک تھا
اسے یاد تھے اتنے سارے ہنر رعیّت تھی حیراں جنھیں دیکھ کر

مگر شاہ کے ظلم سے تھے اسے (ق) کئی قسم کے ڈر کئی وسوسے!

کہ اک دن وہ بیگانہ ہو جائیگا کہ بے جرم ہی وہ سزا پائیگا!

سحر گاہ اک برّۂ گوسفند علاوہ ازیں ساتھ میں مرغ چند

وہ کتوں کے کمرے میں رکھ دیتا تھا بہم کرتا تھا ان کو عمدہ غذا

یہ ہر روز کا اسکا دستور تھا ہراک سگ بہت اس کا مشکور تھا

نگوں سر تھا اس نوجواں کے حضور ہراک آہنی چنگ سگ کا غرور

وہ اندیشہ اس نوجواں کو جو تھا بالآخر وہ اک روز پورا ہوا

ہوا بادشہ ایک شب خشمناک - کہا

حکمراں

کردو اس شخص کا قصہ پاک -

یہ ہے مابدولت کی آنکھوں میں خار کہ یہ نوجواں ہے بہت بدشعار

سُنا حکمِ حاکم تو بولے رقیب -

رقیب

ہے مرگِ مفاجات اسکا نصیب

غلاموں نے پس حکم جونہی سُنا کسے اسکے زنجیر سے دست و پا

سگوں کے خرابے میں پھینکا اسے انھیں کیا غرض تھی جئے یا مرے

نکل آیا مشرق سے سورج ادھر گئی رات سج دھج کے آئی سحر

اٹھا بسترِ عیش سے بادشہ اسے یوں لگا جیسے دن ہو سیہ

بہت دل میں اپنے پشیماں ہوا کہا خود سے تونے یہ بیجا کیا!

پھر اپنے ندیموں سے گویا ہوا

حکمراں

بہت دکھ ہے جو کچھ کہ ہم نے کیا

نہیں تھا خطا کار وہ نوجواں
کہ بیجا ہوا اُس کی جاں کا زیاں

ہمارے اشارے پہ وارا گیا
وہ گلفام بس یونہی مارا گیا

نہایت غریب اور مظلوم تھا
بہت بے گنہ اور معصوم تھا

کڑی ما بدولت نے دے دی سزا
رکھا ہم نے ظلم اس پہ ایسا روا

بہر کیف جو بھی ہوا سو ہوا
ذرا اُس پہ دیکھیں کہ بیتی ہے کیا

مٹی کس طرح سے درندوں کی بھوک
کیا کیا ہے کتوں نے اُس سے سلوک

ملی جونہی سگبان کو یہ خبر
پشیماں شہنشاہ ہے سر بسر

وہ شہ کے حضور آیا بھاگا ہوا
نہایت ادب سے وہ گویا ہوا

سگبان

شہنشاہ ذیجاہ، خاقانِ دہر
غلام آپ کے مشتری اور مہر

مراتب ہوں سرکار کے اور بلند
نہ ظلِّ الٰہی کو پہنچے گزند

سزا جسکو کل آپ نے دی تھی حضور
سراسر جواں جو کہ تھا بے قصور

جو ہے نیک خو اور عالی صفات
بفضلِ خدا وہ ابھی ہے حیات

ذرا آئیں گر ساتھ ظلِّ الٰہ
تو دیکھیں گے اسکا سگوں سے نباہ

وہ ہے ایسے ان جاں سپاروں کے بیچ
کہ ہو چاند جیسے ستاروں کے بیچ

ہیں دندانِ سگ الغرض قہر بست
وہ بھوکے ہیں پھر بھی ہیں ہر طرح مست

وہ معصوم ہے اک فرشتہ صفت
بنیں اس کے سرکار اب سرپرست

خبر جب سُنی یہ شہنشاہ نے
ہوئی حد سے زائد مسرت اُسے

دیا اس کی فوری رہائی کا حکم
کہ تا اور ہو اُس جواں پر نہ ظلم

اسے پیشِ حاکم بلایا گیا
وہ توقیر و عزت سے لایا گیا!

جب آیا، کیا شاہ نے یہ سوال
ہوا دور کیسے تمہارا وبال؟

حکمراں

نوجواں

کروں پہلے میں شکرِ ایزد ادا
کہ جس نے نئی زندگی کی عطا

کروں شکریہ آپ کا پھر ادا
پیامِ حیات آپ ہی سے ملا

سبب بس یہی ہے کہ میں نے حضور
رکھا ان درندوں کو دل سے نہ دور

کلیجے سے اپنے لگایا انھیں
نوالہ مرغّن کھلایا انھیں

سبق اس سے مجھ کو ملا اور ایک
ہے نیکی کا بدلہ بہر حال نیک

کرے صلح سگ استخواں سے اگر
تو اس میں کہاں ہے کسی کا ضرر

کہ کرتے ہیں منعم کو اپنے تمام
پرندے، چرندے، درندے سلام

یہ احساں فراموش انسان ہے
بہت ناتواں اس کا ایمان ہے!

مری عرض کا مدّعا ہے یہ بس
کریں ہم نہ نیکی میں کچھ پیش و پس

کریں اپنے محسن کو ہم دل سے یاد
جہاں تک ہو ممکن کریں اسکو شاد

یہاں التجا ہے حضور آپ سے
ضرورت اس پہ کچھ غور فرمائیے

کہیں سگ پرستی کو اب خیرباد
یہ لعنت ہے اور طور ہے نامراد

داستان گو

اس دشت کی حد میں رہتے بستے
مجنوں کے سلوک بھی یونہی تھے

تھے اس پہ بھی مہرباں درندے
اسکو نہ تھا کچھ گزند ان سے

ہر گام تھے وحشیانِ صحرا
سب رام تھے وحشیانِ صحرا

اک صبح تھی ہر طرح دل آویز
لمحات سحر کے تھے فسوں ریز

تھا قیس ازل سے ہی سحر خیز
تنہائی پسند اور کم آمیز

اس پر جو اثر کیا سحر نے
پھر حمد کے پھوٹ نکلے جھرنے

حمد (بر لبِ قیس)

مِرے خالق اے میرے پروردگار
خداوند، اے میرے آمرزگار!

نہیں ہے کہیں تجھ سے برتر کوئی
نہیں تیرا ثانی نہ ہمسر کوئی

تری ہی ولایت ہیں فتح و ظفر
ترے حکم میں شام ہو یا سحر

تجھی سے مرا دل ہوا زورمند
تجھی سے مرا حوصلہ ہے بلند

ترا نام سرنامۂ نام ہے
ترا نام ہر دل پہ ارقام ہے

تو ہی عقلِ کُل ہے تو ہی عشق ہے
نہیں تجھ سے افضل کوئی شئے

تو ہے میرے رب خالق العالمین
تو مختارِ کُل مالکِ یوم دین

ترے حکم ہی سے بنے اِنس و جن
یہ شام و سحر، دوپہر، رات دن

تو ہی کارفرما تو ہی کارساز
زیاں اور منافع سے تو بے نیاز

تو ہے میرے رب احسن الخالقین
ترا ہی سہارا ہے حبل المتین

کرم سب پہ ہے ذاتِ باری ترا
ہے سرچشمۂ فیض جاری ترا

تو اپنی صفت ہی سے موصوف ہے
ازل تا ابد تو ہی معروف ہے

سبھی کچھ ہی تیرا ہے میرا یہاں
ہے مطلق ہر اک امر تیرا یہاں

تو صاحب ہے اے احکم الحاکمین
نہیں کوئی تجھ سا کہیں بالیقیں

کہیں بھی نہیں تیرا کوئی شریک
ترے در سے ہی سب کو ملتی ہے بھیک

ہے جسکا بھی عالم سرا میں وجود — ہے جس کے بھی سر کو غرورِ سجود
جو سر اور کوئی در نہیں جانتا (ق) — ترے آستاں تیرے در کے سوا
اُسی کیلئے ہے یہاں عزّ و جاہ — اُسی سر کو بخشی ہے تو نے کلاہ
ہیں رطب اللساں سب زمین آسماں — تری مدح میں شاہِ کون و مکاں
ترا وِرد ہے رات دن صبح و شام — ہماری زباں پر بشرِ خاص و عام
ترے حکم سے خالقِ کائینات — جہاں میں ہے کارِ جہاں کو ثبات
تو گم کردہ رہ کو دکھاتا ہے راہ — اندھیرے سے دیتا ہے تو انتباہ
تو ہے آفرینندۂ روز و شب — ہمارے لبوں پر دعا ہے یہ اب

کہ اے میرے رب پاک پروردگار
کرم کی نظر کر کہ بیڑا ہو پار!

حکایت

کہتے ہیں کہ تھا یمن میں اک شاہ — اس ملک میں تھا نہ کوئی گمراہ
خرم تھی رعیّت اور خوش حال — تھا سب کو ملا متاع اور مال
دربار میں اک روز شہ کے — گویا ہوا اک وزیر ادب سے

وزیرِ یمن

اے بادشاہِ عالی، صاحبقرانِ ثانی — اے بے کسوں کے والی، رحم و کرم کے بانی
اے تاجدارِ خلقت اے مالکِ رعیت — ظل اِلٰہ تجھکو کہتی ہے سب رعیّت
دشت و دمن پہ شاہا ہے تیری ہی خلافت — لوگ شاد و خوش ہیں ہے تیری ہی عنایت
جو گنگ ہیں جہاں کے ان کا ہے تو مربّی — جو کور ہیں یہاں کے ان کی ہے تو تجلّی

لیکن خبر ملی ہے اک شخص ہے پریشاں
ہے نام قیس اس کا پھرتا ہے چاک داماں

سودائی ہے کسی کا ہے وہ غریب محزوں
صحرائے نجد میں ہے شوریدگی سے مجنوں

ہے باکمال بے حد وہ شخص دل گرفتہ
ہے علم و فضل وفن سے اسکا قریبی رشتہ

گرچہ وہ مملکت کا تیری نہیں ہے شہری
تیری نہیں رعایا گو وہ ہے غیر ملکی!

پھر بھی خبر یہ سنکر سب ہو گئے ہیں غمگیں
آزردہ آسماں ہے افسردہ مہر و پرویں

گر آنکھ ایک بھی ہو نم اے امیر عادل
لگتا ہے یوں کہ جیسے ہو خلق ساری بسمل

پس حکم شہ اگر ہو اسکو یہاں بلائیں
اکرام دیں اسے ہم عزت سے اسکو لائیں

شاہِ یمن

خوش ہیں ہم اے وزیر با تدبیر
مملکت میں نہیں کوئی دلگیر

یاں کسی کو نہیں ہے بیم موج
حسبِ توفیق ہے سبھی کو اوج

نہ تو تشویشِ خار ہے، گل کو
نہ تو خوفِ مآل بلبل کو!

ہم کو سنکر ہوا یہ اطمینان
خرم و شاد ہے ہر اک انسان

لیکن افسوس ایک شخصِ جواں
ہے پریشان اور سرگرداں

ترک کی اس نے اختیار کی باگ
ایک صحرا میں لے لیا بیراگ!

اب ہے یہ حکم مابدولت کا
قیس کو لائے کوئی جلد ذرا

داستاں گو

سنتے ہی امیر کا یہ فرماں
حکام گئے سوئے بیاباں!

لے آئے وہ قیسِ ترش رو کو
یعنی کہ جوانِ تند خو کو

پس شاہِ یمن ہوا یہ گویا
مجنوں سے جو چپ کھڑا ہوا تھا

شاہِ یمن

سرابوں کی کرتا ہے تو آرزو
سرابوں کی بیکار ہے جستجو

جو اپنائی تو نے بہا ئم کی خو | گنوائی ہے انسان کی آبرو
ذرا بھی تجھے شرم آتی نہیں | تری آنکھ کیا دیکھ پاتی نہیں
یہ کاوش تری ہے سراسر فریب | تہی دست ہے تیری خالی ہے جیب
خرابی تھی کیا نفسِ انسان میں | بسیرا کیا جو بیابان میں

قیس

آپ کے سامنے ہے جو یہ خاکسار | ہے یہ رسوائے عالم غریب الدیار
اک ہدف ہے شرارت کا اے بادشہ | یعنی لعنت ملامت کا اے بادشہ
اک زمانے سے ہے یونہی خوار و زبوں | دشت و در میں ہے بدنام جس کا جنوں
لیکن اس بات کا مجھ کو افسوس ہے | مرحلے کر لئے آپ نے یونہی طے

(قے)

مجھ پہ بیتی ہے کیا اسکو جانے بغیر | تیر کھائے بنا خاک چھلنے بغیر
عشق میرا نہیں اے مکرّم دروغ | جھوٹ کو کب ہوا دہر میں ہے فروغ
ایک شعرِ حسیں جو کہ ہے بے مثال | ہے غزل کی زباں میں مگر حسبِ حال
پیش کرتا ہوں گر ہو اجازت عطا | تاکہ واضح ہو اس سے مرا ماجرا

وَرَبِّ صَدِيقٍ لَامَنِي فِي وِدَادِهَا
اَلَمْ يَرَهَا يَوْمًا فَيُوضِحَ لِي عُذْرِي

غور فرمائیں مضمون پر اک ذرا | عرض کرتا ہوں شاعر کا اب مدّعا
مجھکو کرتے ملامت ہو کیوں دوستو | بھیجتے مجھ پہ لعنت ہو کیوں دوستو
عشق میں نے کیا، کیا فقط اسلئے | اسکو اپنا لیا کیا فقط اسلئے
دل ستاں کو مرے تم نے دیکھا بھی ہے؟ | میری دلبر کو تم نے نہارا بھی ہے؟

کاش اک بار ہی دیکھ لیتے اسے
عذر کی کوئی حاجت نہ ہوتی مجھے

مدّعا قدرے تفصیل سے کہہ دیا
میں نے شاعر کا اس وقت اے بادشا

نظم اک اور کرتا ہوں پیش اب یہاں
ہے تو تلمیح لیکن ہے معنی عیاں

نظم

طعنہ زن مجھ پہ ہیں جو میرے یار
دیکھ لیتے وہ تیرا رخ اے کاش!

ایک پل میں بجائے لیموں کے
بے خبر اپنا ہاتھ لیتے تراش.

فَذٰلِکُنَّ الَّذِی لُمْتُنَّنِی فِیہِ

ہے یہی شخص اور ہے یہ ہستی وہی
جسکے بارے میں تم نے کیلی کہی

مجھ کو طعنے دیئے اور ملامت بھی کی
بات سنتے ہی جو دل کو چبھ سی گئی

جب قیس نے اپنی کہہ سنائی
تب شاہِ یمن کے جی میں آئی

دیکھیں تو سہی کہ ہے وہ کیا شئے
جس کیلئے قیس سرگراں ہے

دیکھیں تو سہی ہم اسکی صورت
کیا اصل میں ہے وہ اک قیامت

ایسے جو اٹھا رہی ہے فتنے
در اصل ہیں اس کے غمزے کتنے!

سوچا کیا شاہ چند لمحے
گویا ہوا پھر حواریوں سے

شاہِ یمن

اس امر کی جاننے حقیقت
اب چاہتے ہیں یہ ما بدولت

لے آؤ یہاں پہ تم بسرعت
لیلیٰ کو بہ افتخار و حرمت

تم برق کے ہمرکاب جاؤ
جاؤ جاؤ شتاب جاؤ

اس لعلِ یمن کو لے کے آؤ
آہوئے ختن کو لے کے آؤ.

داستان گو

پس سن کے یہ حکم کچھ سپاہی — فوراً ہی ہوئے یمن سے راہی
ز احیائے عرب [illegible] بگرد دید — دردشت و دمن مثالِ خورشید
پہنچے وہ قبائلِ عرب تک — لیلیٰ کی تھی کھوج ان کو بے شک
تھے فرض میں اپنے وہ نہ قاصر — ہو ہی گئے کامیاب آخر
تھا قبلہ کدہ بھی پیرِ کاہ — لائے لیلیٰ کو اپنے ہمراہ!
پھر شاہ کے سامنے اسے لائے — ذیجاہ کے سامنے اسے لائے
پہلے پڑھا شہ نے سورۂ قل — لیکن کیا شکل پر تامل!

(ق)

لیلیٰ کی جو سامنے تھی موجود — منزل کہ جو قیس کو تھی مقصود
لیلیٰ کے جمال کو ملک نے — دیکھا تو ضرور اک نظر سے
شکل اس کی مگر ذرا نہ بھائی — وہ شہ کے لئے حقیر شے تھی
اک سوچ میں غرق ہو گیا تھا — پھر قیس سے یوں ہوا وہ گویا

شاہِ یمن

کیا ہے یہ وہی [illegible] جس کا — شہرہ دنیا نے سن رکھا تھا
کیا ہے یہ وہی نگارِ سرمست — ہے جس کے حضور ہر نظر پست
کیا ہے یہ وہی عرو[illegible]ی دلبر — ہے تیرے خیال کا جو محور
ہیں لوگ بھی کیا عجب جہاں کے — کرتے ہیں جو اسطرح کے چرچے
صد حیف تو بے بصر ہے اے قیس — صد حیف تو بے نظر ہے اے قیس
یہ عشق نہ[illegible]نا ہے عارضہ ہے — یہ حسن نہیں مبالغہ ہے

افسوس تو کس قدر ہے معصوم — افسوس تجھے نہیں یہ معلوم

(ق)

آہو نہیں اک ختن پہ موقوف — دنیا نہیں ایک زن پہ موقوف

ہیں رقص میں جانے کتنے شعلے — تابندہ ہیں ان گنت شرارے

ہیں باغ میں جانے پھول کتنے — شاخوں پہ ہیں کتنے ہی شگوفے

شمعیں ہیں ہزار ہا فروزاں — بے نور نہیں کوئی شبستاں ـ

تجھ میں نہیں حیف آگ باقی — نے ساز ہے اور نہ راگ باقی !

سچ بات یہ ہے کہ اے جہاں گرد — جذبے ترے ہو چکے ہیں سب سرد

لیلیٰ سے حسین تر کنیزیں — گل چہرہ ہزار نازنینیں ـــ!

جن کا ہے جمال اک قیامت — رکھتے ہیں حرم میں مابدولت

قیس

آپ نے جو بھی کچھ ہے فرمایا — سچ یہ ہے میرے دل کو برمایا -!

میری گستاخیوں کو کر دیں معاف — مجھ کو آتی نہیں ہے لاف و گزاف

آپ اس گلستاں سے گذرے — سرسری اس جہاں سے گذرے

آپ نے یاں پہ کچھ کیا ہی نہیں — آپ کو کچھ پتہ چلا ہی نہیں -!

بالمشافہ یہی کہوں گا میں - — آپ خود ہی تو بے بصیرت ہیں

گل، گلستاں میں کیسے کھلتے ہیں — چاک دامن کے کیسے سلتے ہیں؟

کون سے گل کی کیسی ہے خوشبو — ہے بنفشہ کہ ہے گلِ شبّو؟

کون سی پنکھڑی ہے کس گل کی — تان قمری کی ہے کہ بلبل کی؟

فصلِ گل پہ خزاں بھی آتی ہے — برق اک ناگہاں بھی آتی ہے !

کیسے ہوتا ہے گلستاں تاراج / کون لیتا ہے کیسے کس سے خراج؟
گلستاں سے دھواں بھی اٹھتا ہے / رنگ کا کارواں بھی اٹھتا ہے!

ظاہری حسن پر ہیں آپ فدا / جانتے کچھ نہیں ہیں اس کے سوا
(ق) باطنی حسن بھی تو ہے اک شے / اہلِ باطن کو [illegible] جس کا ہے

دل میں غنچے کے گر اتر سکتے / آپ خوشبو کا علم کر سکتے
آپ کے پاس ہے کہاں وہ نظر / جو چٹانوں کا چیر جائے جگر

(ق) اور دیکھے کوئی صنم پنہاں / ہر کہستاں میں ایک روح رواں
ہے سماعت پہ آپ کے پہرہ / آپ اس فیض سے ہیں بے بہرہ

(ق) آپ اس حس سے آشنا ہی نہیں / اسلئے آپ کو پتہ ہی نہیں!
ساز میں ہیں ہزار پوشیدہ / راگ با افتخار پوشیدہ

آپ کی [illegible] میں نہیں وہ نظر / آپ کی آگ میں نہیں وہ شرر
پھونک دیتا ہے جو گلستاں کو / خاک کر دیتا ہے جو فاراں کو

آپ کا اس میں کچھ قصور نہیں / آپ کے پاس ایسا نور نہیں
(ق) جو اندھیروں کا چیر جائے جگر / جو اتر جائے قلب کے اندر

کب ہوئی کوئی شمع تابندہ / تا نہ بخشے خدائے بخشندہ
وہ خلش جس سے روح ہو بیتاب / درد ایسا کہ جیسے ہو سیماب

آپ کو وہ ملا نہیں فیضان / آپ کے پاس اسکا ہے فقدان
ایسے لیلیٰ کو خوار مت کیجئے / دیکھئے اس کو چشم مجنوں سے

اسکو ایسے نہ کیجئے مطعون / ڈھونڈیئے کوئی اور ہی مضمون

اسکو اسطرح کیجئے نہ ذلیل — دل ہے ناساز اور ذہن علیل
آپ کا بالیقین شاہِ یمن (ق) — اور منہ سے نکالیئے نہ سخن!
آپ للہ اب کرم کیجئے — خامشی اختیار کر لیجئے
"ہماں بہتر کہ لیلیٰ در بیاباں جلوہ گر باشد — ندارد تنگنائے شہر تابِ حسنِ صحرائی" (صائب)

حکایت

کہتے ہیں شہرِ عدن میں تھا کوئی عطر فروش — کم سخن، دل کا غنی، طبع سے بیحد خاموش
فنِ خوشبو میں کوئی بھی نہ تھا اسکا ہمسر — تھا زمانے کے صدف کا وہی یکتا گوہر!
یہ کہا کرتے تھے اس شہر کے کچھ عطر شناس — ہم سند دیتے ہیں مل جل کے بصد ہوش و حواس

عطر شناس

"حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا" — کوئی عطار کہیں ہوگا نہ پیدا ایسا!
گلستانوں میں طرب خیز بہت سے گل ہیں — عطر بیز اور دل آویز بہت سے گل ہیں
پھول جو دور تلک کھلتے ہیں پیلے پیلے — کاسنی، اودے، ہرے، چمپئی، نیلے نیلے!
جسم جن پھولوں کے ہیں نرم، ملائم، کومل — جسطرح کوئی پری جیسے کوئی حرفِ غزل
پھول کھلتے ہیں گلستاں میں بہت سے مشکن — نازبو، نرگس و شبّو، گل داؤدی و سمن
موگرا، رات کی رانی، گلِ صد برگ و کنول — لیلیِ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل
نسترن، جوہی، گلِ کاسنی، کیسر، بیلا — جیسے گلزار میں خوشبو کا لگا ہو میلہ
نازنینانِ چمن لالہ و نسرین و گلاب — گلشنِ دہر نے پیدا نہ کیا جن کا جواب
بات پس اہلِ نظر سے نہیں پوشیدہ بعید — عطر ہوتا نہیں گلزار کے ہر گل سے کشید
اِن دنوں شہرِ عدن میں تھا فقط اک عطار — نام اُس ماہرِ فن کا تھا فضل بن غفار

عطرِ گل، عطرِ حنا، عطرِ عروس، عطرِ سہاگ
ایسے تھے طبلۂ عطار میں کچھ اور بھی راگ
خس بھی تھا اور شمامہ بھی اسی کی ایجاد
مشک بھی تھا اسی عطار کا اک خانہ زاد
الغرض دہر میں اس جیسے کہاں تھے عطار
نہ تو آئے نہ کبھی آئیں گے ویسے زنہار
ایک دن عطر کی صندوقچی وہ لیکے چلا
اور اک گاؤں میں وہ تاجرِ خوشبو پہنچا
اور پہنچتے ہی وہاں کھول دی خوشبو کی دکان
جوق جوق آئے وہاں گاؤں کے سب پیر و جوان
اسکی زنبیل میں تھے عطر نہ جانے کتنے
عطر کے اس کے بجانے تھے دوانے کتنے
جیسے ہی طبلۂ عطار کھلا ویسے ہی
گاؤں والوں نے ہر اک عطر کی شیشی کھولی
اور کفِ دستہ پہ شیشی سے نکالا قدرے
اور پھر عطر بہت شوق سے دیکھا چکھ کے
ذائقہ عطر کا لیکن انھیں آیا نہ پسند
بے مزا ہو کے اسے تھوکا بہ آوازِ بلند!!
چونکہ تھا طبع سے سنجیدہ و خاموش فضل
اہلِ دیہات سے کچھ کہنا بھی تھا طولِ امل
اسلئے پل میں دکاں اپنی بڑھا کر واں سے
اپنے ہی آپ میں کہنے لگا چلتے چلتے!!

فضل بن غفار۔

(خود کلامی)

عجب بستی ہے یعنی یہ عجب۔ گاؤں
نہ ملک پائیں جہاں انسان کے پاؤں
بہت دیکھے ہیں میں نے گاؤں قصبے
بہت سے شہر اور ایسے علاقے
جہاں پر لوگ ہیں اچھے برے بھی (ق)
سمجھ رکھتے ہیں جو خاصی بھلی سی!
مگر اس گاؤں کی تو بات ہے اور
یہاں کا دن الگ ہے رات ہے اور
یہاں کے سارے باشندے نرالے
نرے جاہل رہے سب اس گاؤں والے
نہ تہذیب اور نہ شائستگی سے
نہیں [illegible] واسطہ ان کو کسی سے

ہیں بے بہرہ یہ ہر اک اچھی شے سے
زباں ایسی کہ کہتے ہیں یہ کیوں ہے؟

ادھر سے لیلیٰ گزرے گر کسی دن
اگر اس گاؤں میں آئے وہ کم سن

وہ لیلیٰ جسکا ہے شہرا جہاں میں
عرب میں چین میں ہندوستاں میں

کہ جسکا حسن حسنِ پر توِ طور
کہ جو ہے چار سو عالم میں مشہور

اگر تقدیر لیلیٰ کو یہاں لائی
یہ دیہاتی کہیں گے
ہم کو نا بھائی

دیہاتی

اِدھر دیکھو یہ حبشن کون آئی
یہ عورت شیر افگن کون آئی

عجب مخلوق قدرت نے بنائی
ہیں بال اسکے کہ پانی پر ہو کائی

نہایت بد وضع ہے اسکا ماتھا
ہے ہر اک ہونٹ اسکا موٹا موٹا

ہیں اسکی ناک میں کیسے یہ سوراخ
بھرے سے گال ایسے جیسے دو ناخ

نظر آتا ہے منہ بس یو پلا سا
ہیں اصلی دانت منہ میں جیسے چوکا

ہے اس کی کس قدر بھونڈی سی ٹھڈی
جواں ہے یا کہ یہ عورت ہے بڈھی

غضب تس پر گلا بھی بے سُرا سا
بڑا سا اس کی گردن پر دھاسا

یہ اسکا قد کہ جیسے تاڑ کا پیڑ
یہ چلتے میں لگاتی خود کو ہے ایڑ

غرض لیلیٰ کے اعلیٰ حسن کو بھی
سمجھ سکتے نہیں یہ گاؤں واسی

ڈھلے ہیں ایک ہی سانچے میں سب لوگ
مرض ہے ایک ہی اور ایک ہی روگ

یہ پیدائش سے ہی سب ناسمجھ ہیں
کہونگا گاؤدی احمق انھیں میں

داستان گو

اک روز تھا حمد کا سا ثمر
اور قیس کا جذبۂ تشکر

حاصل ہوا اس کو قیمتی دُر — دل اسکا سکون سے ہوا پُر

پس دل کے سکوں میں کھو گیا قیس — کچھ دیر کے بعد سو گیا قیس

اس حال میں خواب اس نے دیکھا — بخت اسکا درخت بن گیا تھا

اس پیڑ کی شاخ پر تھا بیٹھا — خوش سیرت و حسین اک پرندا

منقار میں جس کی تھا گہر ایک — تھا قیس کا بخت سعد اور نیک

نغماتِ سحر کا در ہوا باز — بج اٹھا فضا میں اک نیا ساز

طائر کی تھی دل گداز آواز — پھر شاخ سے کر گیا وہ پرواز

اڑتے ہی کھلی زبان جونہی — نیچے کو گرا دہن سے موتی!

اُس پیڑ کے نیچے ایستادہ — تھا قیس خموش کھویا کھویا

اُس خواب میں اس نے خود کو دیکھا — اک تاجِ زریں پہن رکھا تھا

اُس تاج پہ جم گیا سراسر — اک آن میں کوہِ نور گر کر

مشرق کے افق سے نکلا خورشید — مجنوں کے لئے تھی ساعتِ عید

حاصل ہوئی اسکو غیبی تائید — لایا خورشید مژدۂ دید

در عشق که وصل تنگ یاب است — شادی بخیال یا بخواب است

اک صبح وہ کوہ پر تھا بیٹھا — لیلیٰ کے خیال میں تھا ڈوبا

دل اس کا کباب ہو گیا تھا — بہتا تھا اک آنسوؤں کا دریا

دیکھا کہ غبار سا اک اٹھا — اور سامنے شہسوار اک آیا!

رہوار تھا ایک بادۂ نور — شاداں تھا بہت بہت ہی مسرور

تھا فن سپہ گری میں مشہور — چون دید که آمد از رہِ دور

مجنوں اپنی جگہ سے اٹھا — رہوار سے یوں ہوا وہ گویا!

قیس

(خوش آمدید)

خوش آمدید شہسوار صف شکن خوش آمدید
خوش آمدید نوجوان تیغ زن خوش آمدید

تمہاری وجہ سے بنیگا غمگسار آفتاب
تمہاری وجہ سے رہیگا یادگار آفتاب

مری حیات میں نہیں ہے کچھ بجز سرشکِ غم
گذر چکی ہے بیشتر جو کچھ رہی ہے وہ کم

جو آگئے ہو تم تو کھِل گئے ہیں پھول دشت میں
دگرنہ اگ رہے تھے کیکر و ببول دشت میں

تم آگئے کہ کھل گیا ہے جیسے نافۂ ختن
تم آگئے کہ کھِل گیا ہے جیسے آس کا چمن

تم آگئے کہ سج گئی ہے آرزو کی انجمن
تم آگئے کہ تیز ہو گئی نوائے زخمہ زن

نجانے مجھ کو کیوں یہ لگ رہا ہے آج بار بار
کوئی پیام لائے ہو تم اے شجیع شہسوار

شہسوار

(حسین قیامت)

اک سخن نہفتہ ہے آپ ہی سے کہنا ہے
دشت کی ہر اک کلفت آپ ہی کو سہنا ہے

گر مجھے اجازت ہو آپ سے کہوں وہ بات
بات ہے تو کہنے کو اصل میں ہے وہ سوغات

شاہراہِ اعظم پر رہ سپار تھا برسوں
اک حسین قیامت کو میں نے دیکھا اے مجنوں!

ماند جس کے آگے تھا حسنِ نجم و مہر و ماہ
جسکی بات جو ایسی تھی جگمگا اٹھی تھی راہ

اُس صنم نے پائی تھیں اک غزال کی آنکھیں
بس یہی کہوں گا میں تھیں کمال کی آنکھیں

زلف ہجر کی شب سی اور قد الف کا سا
سیم سا بدن اسکا چاند کی طرح ماتھا

قوس کے سے تھے ابرو صف بہ صف گھنی پلکیں
دل پہ وار کر جائیں تیرِ نیم کش نظریں

آہ کیا کہوں کیا تھے عارضوں کے افسانے
تھے شراب سے بھرپور ان لبوں کے پیمانے

لگ رہی تھی وہ ایسے جیسے تھا کوئی آواز
اک جہان سے ناراض اپنے آپ سے بیزار

ڈولتا سا اک بجرہ رولتا سا اک طوفان
کھولتا سا اک لاوہ بولتا سا اک ہذیان

نزع کی سی اک ساعت حشر کا سا اک ہنگام — بے نیاز، بے پروا، بے سکون، بے آرام

طیش کے خرابے میں اک کھنچی ہوئی تلوار — ایک برق گرنے کے واسطے ہو جیسے تیار

میں ذرا سی دوری سے دیکھتا رہا منظر — اس حسین کافر سے ہو رہا تھا بہرہ ور

شاہراہِ اعظم پر گامزن تھی مہ پارہ — ایک شخص اتنے میں لیکے آیا یکتارہ

دیکھ کر حسینہ کو دم بخود ہوا سیّار — ساز چھیڑ کر اپنا اس نے گائے کچھ اشعار

مطرب
(کتنی زلفیں ہیں پریشاں)

ظلمتوں کی راہ تکتے ہیں ابھی کیا کیا چراغ — اور ہونٹوں کو ترستے ہیں ابھی کتنے ایاغ

کتنے خرمن ہیں جنہیں ہے بجلیوں کا انتظار — ہیں تلاطم کیلئے کیا کیا سفینے بے قرار

کتنے نغمے مضطرب ہیں نے نوازوں کیلئے — کتنے سینوں میں دھڑک ہے چارہ سازوں کیلئے

کتنی زلفیں ہیں پریشاں کتنے چہرے ہیں اداس — کتنی آنکھوں میں ہے حسرت کتنی روحوں میں ہے پیاس

کتنے ہونٹوں کی ہنسی ہے پھیکی پھیکی آج بھی — نم فشاں برسات کی راتوں کی جیسے چاندنی

کیسے کیسے عارضوں کے پھول مرجھانے کو ہیں — آہ کیا کیا انکھڑیوں کے خواب کھو جانے کو ہیں

انتہائے درد و غم سے کتنے دل بیتاب ہیں — کتنے مبہم، کتنے دھندلے کیسے تیرہ خواب ہیں

کتنی صبحیں آج بھی تاریک اور بے نور ہیں — آہ کتنے آفتاب اس زمیں سے دور ہیں

شہسوار
(میں ستارے بھی توڑ لاؤں گا)

شاہراہ سے جاتی تھی وہ حسین بے پروا — لگ رہا تھا تیور سے اسکو تھا کوئی سودا

اپنی چشم سے رخ پر اشکِ ناب برساتی — آفتاب کے اوپر ماہتاب برساتی!

دل کو میرے برمایا اسکی نوحہ خوانی نے — اک اثر کیا مجھ پر اسکی بے نیازی نے

بعد کچھ توقف کے اسکے پاس جا پہونچا — عفو کی گذارش کی میں نے بس یہی پوچھا

کس لئے جان اپنی کھوتی ہیں — آپ کیوں زار زار روتی ہیں
کیا ہے تکلیف اور کیا آزار — حکم دیں میں مدد کو ہوں تیار
آسمانوں پہ بھی میں جاؤں گا — اور ستارے بھی توڑ لاؤں گا
یعنی ابرو کے اک اشارے پر — کر دکھاؤں گا کام وہ یکسر
آپ للّٰلہ ایسی ہوں نہ اداس — صرف اللہ سے رکھیں اب آس

لیلیٰ (شکریہ)

شکریہ اے شہسوارِ مہرباں — اے محافظ میرے، میرے آستاں
اے سپہ سرخیل، میرِ کارواں — اے جواں اے نازشِ کرّوبیاں -!
جنگ کا میدان جس میں ناگہاں — تو سرِ دشمن پہ ہے برقِ تپاں!
اے مجاہد جنگ جو اے نوجواں — اے کماندار اے جیالے نغمہ خواں!
رزم میں تاباں تری تیغ وسناں — بزم میں تو ہے مثالِ پرنیاں!
برق ہو صرصر ہو یا سیلِ رواں — کشتیوں کے واسطے تو بادباں!
لاکھ ہو گم کردہ رہ اک کارواں — تو بچا لیگا اسے اے سارباں!
برق کی زد پر ہو کوئی آشیاں — اسکی خاطر تو سپر ہے بے گماں!
دوستوں کے واسطے تسلیم جاں — دشمنوں کی راہ میں سنگِ گراں

شکریہ صد بار تیرا شکریہ

شہسوار (گذارش)

آپ نے جو بھی کی مری تعریف — میری تعریف اور میری توصیف
شکریہ میں ادا کروں کیسے — جان کھوتا بھی ہے کوئی ایسے!

اے پری چہرا آپ غم نہ کریں
اور مجھکو فقط اجازت دیں!
تاکہ میں آپ کی کروں خدمت
آپ کے کام آؤں ہے نیّت
سرخرو مجھکو آپ کر دیجئے
اور گذارش کو میری سُن لیجئے!!

لیلیٰ (زن کرے جنگ آخر کو زن ہی تو ہے!)

میں کہ مسکین و بیکس ہوں اے شہسوار
کر دیا ہے حوادث نے یوں دلفگار
میں کہ ہوں عاشقِ قیس اس دہر میں
خوب بدنام و رسوا ہوں اس شہر میں
قیس تو دشت میں ہے سکونت پذیر
اور آزردہ ہے اس نگر میں حقیر!
شیوۂ عشق میں قیس چالاک ہے
بے جگر ہے جیالا ہے بے باک ہے
قیس تو اس بیاباں میں آزاد ہے
میں سمجھتی ہوں ہر طرح وہ شاد ہے
میں ہوں اک تنگنائے الم میں اسیر
ہیں مصائب بہت اور غم بھی کثیر
اک شکنجے میں جیسے کہ کس دے کوئی
آج اسطرح سے ہے مری زندگی
دل کو اندیشے ہیں اور سو وسوسے
جو گذرتی ہے اس پر وہ کیسے کہے
مجھ کو ڈر ہے میں افسانہ ہو جاؤنگی
نیک نامی سے بیگانہ ہو جاؤنگی
پی رہی ہوں ہر اک آن زہرابِ غم
اب یہ لگتا ہے کھو دونگی میں اپنا دم
اک طرف تو مجھے ہے غریبوں کا غم
دوسری سمت مجھکو حریفوں کا غم!
میں اسی کشمکش میں ہوں اُلجھی ہوئی
کون کہتا ہے گتھّی ہے سلجھی ہوئی
اپنے ہی تیر سے آپ بسمل ہوں میں
غالبًا سچ ہے کمزور بزدل ہوں میں
مجھ پہ قدغن ہے مجھ پیر میں پابندیاں
ایک جان اور اسکا ہے ایسا زیاں
کیسے بولوں مقفّل ہے میری زباں
سُننے والوں کے کانوں پہ پہرے یہاں

ایک گل اسکو پہ جھپتے ہوئے لاکھ خار
ایک قیدی اور اس پر کئی پہرے دار

اپنے ہی آشیانے میں محبوس ہوں
اپنے اعمال کی خود ہی جاسوس ہوں

میں کہ ہوں ابر کی زد پہ اک ماہتاب
جو گہن میں ہو ایسا ہوں میں آفتاب

روشنی کی حکایت میں کیسے کہوں
ایک بجھتی پگھلتی ہوئی شمع ہوں

نبض، ڈوبی ہوئی اور فسردہ شباب
میں کہ اس وقت ہوں اک شکستہ رباب

کون دشمن ہے جس سے کہ لوہا میں لوں
کس کو دکھلاؤں اپنا میں سوزِ دروں

چاک سینے کا بھی حوصلہ اب نہیں
مجھ کو جینے کا بھی ولولہ اب نہیں

میں سیہ روز ہوں یعنی اک نامراد
جی رہی ہوں کہ مجھکو نہیں کچھ بھی یاد

گل کہاں میں ہوں اب پتیاں پتیاں
کیسے چپکے سے آئی ہے مجھ پر خزاں

موسم گل میں اجڑا ہوا باغ ہوں
میں کہ خود اپنے ماتھے پہ اک داغ ہوں

لے چکا آسماں مجھ سے کب کا خراج
گر چکے بام و در، چھن چکا تخت و تاج

ایک عرصہ ہوا وقفِ آلام ہوں
رات حاوی ہو جس پر میں وہ شام ہوں

اک قیامت سی ٹوٹی ہو جس پر وہ دل
میرا دل جس پہ ڈھائے ہوئے مستقل!

(ق)
غم کے، اندوہ کے، یاس کے، رنج کے
وہ نہ بچے بھی تو آفت سے کیسے بچے؟

باوجودیکہ دل کو ہیں صدمے کئی
اس نے گائے ہیں اس پر بھی نغمے کئی!

لیکن اب تاب و تب مجھ میں باقی نہیں
کیا مزا جب کہ محفل میں ساقی نہیں!

زن کرے جنگ آخر کو زن ہی تو ہے
اسطرح فاصلے ہو سکے بھی ہیں طے؟

فی المثل شیر بھی ہو کوئی زن تو کیا
ایک زن ہی تو وہ زن رہیگی سدا!

میں بھی اک زن ہوں خاموش کیسے رہوں
کب تلک یاس و حرماں کے صدمے سہوں

تو نے مجھکو دیا حوصلہ شکریہ — تیرا آسان ہو مرحلہ شکریہ!
ہے سفر تجھ کو درپیش کس راہ کا — ایلچی تو نہیں تو کسی شاہ کا؟
قیس مل جائے رستے میں تجھ کو اگر — اپنے شعلے سے ٹوٹا ہوا اک شرر
اِس دلِ انگار کا پیش کرنا سلام — اسکے بعد اسکو دینا مرا احترام
بیتِ اول اسکو سُنانا مرے — زخم اسطرح اسکو دکھانا مرے!

ابیاتِ لیلیٰ

میرے محبوب، مری جاں، مرے دلبر اے قیس — اس اندھیرے میں اجالے کے پیمبر اے قیس!
دیکھ لے آن کے کسطرح سے میں جیتی ہوں — زخمِ دل کھاتی ہوں اور خونِ جگر پیتی ہوں
دل کی آشفتہ سری کا تو وہی عالم ہے — تیرے ملنے کی مجھے آس ہے پر کم کم ہے!
خوب بدنام ہوئی، خوار ہوئی تیرے لئے — دیکھ رسوا سرِ بازار ہوئی تیرے لئے
گر تری یاد کا مجھ کو نہ سہارا ہوتا — بے رُخی نے تری اب تک مجھے مارا ہوتا!
ہو گئی ہوتی کبھی کی میں جہاں سے رخصت — بزمِ فانی سے جہانِ گذراں سے رخصت
کب تلک روح میں زخموں کو سموئے کوئی — کب تلک دل کی خراشوں کو دھوئے کوئی
اسکے بعد اس کو دینا یہ نامہ مرا — مجھ پہ حد درجہ احسان ہو گا ترا
قیس تک گر یہ نامہ پہنچ جائے گا — میرے غم کا اسے اعتبار آئیگا

شہسوار (تخاطب بہ قیس)

وہ نگارِ آتش رخ تھی بہت پریشاں حال — بے خبر تھی خوش قامت تھی حسین اسکی چال
بعد چند لمحوں کے میں نے اسکو پھر دیکھا — بھر رہی تھی کچھ آہیں زرد زرد تھا چہرا!
ہائے ہائے کرتی تھی اور لبوں پہ تھی فریاد — کر رہی تھی نوحے میں آپ کے پدر کو یاد

تھا خروشِ وزاری سے عہد استوار اسکا | دہر میں نہ باقی تھا کوئی غمگسار اسکا
دے کے مجھ کو نامہ پس اس نے راہ لی اپنی | راہِ عشق مشکل ہے اور ہے کٹھن کیسی

داستان گو

اندازہ لگایا تھا جو اس نے | پہلے بھی پڑھے تھے کچھ قیافے
مجنوں نے قیافے سچّے نکلے | صحرا میں وہ شہسوار کیسے!
آیا تھا وہ قاصدِ بہاراں | لایا تھا کوئی پیامِ جاناں
پس قیس کی زندگی تھی ایسی | گذرے تھی بھلی بُری ہی ایسی
قسمت سے تھی وہ گھڑی بھی ایسی | تھی بات ہی وہ خوشی کی ایسی
آنکھوں سے لگایا نامۂ یار | بوسے لئے اسکے پھر کئی بار!

نامۂ لیلیٰ

اے مرے قیس اے مرے دلبر | اے مرے ہر مرض کے چارہ گر
اے عرب کے جوانِ خوش اسلوب | میرے دلدار اے مرے محبوب
ہم سبق میرے میرے یارِ قدیم | اے مرے غمگسار میرے ندیم
بے زبانوں کی اے زبانِ رواں | بے سہاروں کی اے نگاہ و زباں
جیسے انگشتری میں ضم ہو عقیق | تو اسی طرح سے ہے میرا رفیق
عشق کا نام جاوداں تجھ سے | ریگِ صحرا بھی پرنیاں تجھ سے
چشمۂ خضر تو سیاہی میں | سرخہرست خیر خواہی میں!
زخمگر اے مری ملامت کے | اے جوانِ حسین قیامت کے
دل جو تو نے وفا کو سونپا تھا | خوب اس دل کو میں نے پیار کیا

ہے بلا خیز عشق تیرا کہاں
حسن اسکو پکارتا ہے یہاں

کس بیاباں میں تو ہے پوشیدہ
ہے مری چشم چشم نم دیدہ

ہجر میں، میں ترے ہوں سرگرداں
شمع اک جس سے اٹھ رہا ہو دھواں

میں نہیں سو سکی ہوں ایک بھی رات
ہے یہ تیرے ہی عشق کی سوغات

میری ہستی ہی کیا بجز تیرے
میرے الیاس، اے خضر میرے

میں فلک ہوں تو آفتاب ہے تو
میں ہوں اک حرف، اک کتاب ہے تو

اس جہاں میں رہی یہی کاہش
سائباں میں ہو تیرے گنجائش

اتنی جتنی کہ رہ سکوں میں ساتھ (ق)
ہاتھ میں ہو فقط ترا ہی ہاتھ

مجھ کو افسوس اس کا ہے تاہم
ایسے لمحے کبھی ہوئے نہ بہم!

کاش کوئی مجھے بتا دیتا
کیوں ہوا، کیا گناہ تھا میرا؟

ساتھ ہی مجھکو اسکا ہے افسوس
کتنے فرسنگ اور کتنے کوس

جو پدر دور تجھ سے تھا تیرا (ق)
میری ہی طرح تیرا عاشق تھا

(ق)

موت کے ساتھ چل دیا اک روز
سانحہ ہے بہت ہی اک دل سوز

جب سُنی میں نے وہ خبر جانکاہ
اسی جہاں سے گذر گئے ذیجاہ

مجھ کو ایسا لگا کہ جیسے پدر
میرے ہی کر گئے جہاں سے سفر

ہوں تیرے غم میں سوگوار تری
تو مرا یار میں ہوں یار تری

ایک لحظہ بھی میں نہیں غافل
یاد سے تیری اے مرے قاتل

میں ترے رنج و غم سے واقف ہوں
اور کیا آج اس سے بڑھ کے لکھوں

ہے یہ بہتر کہ گریہ و زاری — کم کرے تو، یہی ہے غم خواری

میں بھی دل بے قرار رکھتی ہوں — پر قدم استوار رکھتی ہوں

دل ہے اجڑا دیار تیرے بغیر — ایک صحرا ہے تار تیرے بغیر

ہے جہاں میں فقط وہی عاقل — اس میں کوئی غلو نہیں شامل

اپنا اندوہ تہ جو کرتا ہے (ق) — احتسابِ نگہ جو کرتا ہے!

گریہ کرنے سے باز رہتا ہے — آہیں بھرنے سے باز رہتا ہے!

قصۂ غم کرے ہے جو کوتاہ — باوجودیکہ دن ہوا اس کا سیاہ

دہر میں اک وہی ہے دانشمند — ہے مقدّر بہت ہی اس کا بلند

تر ہے گر سدا ترا دامن — گریئے سے، اور تجھے ہو رنج و محن

سوگ سے جل رہا ہو تیرا بدن — غم میں ڈوبا ہو گر ترا تن من

خندہ زن تجھ پہ ہو ترا دشمن — ہے عجب اس جہان کا یہ چلن

نئے سانچے میں چرخ ڈھلتا ہے — ہر زماں رنگ یہ بدلتا ہے!

باعمل کس قدر ہے ہر دہقاں — کاش ہو جائے ویسا ہر انساں

وقت بیکار کب وہ کھوتا ہے (ق) — دانہ دانہ، زمیں کو بوتا ہے!

صرف بوتا نہیں ہے وہ دانے (ق) — وہ اگاتا ہے بیج سے خوشے

آج گو نخل میں ہیں خار ہی خار — کل لگیں گے پھلوں کے سو انبار

آج پودے میں ہیں فقط غنچے — کل مگر گل کھلیں گے اس میں نئے

خالی جاتی نہیں کوئی فریاد — مل کے رہتی ہے بیکسوں کو داد

نہ ہو دل تنگ اور نہ ہو نومید — ماہِ نو لائیگا نویدِ عید

تو پریشان ہے مجھے تسلیم
بےپدر ہے تو آج یعنی یتیم!
جل نہ جا جسطرح ہے سوزاں برق
گریے میں ابرِ ساں نہ ہو جا غرق
ٹوٹ جائے دلِ صدف تو کیا
اس سے آتی تو ہے گہر کی صدا!
ناامیدی میں ہے ہزار امید
رات کا خاتمہ، سحر کی نوید!

داستان گو

جب قیس نے پڑھ لیا وہ نامہ
ہر حرف تھا خوشبوئے شمامہ
پُرزے کئے تن پہ تھا جو جامہ
پھر ہاتھ میں لے کے ایک خامہ
فوراً ہی کیا جواب تحریر
تحریر تھی آبدار شمشیر
دیرینہ الم تھے دل میں پنہاں
اُن کو کیا اپنے خط میں عریاں
کچھ قصّۂ جورِ نازنیناں
تھوڑی سی حدیثِ دلفگاراں
قاصد نے وہ خط بغل میں دابا
لیلیٰ کے حضور آن پہونچا!

جواب نامۂ مجنوں بحضورِ لیلا

مری محبوبہ فرخندہ سیرت
مرا کعبہ ہے تیرے رخ کی رویت
دوائے دردِ دل، زخموں کے مرہم
معالج، چارہ گر، غمخوار، ہمدم
مجھے ہے ناز تیری خاکِ پا ہوں
تیری محفل کا اک بجھتا دیا ہوں
تو اس دنیا کا اک باغِ ارم ہے
کہ ایسا باغ جنّت میں بھی کم ہے
تری فرقت میں آتش زیرِ پا ہوں
تو آکے دیکھ کیسے جی رہا ہوں
ہے جسکا عود پیشہ تو ہے وہ چوب
ترے در کے لئے صندل کی جاروب
نہیں تاجِ ولی گو سر کے اوپر
مگر اس تاج کا سایہ ہے سر پر!

ترے قدموں پہ خادم سرفشاں ہے
بجز اس کے جگہ سر کی کہاں ہے

غلامی میں تری عزت کمائی
اسی کی وجہ سے شہرت ہے پائی

یہ نکتہ ہے فقط بہرِ سخن سنج
نہیں ہے ہر گدا اگر لائقِ گنج!

مجھے وہ راہ دکھلا تو نہ للّٰہ
ستیزہ گاہ کو جاتی ہے جو راہ

نہیں ہوں جنگجو سرکش سپاہی
کہ میں ہوں امن کی منزل کا راہی

اٹھا مت سنگ یاروں ہی پہ اے یار
کہ کرنا جنگ اپنوں سے ہے بیکار

یہ ہے اک قولِ فخر الدین رازی
تو اپنا لے طریقِ دلنوازی!

کوئی گر جبر سے ہو تیرا محکوم
غلامی میں رہیگا تیری مظلوم

حقیقت میں کہیں بہتر ہے اس سے (ق)
تو الفت سے دل اسکا فتح کر لے

درم سے گر کسی کو تو خریدے
اور اسکو ہر طرح سے خوش بھی رکھے

پکاریگا یقیناً آج یا کل (ق)
تری ہی آنکھ سے تیرا ہی کاجل!

بہت دن رہ نہیں سکتی ولایت
بالفاظِ دگر تیری حکومت

لگے ہے خوبصورت آتشِ تیز
مگر تو کر ہمیشہ اس سے پرہیز

یہاں حیوان ہے لیکن یہ انساں
ہے انساں ہی کے پہناوے میں شیطاں

غضب، غم، غیض ہے اسکا مقدّر
مسلّط ہے عزازیل اس کے اوپر

بہت خوش ہوں ترا نامہ میں پاکر
درخشاں ہے مری قسمت کا جوہر

یہی ہے التجا میری کہ تو بھی
بنا لے حرزِ جاں ساعت خوشی کی

اگرچہ خوش ہوں پھر بھی سوچتا ہوں
میں کیا تھا کل ولیکن آج کیا ہوں

درآنحالیکہ ظلمت مٹ گئی ہے
یہ لگتا ہے خوشی یہ عارضی ہے

میری قسمت میں غم کیوں ہو گئے ہیں — ترے الطاف کم کیوں ہو گئے ہیں

اگر تو برف کی سِل پر مرا نام — کرے اک روز خنجر سے بھی ارقام

(ق) بہر صورت یہی ہونا ہے انجام — پگھل جائیگا، مٹ جائیگا تا شام

تری باتوں میں ہے اُلجھاؤ بی بی — کبھی تو ایسی پیچیدہ نہیں ۔ تھی

زباں میں آگئی کیسے درازی — خود اپنوں سے یہ کیسی بے نیازی

چرایا دل، مرا دل جانتا ہے — اگر اب جان بھی لے لے تو کیا ہے

مرے دل میں مقامِ غم ہے تیرا — کہیں باقی نہیں اب کچھ بھی میرا

حرام آسودگی، آرام اس پر — کہ جو ہے عاشقِ صادق سراسر

موافق، راس تجھ کو کب ہوا عشق — لگا یوں اب ہوا عشق اب ہوا عشق

نہیں ہے عشق تجھ کو بیدلی ہے — زبونی، سرگرانی، بے حسی ہے

تجھی سے تو رکھی ہے آس میں نے — نہیں آنے دیئے وسواس میں نے

ترے ہی در پہ بس سر رکھ دیا ہے — گرہ میں میری کیا باقی رہا ہے؟

ذرا تو دیکھ کیسے لعلِ گلرنگ — رہا ہے جو سدا پیوستۂ سنگ

(ق) سلاسل توڑ کے سنگین یکسر — شکنجے سے نکل آتا ہے باہر

درخشاں بامِ گردوں پر ہے مہتاب — کہ جس سے چشم کو ہے آب اور تاب

(ق) اگرچہ سیمگوں پُر نور ہے چاند — دہانِ اژدہا سے دور ہے چاند

تھکن سے جب کہ ہو جاتی ہے وہ چُور — بسیرا کر کے اڑ جاتی ہے زنبور

(ق) عقب میں چھوڑ جاتی ہے فقط شہد — جو مَر خالی ہو رہ جاتا ہے بس چھد

میں تیری شمع سے گر دور جاؤں — جہاں بھی جاؤں میں تجھ کو نہ پاؤں

مقابل ہو قیامت کا اندھیرا
کوئی غمخوار ہمدم ہو نہ میرا!

ملامت کا مجھے ہو جائے گر غم
نہ ہووے چشم شوہر کی ترے نم

تجھی سے میری نیکی، خوش مزاجی
ہے میرا درد بھی درماں بھی تو ہی

حصارِ قلب تیرا آہنی ہے
کہ شخصیت تری فولاد سی ہے!

ہیں تیرے حلقۂ گیسو شکنجے
نہایت تیز ہیں پلکوں کے پنجے

ہیں بد اندیش اکثر یار تیرے
یہ بہتر ہے چلے تو ان سے بچ کے

مگس کی ہو ترے رخ پر اقامت
مجھے ہوتی ہے اس سے بھی رقابت!

میں تیرے ہجر میں رہتا ہوں گریاں
دعائیں کر مری مشکل ہو آساں

مجھے ہے طمع تیرے لب کی اے یار
عطا ہو بوسۂ لب مجھکو اک بار

عبیرِ زلف سے مٹ جائے آزار
مرا ہر لمحہ ہر ساعت ہو سرشار

ترے گیسو میں نافے کی مہک ہے
نسیمِ صبح کی تجھ میں لہک ہے

بجھا دے پیاس میری اے دل آرام
مری خوش قسمتی تو دے اگر جام

وہ صہبا ہو گی کیسی تند اور تیز
کہ جس سے ٹوٹ جائے میرا پرہیز

یہ ممکن گر نہیں تو میں سرِ دست
تری آنکھوں کی صہبا سے ہوں سرمست

ترے ہاتھوں سے اور لب سے پیالے
گہے بوسہ ستانم من گہے مے!

ترے گلنار تیرے شکّریں لب
ترے خونبار تیرے دلنشیں لب!

شفق لب تیرے تیرے گلفشاں لب
صدف لب تیرے تیرے دلستاں لب

ترے یہ لعل لب یہ چشمۂ نوش
وہ ساعت آئے تجھ سے ہوں میں ہم آغوش

مگر جو بھی ہے اس نامے میں لکھا
جو اس قاصد کے ہاتھوں تجھ کو بھیجا

نہاں اسمیں ہے اس دل کا فسانہ — یہ خط ہے بات کرنے کا بہانہ
بہت ہی دور ہوں تجھ سے بہت دور — ولیکن ہے جدائی مجھکو منظور
کہ میرا عشق بے حد بے ریا ہے — بہت ہی استوار و دیرپا ہے!
کہ میں نے طمع کے در کو کیا بند — اسی باعث تو ہوں حد درجہ خرسند
ہزاروں ہوں ترے پہلو میں راتیں — نہ ہونگی ختم ہرگز میری باتیں
جو کچھ میں نے لکھا ہے اس پہ کر غور — نہیں تیرا کوئی اے جاں حلیف اور
تری الفت میں میرا دل ہے برباد — کرونگا اسلئے تجھ سے ہی فریاد
دیئے جو زخم اب تک بھر نہ پائے — خدا وہ وقت اب جلدی ہی لائے
دکھاؤں زخم دل تجھ کو میں ناگاہ (ق) — تسلّی سے کبھی اے غیرتِ ماہ
نہیں درکار ان زخموں کو مرہم — سلامت تو ہے پھر مجھکو کیا غم
میں تیرے ہجر میں ہوں اتنا رنجور — کہ اپنے ہی الم میں خود ہوں مستور
کروں اب ختم اے جاں مدح تیری — یہی لب پر دعا ہے اب تو میری
تیری قسمت کا سورج ہو درخشاں (ق) — افق سے تا افق ہو نور افشاں
بہت کچھ تو یہ خامہ لکھ چکا ہے — مگر لگتا ہے جیسے کم لکھا ہے!

داستان گو

اُس دشت میں قیس جی رہا تھا — اک زہر کا جام پی رہا تھا!
دامان کا چاک سی رہا تھا — کوئی نہ تھا قیس ہی رہا تھا
اک شخص سلیم عامری تھا — جو چارہ گری میں سامری تھا
اُس دشت کی انجمن میں آیا — دیکھا کہ وہاں تھا اک دوانا

یا تند ہوا کا ایک جھونکا
صحرا میں یونہی بھٹک رہا تھا

ہر بندِ ستم سے تھا جو آزاد
آباد وہاں تھا خانہ برباد

سلیم عامری (خال بہ رخِ قیس)

السلام اے شاہِ صحرا السلام
السلام اے ماہِ صحرا السلام

السلام اے تاجدارِ دشتِ غم
السلام اے شہریارِ محترم

دور سے آیا یہاں تک خاکسار
تن پہ گردِ دشت، چہرے پر غبار

نام ہے میرا سلیم عامری
شہر میں گذری ہے میری زندگی!

دشت میں آیا ہوں پہلی بار آج
آپ کا اے قیس کیسا ہے مزاج؟

کیا ہوا قیس آپ کا وہ رنگ روپ
آپ کے اس چاند سے چہرے پہ دھوپ

آپ کے رخ پر یہ کیسا خال ہے؟
زندگانی آپ کی پامال ہے

خال سے چہرا چھپا جاتا ہے قیس
خال ہی رخ پہ نظر آتا ہے قیس

خال نے اے وحشیوں کے بادشاہ
کر دیا ہے آپ کے رخ کو سیاہ

جیسے ملیا میٹ کوئی آرزو
جیسے اک حبشی کا چہرا روبرو

"وہ آتشیں رخ پہ سیہ خال کا آنا کیسا
قائم النار پہ بارود کا دانا کیسا"

آپ کے تن پر نہیں تار ایک بھی
آپ کو جامہ سے عار اے عامری!

جامۂ تن لیکے آیا ہوں حضور
آپ اس کو زیب تن کریں ضرور

ایک پاجامہ، قمیص اور ایک شال
پارچے ہیں سب بہر صورت حلال

قیس (ہیں سوال ایسے کئی)

خواستگارِ عفو ہوں میں اے سلیم عامری
میں نہیں کر پاؤنگا پوری یہ خواہش آپکی

شکریہ جو آپ لائے ہیں یہ ملبوسِ نفیس
میں لباسِ تن کے بارے میں ہوں اک مردِ خسیس

جسم میرا جامے پجامے سے کوسوں دور ہے
یہ برہنہ تن مجھے ہر طرح سے منظور ہے

اس سے پہلے جامۂ تن میں نے پہنے ہیں ضرور
مجھکو بھی ملبوسِ ابریشم پہ ہوتا تھا غرور

جب ہوا محسوس جامے پارچے بیکار ہیں
آدمی کے تن کو [illegible] اک طرح کا آزار ہیں

جب سے جانا میں نے بے مصرف ہے یہ نام و نمود
آدمِ خاکی کا ہے ہر ملبوس میں ننگِ وجود

تب سے میں نے بے لباسی کی روش کی اختیار
تب سے میں نے کر دیا ہر جامۂ تن تار تار

اس پہ بھی گر آپ پہنائیں گے ملبوسِ سمور
میں پہن کر اسکو پارا پارا کر دونگا ضرور

اس لئے بہتر یہی ہے بات میری مان لیں
آپ اس مضمون کو اب اور اہمیت نہ دیں

کیا کہوں میں کس لئے پامال ہے میری حیات
دہر کی بازی میں آخر کیوں ہوئی ہے مجھکو مات

ہو گئی کیوں آہ ملیامیٹ میری آرزو
مٹ گئی کیوں میری ہستی لٹ گئی کیوں آبرو

کوئی کیا بتلائے کیسے ٹوٹ جاتا ہے رباب
ہیں سوال ایسے کہ جنکا دے کوئی کیسے جواب

کیا سبب کیوں ٹوٹ کر گرتا ہے تارا چرخ سے
ہے یہ اک موضوع ایسا جس پہ کوئی کیا کہے

برق کی آتش سے ہوتا ہے قفس تاراج کیوں
ظلِ سبحانی کا چھن جاتا ہے تخت و تاج کیوں

کس لئے ہوتا ہے آخر چاند سورج پہ گہن
کیوں خزاں آتی ہے جل جاتا ہے آخر کیوں چمن

بن کھلے کیوں ٹوٹ جاتے ہیں شگوفے شاخ سے
کیوں صدا گریے کی آجاتی ہے شاہی کاخ سے

ایک بجھتی شمع پر پروانہ کیوں مرتا نہیں
کیوں کوئی ڈھلتی جوانی پر کرم کرتا نہیں

کیوں جوانی آکے جاتی ہے تو پھر آتی نہیں
کس لئے پیری جب آتی ہے تو پھر جاتی نہیں

صبح دم سورج کا کیوں ہوتا ہے شبنم پر عتاب
کیا کسی کے پاس ہے اس بات کا کوئی جواب

زلزلہ کیوں آکے کر دیتا ہے بستی کو تباہ
برقِ روشن کیسے بن جاتی ہے اک دودِ سیاہ

کیوں مقدر ہے کسی کا حلقۂ دار و رسن
خلعتِ شاہی کسے کیوں، کیوں کوئی بے پیرہن

پا برہنہ اور بے دستار کوئی کس لئے
بے مداوا اور دل افگار کوئی کس لئے

کیوں ہلاہل ایک دانشور کی ہے تقدیر میں
قید کیوں ہیں شاہِ عالی جاہ اک زنجیر میں

گل نہیں ہے بلکہ بلبل کا مقدر خار ہے
وجہ اسکی کیا ہے نرگس کس لئے بیمار ہے؟

بات کیا ہے کس لئے عاشق کی قسمت ہے فراق
کیوں ازل سے ہوتا آیا ہے دوائے اتفاق

اس جہاں میں شعبدہ بازی، ریاکاری ہے کیوں
سرد مہری، سادہ لوحی، سہل انگاری ہے کیوں

وجہ کیا ہے اس جہاں میں سگ سبھی آزاد ہیں
پابجولاں سنگ ہیں، آزاد کیوں جلاد ہیں

عصمتیں بکتی ہیں دو اک کفِ جو کے لئے
منصفوں نے اپنے لب یوں سی لیے کس وجہ سے

ہیں سریر آرا جہاں میں قیصر و کسریٰ ہی کیوں
اور ملامت کے ہدف ہوں وامق و عذرا ہی کیوں

قصرِ خسرو ہی میں شیریں کیوں رہے دائم اسیر
تیشۂ فرہاد ہی لائے فقط کیوں جوئے شیر؟

ہیں سوال ایسے کئی، ممکن نہیں جنکے جواب
درحقیقت ہیں بہت مشکل یہ سارے ہی حساب

آپ نے مجھ کو بتایا میرا ناکردہ گناہ
یعنی ہے رخ پر نمایاں میرے اک خالِ سیاہ

جانتا اے کاش اپنے جرم کو میں بد نصیب
کیا خبر تھی میرا اپنا بخت تھا میرا رقیب

میری بدبختی کا اک اظہار ہے یہ برملا
خال بنکر جو مرے رخ پر نمایاں ہو گیا

خال چہروں پر نظر آتے ہیں ایسے خال خال
حل نہ کوئی جنکو کر پائے یہ کیسے ہیں سوال

داستان گو

سمجھایا سلیم عامری نے
اک بار وہ جامے کو پہن لے

تیور تھے مگر بہت ہی تیکھے
مجنوں کے، وہ چاہتا یہ کیسے

مرضی کے بغیر اسکی، کوئی
پہنائے لباس اسکو یونہی

مجنوں کا سلیم تھا وفا کیش
لایا تھا جو ساتھ رکھدیا پیش

اک مرغِ مسلّم اور سر میش
بریان و کلیجہ از عدد بیش

مجنوں نے کیا بلند نالہ
ہرگز نہ اٹھایا اک نوالہ

اس دشت میں جانور تھے بسیار
حیوان تھے کتنے ہی کم آزار

اور کتنے درندگانِ خونخوار
جنکو تھی غذا ہمیشہ درکار

نزدیک ہر ایک کو بلایا
مجنوں نے، طعام انھیں کھلایا

سلیم عامری (آپ کی کیسے ہو رہی بسر؟)

نیک کردار اے شریف انسان
آپ کا ہے ... ام ہر حیوان

اے جگر سوز اے شہِ عشّاق
آپ کا نام شہرۂ آفاق

آپ سرخیلِ تاجداراں ہیں
باعثِ فخرِ شہر یاراں ہیں

آپ سرجملۂ عناصر ہیں
آپ خاقانِ دورِ حاضر ہیں

چرخ گرداں کے آپ گردن کش
آپ کو دیکھ لیں تو آئے غش

برق کو، زلزلے کو، طوفاں کو (ق)
دھوپ کو لو کو اور باراں کو

خشکیٔ ریگ، سختیٔ کہسار
آپ کے آگے بھولے اپنا شعار

اوّل الذکر مثلِ شبنم ہو (ق)
آخر الذکر مثلِ ریشم ہو

باعث نازش مہ و پرویں
آپ ہی سے جلالِ دولت و دیں

شہرا پ کا بجا ہے آسمانوں تک
جدِّ امجد ہیں عدل میں بے شک

آپ نوشیروانِ عادل کے (ق)
یعنی اس شہریارِ فاضل کے

ہیچ ہے طمطراقِ کیخسرو۔
آپ کے آگے وہ نگوں سر ہو

قرۃ العینِ اہلِ فنّ و ہنر — علم کی سجدہ گاہ آپ کا در
اے منوچہرِ جہاں افروز — کیقباد و فراسیاب ہنوز
آپ سے درسِ آگہی لے کر (ق) — کرتے ہیں کتنے معرکوں کو سر
آپ ارسطو ہیں آپ افلاطون — آپ کے آگے عقل خوار و زبون
ہیں قلندرکش جو اس بیاباں میں — وجہ اس کی بیان فرمائیں!
یہ تو اک دشتِ بے نوائی ہے — اس میں رہنا تو جگ ہنسائی ہے
بے در و بام بے سر و پا ہے — ایک دردِ جگر یہ صحرا ہے!!
اس بلا خیز دشت میں آکر — آپ کی کیسے ہو رہی ہے بسر؟
آپ یہ بات بھی مجھے بتلائیں — زندہ کیونکر ہیں مجھکو سمجھائیں
آپ کے جسم کا ہے کیسا نظام — جبکہ کھاتے نہیں ہیں آپ طعام؟
آدمی اس جہاں میں جیتا ہے — اسطرح سے کہ کھاتا پیتا ہے
کچھ غذا ہی اگر نہ وہ کھائے — قوتِ زیست پھر کہاں سے آئے

تیس

[آگہی]

آپ نے جو بھی پوچھا ہے اے مہرباں — ہے حقیقت تو اس کی نہایت عیاں
قبل اس کے کہ میں آپ کو دوں جواب — شکریہ تو ادا میں کروں اے جناب
آپ نے میری جو کچھ بھی تعریف کی — خوب تعریف کی، خوب توصیف کی
آپ ہی کو پہونچتا ہے بس اسکا حق — آپ ہیں شکریئے کے مرے مستحق
مجھ سے گر پوچھئے میں تو کچھ بھی نہیں — میں تو کچھ بھی نہیں اسمیں شک ہی نہیں
اپنے بارے میں مجھکو بھرم ہی نہیں — میں نہیں ہوں کہ ہوں مجھکو غم ہی نہیں

آگہی اک سمندر ہے قطرہ ہوں میں
علم اک کوہ ہے ایک ذرّہ ہوں میں

آگہی روحِ انساں ہے جسکا مقام
سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کا نام

ہے رگِ جاں کے پاس اور رگِ جاں سے دور
اپنی ہی ذات کا جو دلائے شعور

آگہی کیا ہے دراصل عرفانِ ذات
آگہی جس کے زیرِ نگیں کائنات

ایک خم خانۂ فیض ہے آگہی
یعنی کاشانۂ فیض ہے آگہی!

نیستی اور ہستی کے ہے درمیاں
آگہی منتہیٰ، ابتداءِ جسم و جاں

پہلے انساں تو ہو خود سے آگاہ بھی
کوہ سا ہو توانا یہ پرکاہ بھی

زیست گر آگہی کی ہو جو لانگاہ
پھر ہوں انساں کے زیرِ نگیں مہر و ماہ

اتنا ارزاں نہیں ہے خودی کا حصول
اتنا آساں نہیں آگہی کا حصول

پوچھتے مجھ سے ہیں آپ میری خبر
کس طرح ہو رہی ہے گذر اور بسر

پوچھتے مجھ سے ہیں آپ یہ ماجرا
زندہ کس طرح ہوں بے طعام و غذا

کیا بتاؤں کہ کس طرح ہوں میں حیات
کیسے بتلاؤں کیسی ہے یہ کائنات

دشتِ آشفتہ اور اس کی پہنائیاں
کائنات اور اسکی یہ رعنائیاں

ازافق تاافق ہے یہ بکھرا ہوا
ذرّہ ذرّہ یہاں کا ہے نکھرا ہوا!

پھول خاروں کے کھلتے ہیں اس دشت میں
کیف ہے اک نیا اس کی گلگشت میں

جب بکھرتا ہے تاروں کا ہر سو غبار
صبح آتی ہے سورج کے رتھ پر سوار

صبح ہوتے ہی معمول ہے یہ مرا
حق تعالیٰ کا کرتا ہوں میں شکریہ!

روز کرتا ہوں سورج سے میں گفتگو
اسطرح آمنے سامنے دو بدو!

(ضو بار و منوّر)

اے مہرِ جہاں تاب!

کہسار ہو ویرانہ ہو قریہ ہو کہ بستی — ہے فیض ترا عام بلندی ہو کہ پستی
ضو پاش ہوئی ذرّوں کی معمولی سی ہستی۔ تیرا ہی کرشمہ ہے یہ اے گوہرِ نایاب۔ اے مہرِ جہاں تاب

چھائی ہے تجلی تری ہر سمت فضا میں — اجزا میں ترے آب میں مٹی میں ہوا میں
ہیں برق کے جلوے ترے نقشِ کفِ پا میں۔ قدرت نے عطا کی ہے تجھے فطرتِ سیماب۔ اے مہرِ جہاں تاب

انوار سے معمور خزینہ ہے سراسر — اسطرح درخشاں ہے کہ جیسے کوئی جوہر
تابندہ و رخشندہ و ضو بار و منوّر۔ پیاسے فضا تیری شعاعوں سے ہے سیراب۔ اے مہرِ جہاں تاب

آتے نہیں ہم کو ابھی جینے کے قرینے — طینت میں نہاں بغض، کپٹ اور ہیں کینے
کتنے ہیں یہاں زہر اگلتے ہوئے سینے۔ ہلکا سا عطا ہم کو بھی ہو نورِ درناب۔ اے مہرِ جہاں تاب!

بعد اسکے مرا ایک دستور ہے — اس سے میرا ہر اک گام پُر نور ہے!!
دشت کے ذرّے ذرے سے ملتا ہوں میں — پھول کی طرح صحرا میں کھلتا ہوں میں
خار کھاتا نہیں میں کسی خار سے — کام لیتا ہوں ہر لمحہ میں پیار سے
خار کی نوک پر اوس کا اک گہر — کتنا ضو بار ہے دشت میں یہ شرر
خار کی نوک ہیرے کی جیسے کنی — یا یہ کہئے کہ نیزے کی جیسے انی
خار کی نوک کا حسن بیوست ہے — دل میں میرے یونہی راہ ہوتی ہے طے
صبح کے حسن کی میں کروں کیا صفت — رات رکھتی ہے آہستگی سے پرت

(ق)

صبح کی، اس بیابان کی ریت پر — ذرّہ ذرّہ چمکتا ہے جیسے شرر

صبح — نظم

آبِ شبنم سے کر کے وضو صبح دم — گل کے لب پر ہے اللہ ہو صبح دم

اللہ اللہ صحرا کی وادی کا نور — جلوۂ طور ہے چار سو صبح دم!

ذرہ ذرہ ہے محوِ صلوٰۃ و درود — ذکر و تسبیح ہے کو بکو صبح دم!

جب صبا نے اذاں دی تو سب خارزار — صف بہ صف ہو گئے قبلہ رو صبح دم!

پتہ پتہ ہے خوش ذرہ ذرہ نہال — بوٹا بوٹا ہے وقفِ نمو صبح دم!

کھل گئے پھول آئی نسیمِ سحر — کھل گیا ہے دلِ رنگ و بو صبح دم!

اس بیابان کے جسم اور جان میں — اک خنک سی ہے پیوست لو صبح دم!

گر میسر ہو گوشِ حقیقت نیوش — آپ سن پائیں گے دو بدو صبح دم

گل و بلبل کی باہم گر کنج میں (ق) — ایک خاموش سی گفتگو صبح دم

آشیانے کی تعمیر کے واسطے — اک ابابیل کی جستجو صبح دم!

دن میں صحرا میں جھکڑ چلیں گے مگر — ایک ذرہ نہیں تند خو صبح دم!

دن میں کچھ دیر کو ہو گی رنجش بھلے — کوئی دشمن نہ کوئی عدو صبح دم

بن گئی ہے کلی پھول پر لُٹ گئی — ایک نوخیز کی آبرو صبح دم

مور بے پر کی خوش قسمتی دیکھئے — کشتیٔ برگ پر سیر جو صبح دم

بامِ مشرق پہ اک شوخ کون آ گیا! — آ گیا کون اک شعلہ رو صبح دم

جذب ہو جاؤں اس دشت کی خاک میں — دل میں ہے اک یہی آرزو صبح دم

صبح (دوپہر) کے بعد آتی ہے جب دوپہر — دوپہر یعنی سورج سوا نیزے پر

تب بیابان کی دیکھئے آب و تاب — زر سے دھویا ہوا دوپہر کا شباب
چومتی ہے کرن ذرّے ذرّے کا تن — ذرّے ذرّے کا تن چومتی ہے کرن
زیبِ تن خوش نما زرفشاں پیرہن — مہرِ زرّیں کا دیکھے کوئی بانکپن
آئینہ آئینہ سا بیابان ہے — دیکھنے سے نظر اس کو حیران ہے
سرپہر میں بھی اس کی ہے سج دھج — وہی — دشت بھی ہے وہی اور سورج وہی
اور جب شام آتی ہے اس دشت میں — ایک نغمہ سناتی ہے اس دشت میں

شام

میں نے لاکھوں کے بول سہے ستمگر تیرے لئے

تیری خاطر سی لئے لب خامشی کی اختیار — ایک عرصے تک بنایا بے زبانی کو شعار
وائے ناکامی کہ تو ہے آج بھی نامہرباں — مجھ پہ اے بے درد، آخر تو بتا جاؤں کہاں

میں نے لاکھوں کے بول سہے ستمگر تیرے لئے

شام دیوانی شام !

دل و جاں میں سماتی ہے اس دشت میں، ہاتھ سب کے ملاتی ہے اس دشت میں، سب کو اپنا بناتی ہے اس دشت میں
شام دیوانی شام !

اک ستمگر کے ظلم اور بیداد کا۔ عارضِ دل پہ اس شوخ کی یاد کا۔ ایک غازہ لگاتی ہے اس دشت میں
شام دیوانی شام !

ہو کے آزاد خورشید کے دام سے۔ زینہ زینہ اترتی ہے اک بام سے۔ ایک شفق زار لاتی ہے اس دشت میں
شام دیوانی شام !

جانور اور انسان کی آنکھ میں۔ جان دار اور بے جان کی آنکھ میں۔ ایک کاجل لگاتی ہے اس دشت میں
شام دیوانی شام !

ہے زمیں شاداں اور سرخوش گگن ۔ آج کے عیش میں سب کو کر کے مگن ۔ کل کی فکر میں بھلاتی ہے اس دشت میں

شام دیوانی شام!

آتشِ مہر سے دشت تھا کرب میں ۔ تیشۂ ماہ سے ایک ہی ضرب میں ۔ دن کی دیوار ڈھاتی ہے اس دشت میں

شام دیوانی شام!

سُرخ اک قرص جسکا نہیں ہے جواب یعنی افلاک پر مشعلِ آفتاب ۔ خامشی سے بجھاتی ہے اس دشت میں

شام دیوانی شام!

ایک تاثیر سے اک نئے رنگ سے ۔ اک نئے تال، سُر اور آہنگ سے ۔ دادرا اک سُناتی ہے اس دشت میں

شام دیوانی شام!

دادرا

بیدردی سیّاں کلیجے کو نیہا لگا گئے!

وہ ترا غم تھا جسے ہم غمِ دوراں سمجھے
بات مشکل تھی جسے اس قدر آساں سمجھے

ویسے ہم کو کبھی اس راز کا ملتا نہ سراغ
تیری خاموشی سے تیرا غمِ پنہاں سمجھے

بیدردی سیّاں کلیجے کو نیہا لگا گئے!

رات

اب کہوں رات کی چند حرفوں میں بات
خوبیاں اسکی یعنی یہ کچھ اس کی صفات

سوچتا ہوں مگر کیسے تعریف ہو
کیسے تعریف ہو کیسے توصیف ہو

دشت کی رات ہے چارہ گر چارہ ساز
دشت کی رات ہے بے بہا بے نیاز

دل کشا، دل نشیں، دلربا، دل نواز
ماہ رو، ماہ بر، ماہ رخ، ماہ ناز

خوش نظر، خوش دہن، نازنیں، گل عذار
مشک بو، گل بدن، باہنر، باوقار

دشت کی رات کا ذکر کیا بات کیا
ایسے ہوتے بھی ہیں اتفاقات کیا

رات صحرا کی ہے رات ظلمات کی — کیا کہوں بات کیا دشت کی رات کی
رات ایسی کہیں ہم نے دیکھی نہیں — دشت کی رات جیسی بھی ہو گی کہیں
دشت کی رات ہے چاند تاروں کی رات — رخِ زیبا کی شب، سیم پاروں کی رات
شام کے سات سے صبح کے سات تک — صبح سے شام تک، شام سے رات تک
ایک جادو، طلسم، ایک افسوں کی رات — ایک لیلیٰ کی شب ایک مجنوں کی رات
رات ہے یا کہانی شہرزاد کی — رات اک چاند سی شکل کی یاد کی
"یاد آرد سحر بوئے دلدارِ من" — تازہ ہوتے ہیں اس سے مرے جان و تن
اسکے ہی نام کا ورد ہے دن تمام — تذکرہ اس کا ہے صبح سے تا بہ شام
اسکی ہی یاد کا رات میں نور ہے — میں بہت دور ہوں وہ بہت دور ہے
مجھکو ملتی ہے ان سب سے میری غذا — ہے مرض کی مرے بس یہی اک دوا۔
دیدنی ہیں مناظر یہ سب دشت میں — صبح کی سیر میں اور شب گشت میں

داستان گو

دیکھا یہ سلیم نے وہ دلبند — یعنی کہ وہ قیس وہ ہنرمند
دلبر ہی کی یاد سے تھا خرسند — لیلیٰ کا بیان شہد اور قند
اس کیلئے اور کیا تھی حاجت — کی اس نے تھی اس پہ ہی قناعت

حکایت

ایک عرصہ ہوا کہ خاور میں — تھی کوئی اک [illegible] دساور میں
جس کا حاکم تھا زیرک و عاقل — جو نہ تھا نظم و نسق سے غافل
تھا مدبر وہ فاضل و عالم — خلق میں تھا وہ نامور حاکم

ماہرِ فنِ حرب تھا سلطاں　　پرتوِ حق تھا وہ فلک ایوان

تاجِ خورشید تاج تھا اسکا　　انجم و مہ خراج تھا اس کا

ایک زاہد بھی تھا مکیں وہاں　　جس سے تھا سربلند دین وہاں

زہد و تقویٰ کا اسکے شہرا تھا　　دور نزدیک اسکا چرچا تھا!

وہ کہ تھا ایک عارفِ کامل　　اس پہ آسان تھی ہر اک مشکل

تھا مجدّد، فقیہ اور حافظ　　تھا محدّث، خطیب اور واعظ

الغرض نیکیوں کا حامل تھا　　رب کے احکام پر وہ عامل تھا!

ایک دن اتفاق ایسا ہوا　　اُس طرف سے گزر ہوا شہ کا

(ق) جس جگہ تھا نشان زاہد کا　　تھا جہاں آستان زاہد کا

جونہی زاہد کو شاہ نے دیکھا　　یوں ہوا خاصگان سے گویا

خاور شاہ　　(کون ہے یہ شخص؟)

ہے یہ ہستی کون جو ہے اس خرابے میں مکیں　　ہے کوئی جاسوس؟ یا کوئی یہ رہزن تو نہیں؟

سر پہ سادا سا عمامہ، تن پہ اک ملبوسِ عام　　کون ہے اس غار میں اور کیا ہے اس ہستی کا نام؟

اور بھی کچھ لوگ ہیں اس وقت اسکے آس پاس　　ہیں سبھی حالی موالی، باشعور و باحواس

کیا ہماری سلطنت کا مدّعی ہی تو نہیں　　کیا بغاوت پر ہے آمادہ ہمارا ریزہ چیں؟

کوئی سازش کر رہا ہے ما بدولت کے خلاف؟　　سادگی اس کی ہے کیا چہرہ پہ لیکے اک غلاف؟

یاں پہن رکھے ہیں سب نے ایک جیسے پیرہن　　کیا کوئی اس نے بنائی ہے یہ خفیہ انجمن؟

لگ رہے ہیں سب اسی باریش کے حلقہ بگوش　　کون جانے کیا ہے انکا انتظام نائے و نوش!

کس لئے خاموش ایسے ہیں اس نہاں خانے میں سب　　کہہ رہا ہے کچھ عمامہ پوش ہیں سب باادب!

جمع ہیں جو حاضرین و ناظرین و سامعین —　　ان کے چہروں سے عیاں ہے، ہیں یہ سارے ہی ذہین

حاجب (ایک گوشہ نشیں زاہد)

اے خداوندِ خطۂ خاور
حاکمِ خلق، قوم کے داور

اے فلک رتبہ اے شہِ ذیجاہ
آپ کے ہیں مطیع مہر و ماہ

آپ اقبالِ تختِ شاہی ہیں
پرتوِ رحمتِ الٰہی ہیں!

جو سوال آپ نے کئے ہیں حضور
عرض کرتا ہوں جو بھی ہے مقدور

یہ جو بارِیش شخص غار میں ہے
نہ تو فردا ہے جسکا اور نہ دے

ایک گوشہ نشین زاہد ہے
دین کی راہ اس نے کی ہے طے

جمع ہیں کچھ یہاں جو دیوانے
شمع کے گرد جیسے پروانے

ہیں اسی پیر کے مرید تمام
مقتدی ہیں سب اور وہ ہے امام!

شک ہے جو اس کو دور فرمائیں
کوئی دل میں نہ وسوسہ لائیں

خاور شاہ

حاجبِ تم نے بے شک کام تو اچھا کیا
شک ہمارے دل میں جو تھے رفع ان کو کر دیا

ما بدولت پیرِ دانشور سے ملنا چاہینگے
وہ نہ آپائے تو ان کے پاس خود ہم جائینگے

زاہد

حاکمِ شہر اسکی تو حاجت نہیں
آپ کو ایسی کوئی ضرورت نہیں

خود ہی حاضر ہوں میں سامنے آپ کے
چاہتے کیا ہیں اب آپ فرمائیے

خاور شاہ

اے برگزیدہ از جہاں ہم کو ذرا بتلائیے
اس خرابے میں ہیں خوش کسطرح سے فرمائیے

آپ رہتے ہیں یہاں کسطرح اور کھاتے ہیں کیا
اس جگہ سے بھی کہیں آپ آتے اور جاتے ہیں کیا

زاہد

جس خرابے میں رہتا ہے یہ خاکسار
اس میں خوش ہے بہت خوش غریب الدیار
ہے غذا اپنی جنگل کی تازہ گیاہ
قدرتے پانی بھی پی لیتا ہوں گاہ گاہ

حاجب

(رہبانیت)

زندگی اپنی یوں ہی کی ہے تباہ
حاجبِ شہ دکھائے گا اب راہ
آپ اک پاکباز زاہد ہیں
آپ اک بے نیاز زاہد ہیں!
آپ ہیں نیک اک حقیقت ہے
زہد و طاعت گراں بہا ہے شئے
آپ اطا[illegible]ت گذار ہیں لیکن
ایک پرہیزگار ہیں لیکن
آپ نے راہِ زہد سے اپنا کر
تنگدستی میں عمر کی ہے بسر
بات ہے صاف آپ کر دیں معاف
مجھکو آتی نہیں ہے لاف و گزاف
[illegible] زہد گوسفندی ہے
خویش بینی ہے خود [illegible]ی ہے
ترکِ دنیا ہے ناخوش اندیشی
زہد کیا ہے طریقتِ [illegible]ی
زہد کیا ہے سکوں پرستی ہے
زندگی جہد کو ترستی ہے
زہد خود کے طلسم میں ہے اسیر
زہد اپنا ہے آپ ہی نخچیر
زہد خلوت گزینِ شہرِ خموش
جسکا فردا کوئی نہ کوئی دوش
غذ[illegible] زہد میں طپش ہے حرام
تاب و تب، سوز و ساز اک دشنام
زہد ہے اک سیاہ اندھی رات
آرزو، درد و جستجو سے نجات
نوشی کرتے ہیں آپ آب و گیاہ
زندگی کی نہ[illegible]یں ہے کوئی چاہ
آپ ہوتے جو شہ کے درباری
[illegible]ش میں [illegible]تی زندگی ساری

آپ ہوتے اگر انیسِ شاہ ہو ہی جاتے جلیسِ مہر و ماہ

آپ کو مشورہ ہے اب میرا آئیے شہ کے ہم رکاب ذرا

دیکھئے کیا مزا ہے دنیا میں کیا دھرا ہے تلاشِ عقبیٰ میں

زاہد

(زہد و معرفت)

تو نے اے حاجبِ شہ مجھے دکھ دیا کیا کسی دن، کہیں غور بھی ہے کیا؟

تو ہے کیا چیز اور تیری ہستی ہے کیا زندگانی تو ہے ایک شے بے بہا

زہد کے باب میں گلفشانی جو کی یا وہ گوئی تھی اے حاجبِ شہ تری

ہے الگ زہد رہبانیت ہے الگ میوہ جنت کا اک دوسرا طعمِ سگ

اب یہ کہئے کہ کھاتا ہوں میں جو گیاہ جو مرغن غذا تجھ کو دیتا ہے شاہ

(ق)

اُس میں اور اس میں ہے فرق بے انتہا فرق دونوں غذاؤں میں ہے برملا

کاش اک روز کھل جائے تجھ پر یہ راز کون ہے ریزہ چیں کون ہے بے نیاز

میں ہوں ہر طرح آزاد تو ہے غلام ایک صبحِ حسیں ایک تاریک شام

باوجودیکہ تو بولتا ہے مدام بے خبر لب کشائی ہے تجھ پر حرام

بے بصر زہد معراج ہے روح کی کم نظر زہد ہے روح کی روشنی

زہد کا دوسرا نام ہے معرفت ایک ہوں گر تو اسکی کروں میں صفت

خود پسندی نہیں خود شناسی ہے زہد شہر میں تیرے خالص سیاسی ہے زہد

زہد ہوش و خرد زہد ہے آگہی راہِ تاریک میں جس سے ہے روشنی

حاصلِ زیست ہے زاہد اور اتقا تو نہ ہرگز یہ نکتہ سمجھ پائے گا

تو سمجھتا ہے کیا ہے یہ کارِ ثواب عاقبت اپنی کیوں کر رہا ہے خراب

قبل اس کے کہ ہووے کوئی لب کُشا
بات کہنے کا سیکھے سلیقہ ذرا

اب رہی بات کیلئے یہ دنیا تری
بات کو غور سے سُن ذرا تو مری

یاوہ گوئی میں تونے گزارا ہے دن
حیف تجھ پر ہی بھاری یہ تیرا ہے دن

مختصر بات کہنی یہی ہے مجھے
عقل دے میرا معبود تھوڑی تجھے

دیا بے تاب مت ہو جہاں کیلئے
جیسے بیکل ہو سگ استخواں کیلئے

ہے یہ دنیا تری ایک دنیائے دُوں
جس کے آگے ہے ابلیس تک سرنگوں

کیا ہے دنیا تری یک دہانِ خزیں
اک جہنم ہے در اصل جنت نہیں

دنیا

خوابوں کا بازار ہے دنیا
سانسوں کا بیوپار ہے دنیا

اک لمحے کو غور کبھی کر
حاجب کس کی یار ہے دنیا

پھول کی آس میں جینے والے
کانٹوں کا اک ہار ہے دنیا

کون سنبھالے کیسے سنبھالے
اک گرتی دیوار ہے دنیا

ہم سے کچھ بھی خوش تو نہیں ہے
آپ سے بھی بیزار ہے دنیا

عیسٰی اور منصور کہاں ہیں
دار لئے تیار ہے دنیا

اپنے خود ہیں گھات میں بیٹھے
بچ کے چل مکّار ہے دنیا!

کال بڑوں کا ہے اس جگ میں
چھوٹوں کی سرکار ہے دنیا!

سچوں کے گاہک ہی نہیں ہیں
جھوٹوں کا بازار ہے دنیا!

جس کو چبھے ہے بس وہی جانے
پھول نہیں اک خار ہے دنیا!

اوروں پر بھی بوجھ بنی ہے
خود پر بھی اک بھار ہے دنیا

رن ہے اور سنگھرش ہے بھاری — جیت ہے دنیا ہار ہے دنیا
دھیان دھرو تو اک ناگن کی — زہریلی پھنکار ہے دنیا
دل میں ہلاہل، ہنستا چہرا — دو دھاری تلوار ہے دنیا
روزی کب اور کس کو ملی ہے — اک لمبی بیگار ہے۔ دنیا
دوزخ ہے اور تو سمجھا ہے — جنت اور گلزار ہے دنیا
تیرتے جاؤ، ڈوبتے جاؤ — ایک بڑی منجدھار ہے دنیا
لگتی ہے سیدھی سی لیکن — ایک کٹیلی نار ہے دنیا
سر پر جو تیار کھڑی ہے — وہ ننگی تلوار ہے دنیا
کاٹ بہت ہی تیز ہے اسکی — اک خنجر کی دھار ہے دنیا
سچ کی کہانی چھوٹی سی ہے — جھوٹ کا اک طومار ہے دنیا
دور سے یوں لگتا ہے جیسے — پھولوں کا اک ہار ہے دنیا
لیکن جب کچھ پاس سے دیکھو (ق) — پھول نہیں انگار ہے دنیا

داستان گو

خاموش ہی سن رہا تھا سلطان — حاجب کے دلائلِ پریشان
اور شیخ کی گفتگوئے عرفان — کچھ دیر کے بعد ہی سخن دان
التزام کب سے پس بہ عجلت — اور شیخ کے ہاتھ پر کی بیعت
دریائے رضائے زاہد افتاد — لی اسکی دعا تو دل ہوا شاد
تھی شاہ کی زندگانی برباد — اسطرح ہوا مگر وہ آباد
خرسندہ ہوا، چل دیا شاہ — زاہد نے سمجھائی دین کی راہ

مجنوں نے یہ جو سنا فسانہ | بیٹھا تھا خموش وہ دِوانہ
کچھ دیر میں ہوگیا روانہ | ہونٹوں پہ لئے ہوئے ترانہ
پس ہوگیا شاہ کی ہی مانند | شاداں، فرحاں، بہت ہی خرسند
کچھ دن اِسی طرح اُس کے بیتے | تسکیں ہوئی اس کے دل کو تھوڑے
اک دن اسے یونہی بیٹھے بیٹھے | یاد آگئے کچھ پُرانے لمحے
یادوں کی برات جونہی آئی | مادر کی بھی یاد ساتھ لائی
اک سوچ میں گم ہوا وہ معذور | ماں کیسی ہے؟ خوش ہے یا کہ رنجور؟
کس حال میں ہے وہ پیکرِ حور | کس طرح ملے؟ نہ تھا یہ مقدور
پس اس نے پیام ایک بھیجا | مادر کو سلیم لے کے آیا

مادرِ قیس [وہ تو ایک سایہ تھا]

اے مرے بیٹے جوانِ ناتواں | باغِ ہستی کے مرے سروِ رواں
اے پسر میرے، مرے لختِ جگر | میرے دن کے نور، راتوں کی سحر
تو ہوا ہے اے مری روحِ رواں | میری ہی آغوش میں پل کر جواں
زندگی میں تھی مری، تجھ سے بہار | میری حالت سے ہے ہر بات آشکار
جس گھڑی سے تو نے آنکھیں پھیر لیں | رنج سے فرصت مجھے بالکل نہیں
ہر گھڑی رہتی ہے میری چشم نم | میری آنکھوں سے رواں ہے سیلِ غم
زندگانی ہے مری آہ و فغاں | صبح سے تا شام ہوں نوحہ کناں
ہر نفس گر ذکر ہے تو تیرا ذکر | ہر گھڑی گر فکر ہے تو تیری فکر
شمع آسا گھل رہی ہوں روز و شب | ہے طلب دل کو تو بس تیری طلب

روح میں پیوست ہے خارِ الم
ہر نفس ہر سانس سے پیتی ہوں سم

نالہ و فریاد اور آہ و بکا
مدتوں سے ہے یہی اک سلسلہ

زندگی میں ہے مرے وہ مرحلہ
اب نہیں جینے کا مجھکو حوصلہ

اب یہی کہنا ہے اے نورِ نظر
شام آنے ہی کو ہے چل اپنے گھر

جس کی خاطر تونے لی راہِ جنوں
ایک سایہ سا تھا، تھا وہ اک فسوں

تھی وہ اک توس قزح سی رنگ کی
ایک لمحے کو جھلک دکھلا گئی

ایک بادل تھا کہ جو بے فیض تھا
تو رہا لب تشنہ پیاسا ہی رہا

جس پہ تونے زندگی قربان کی
بے خطر بازی لگا دی آن کی

تیری لیلیٰ تیرے دل کی آرزو
وہ ترا ارمان تیری جستجو

وہ تو شبنم تھی کہ جکو آفتاب
پی گیا، باقی نہیں اسکا حساب

ایک ساعت کی تھی وہ تابندگی
یعنی اک برقِ تپاں تھی بجھ گئی

لب پہ لالی تھی عروسِ شام کی
ایک کروٹ، گردشِ ایام کی!

تھا وہ اک شعلہ جو جلکر رہ گیا
کیا ملا؟ تو ہاتھ مل کر رہ گیا!

تونے دی ہے جکو چاہت بے حساب
دہر کے اس دشت میں تھی وہ سراب

خواب تھی اک خواب وہ اے بے خبر
خوابِ بے تعبیر اے میرے پسر

آرزوؤں کے نگر میں آس تھی
یوں لگا، دراصل وہ اک یاس تھی

تونے صحرا میں گذارے ماہ و سال
شہر تیرا منتظر ہے میرے لال

دیکھتی ہوں آہ اے صحرا نورد
تیرا تن تنکا ہے، رخ ہے زرد زرد

جو بھی گذری جو بھی بیتی بھول جا
لوٹ آ۔ آبادیوں میں لوٹ آ

قیس (زندہ جاوید ہے ہمارا عشق)

اے ستم دیدہ اے مری مادر — آج تو ہو گئی ہے بے چادر
دیکھ کر تجھ کو آنکھ بھر آئی — زندگانی تجھے کہاں لائی؟
دیکھ کر تجھ کو یوں ہوا افسوس — دل دکھا میرا برملا افسوس
جیسے جکڑا ہو ایک اژدر نے — تجھ کو کیا کر دیا مقدر نے
کھا گئی تجھ کو زندگی کی نظر — شام تیری نہ کوئی تیری سحر
تو کہ تھی ایک برقِ جوالہ — تو کہ تھی گل کدے کا اک لالہ
معتمد تھی تو اپنے شوہر کی — اک صنم تھی تو اپنے آذر کی
جب بھی دربار میں تو آتی تھی — آنکھ تجھ پہ ٹھہر نہ پاتی تھی
تجھ پہ جو کچھ ہوا مرے ہی سبب — مادرِ بے نوا، مرے ہی سبب
ماں تو کر دے معاف میرا قصور — تو سزا جو بھی دے مجھے منظور
آج آئی ہے تو جہاں اے ماں — اک عجوبہ طلسم ہے یہ جہاں
آج سے کچھ ہی پہلے مادرِ پیر — تھی یہ بے رنگ و صوت اک تصویر
تجھ کو اس پر یقین کم ہو گا — پُر ضرر تھا یہ بے ہنر [illegible]!
اس میں کیا شک کہ ریت کا یہ نگر — جس کے رستے ہیں تابعِ صرصر
زندگی کی نوا سے تھا محروم — (ق) ساز، صوتِ غنا سے تھا محروم
یہ تو اک کارزارِ حسرت تھا — یہ تو اک خارزارِ وحشت تھا
تھا درشت اور سخت مہمل دشت — اس میں کرتے تھے اژدھے شب گشت!
ایک خبطی سڑی طبیعت کا — تھا یہ اوچھا گری [illegible] کا!

تنگ دل، ناگوار، بدخصلت — ترش رو، بدمزاج، پرنخوت!

پست، بیہودہ اور نامعقول — تھا بیاباں یہ ایک دشتِ فضول

یعنی خونخوار، حقیر، کلّے دراز — اسکا کوئی نہ تھا یہاں دمساز

سخت بے التفات تھا یہ دشت — کج ادا بے صفات تھا یہ دشت

اسکو کہتے تھے وادیٔ غربت — جس میں پلتے تھے نکبت و عسرت

متنفّر تھا اس سے ہر اک خار — تھا یہ خونریز، خونچکاں، خونخوار

تھا زیاں کار اور ظاہر دار — تھا مضرّت رساں یہ بد اطوار

اسکی کنجوسی اس کی جزرسی — برہمی اس کی طرفہ معجونی

اک قیامت کی فتنہ انگیزی — اس کی بدخوئی اس کی کینہ وری

گھر میں رسوا تھی در میں رسوا تھی — (ق) گانو میں اور نگر میں رسوا تھی

وقت گزرا اس پہ اک ایسا — جب کوئی اس کو پوچھتا بھی نہ تھا!

اس کی وحشت سے لوگ تھے خائف — مصر کی سرزمیں سے تا طائف

میرے آنے کے بعد حال یہ ہے — جانتے سب ہیں اب یہ کیا ہے شئے

اس کو میں نے دیا ہے اک آہنگ — دے دیا اپنے ہی لہو سے رنگ

مجھکو نگری بہت یہ بھاتی ہے — دیکھنے مجھ کو خلق آتی ہے

گہما گہمی سی ہو گئی ہے یہاں — جو اداسی تھی کھو گئی ہے یہاں

خارزاروں میں پھول کھلنے لگے — ذرّے اک دوسرے سے ملنے لگے!

اسکے ماحول میں ہے رونق سی — ہر جگہ لگ گئی ہے بیرق سی

پہلے رہتے تھے اس میں جو بھی غزال — یہ جو کرتی بھول کر تھے پامال

دشت کی اب کرختگی کم ہے
کم ہے سم اس میں اور کم غم ہے

اب مضرت رسانیاں کم ہیں
دام در در پھر سے مائلِ رم ہیں

مٹ گئی ہے اب اسکی تنگ دلی
ختم اسکی ہوئی ہے سنگ دلی

اس میں میرے سرشک کے ہیں چراغ
اب ہے تاریکیوں سے اسکو فراغ

ان فضاؤں میں میری آہیں ہیں
مجھ پہ اب دہر کی نگاہیں ہیں

ترش روئی نہیں ہے اب باقی
جام میرا ہے میں ہوں خود ساقی

اس میں بے التفاتیاں ہیں کم
اب نہیں ہے یہاں کہیں ماتم

اس کی اب تیزیاں ہیں حرفِ غلط
فتنہ انگیزیاں ہیں حرفِ غلط

علم ہے سب کو عشق میں نے کیا
عشق سے زیست نے مزا پایا

عشق میرا محال ہے اے ماں
سچ یہ ہے بے مثال ہے اے ماں

لوگ یاں عشق کرتے آئے ہیں
حسن والوں پہ مرتے آئے ہیں

عشق میں نے کیا بُرا نہ کیا
دہر میں مجھکو اور کیا ملتا؟

دل میں محبوب کی جگہ پائی
اسکے در پر جو کی جبہ سائی

تا قیامت رہے گا عشق میرا
اس کا ہوگا ہر اک جگہ شہرا

تذکرہ آنے والی نسلوں میں
اس کا ہوگا ضرور یاد رکھیں

لوگ گن گائیں گے یہ ہے اب طے
یہ کہاں ہے بھلانے والی شئے

بات ہوگی یہی فسانوں میں
گیت گائیں گے سب ترانوں میں

عشق لیلیٰ کا اور مجنوں کا
زندہ جاوید ہی رہے گا سدا!!

اے مری ماں یہیں بہت خوش ہوں
میں جہاں ہوں وہیں بہت خوش ہوں

آج ہے خواب سی مری ہستی
شہر میرا نہ ہے کوئی بستی!

شہر مجھکو نہ راس آئیگا
میرا ہر خواب ٹوٹ جائے گا

اسلئے تجھ سے اب گذارش ہے
آرزو ہے مری یہ خواہش ہے

دشت کی تو صعوبتیں مت جھیل
اپنی ہستی سے اسطرح مت کھیل

اب خدا کیلئے تو واپس جا
اس بیاباں میں لوٹ کے مت آ

جا مری ماں ترا خدا حافظ
میرے ارماں ترا خدا حافظ

داستان گو

اک بوجھ سا دل سے ہٹ گیا تھا
مادر سے وہ مل کے سوئے صحرا

اک لمحے میں ہو گیا روانہ
پیچھے نہ ذرا پلٹ کے دیکھا

بیٹے نے کیا جو قطع پیوند
روتی رہی ماں برائے فرزند

واپس ہوئی لے کے چشم پرنم
دل میں تھے ہزار طرح کے غم

خاوند تھا اسکا خاص محرم
وہ کر ہی چکی تھی اس کا ماتم

تنہا تھی اک آہِ نارسا تھی
بے روح سا تن تھی بے نوا تھی

بار اور اٹھا چکی تھی پہلے
غم جھیلتی ایسے اور کتنے ؟

تھک ہار گئی تھی دکھ اٹھا کے
اک روز نہ اٹھ سکی سحر سے

اس دہر سے کر گئی وہ رحلت
کرنے کو بہشت میں سکونت

ہمدرد سلیم عامری تھا
ہشیار بہت تھا اور سیانا !

کچھ عرصے کے بعد سوئے صحرا
رحلت کی خبر لئے سدھارا

اس دشتِ ستم میں جب وہ پہنچا
مجنوں کو الم میں غرق پایا ۔

سلیم عامری

(مادرِ بے چادر)

اے شہِ عاشقاں سلام علیک — عشق کے راز داں سلام علیک

پیش ہے پھر سے احترامِ سلیم — آپ عاقل ہیں جیسے دانشمند

میں جو لایا ہوں ساتھ اے مضطر — ایک اندوہناک ہے وہ خبر

آپ کی چاہ، آپ کی مادر — پیرزن، بد نصیب، بے چادر

آپ کی جس نے پرورش کی تھی — آپ سے جو کہ پیار کرتی تھی

اس جہاں سے گذر گئی ہیہات — ہو گئی قیس آہ اس کی وفات

آخری وقت تک بھی آپ کو یاد — کر رہی تھی وہ مادرِ برباد

داستان گو

جیسے ہی خبر سُنی الم ناک — مجنوں نے کیا، دل و جگر چاک

دل میں نہ رہا تھا بیم اور باک — پس لوٹنے لگ گیا سرِ خاک

جسطرح سے کوئی مرغِ بسمل — لوٹے سرِ خاک ہو کے گھائل!

آنکھوں سے ٹپک رہا تھا ہذیاں — آنکھوں ہی سے بہ رہا تھا طوفاں

آنکھوں ہی سے لگتا تھا پریشاں — آنکھوں ہی کا گلستاں تھا ویراں

اک عرصے تلک رہا وہ بے ہوش — ہوش آیا تو ہو گیا وہ خاموش

مجنوں تو نہ تھا کوئی دوانا — تھا وہ رہِ عشق میں سیانا

امڈے جو سرشک والہانا — سادے ہی گہر تھے دانا دانا!

قدرے ہوا پُر سکون جب قیس — گویا ہوا اسطرح سے تب قیس

قیس

(کیسا فائدا؟)

اے خداوندِ قدوس اے میرے رب — مجھ پہ ہے کیوں ستم، ظلم کیوں بے سبب
مجھ پہ غصہ یہ کیسا یہ کیسا غضب — اسطرح دل دکھانے سے کیا فائدا؟

کر دیا مجھ کو زندانِ غم میں اسیر — کل تلک تھا یتیم آج ہوں میں یسیر
میں ہوں بندہ ترا اک غریب و حقیر — مجھ پہ یوں ظلم ڈھانے سے کیا فائدا؟

عمر پہ میری کیوں آگیا ہے زوال — جھڑ چکے برگ جس کے ہوں ایسا نہال
کیوں نگاہِ کرم ہے تری خال خال — مجھ کو ایسے ستانے سے کیا فائدا؟

زنگ خوردہ سی اک میخ میں بن گیا — اب مرے پاس کچھ بھی نہیں ہے رہا
سازِ خاموش ہوں بے نوا بے صدا — قہر دل میرا ڈھانے سے کیا فائدا؟

اپنی اس زندگانی سے بیزار ہوں — ایک صیاد کا میں گرفتار ہوں
میں نہ بیدار ہوں اور نہ ہشیار ہوں — ہوش میں میرے آنے سے کیا فائدا؟

کیسا ہے میرا گناہ کیا ہے میرا قصور — کیوں ہے اے میرے رب مجھ سے تو دور دور
رنج و غم سے سراسر ہوں میں چور چور — اور مجھ کو رلانے سے کیا فائدا؟

اک حقیقت ہے جب عشق میں نے کیا — ایک نوخیز کو پل میں اپنا لیا
ایک طوفاں تھا پھر بھی جلا یا دیا — اس دیئے کو بجھانے سے کیا فائدا؟

کیوں نگہ میں تری آج معتوب ہوں — تو ہے واقف کہ ہوں زشت یا خوب ہوں
تیری دہلیز ہی کی میں جاروب ہوں — مجھ کو ٹھوکر لگانے سے کیا فائدا؟

میرے مولا سبب کیا ہے اس قہر کا — میں ہوں اک عام بندا ترے شہر کا
میں نہیں کوئی حلاج اس دہر کا — مجھ کو سولی چڑھانے سے کیا فائدا؟

عشق میرا ہے صادق یقیں ہے مجھے — جھوٹ کہنے کی عادت نہیں ہے مجھے
تلخئ عشق بھی انگبیں ہے مجھے — مجھ کو حنظل چکھانے سے کیا فائدا؟

اسکی ہی یاد ہے ہر نفس ہر گھڑی — دو ہی لفظوں میں کہہ دوں حکایت مری
اس نے دیکھا تو دنیا مری لٹ گئی — ایک لمبے فسانے سے کیا فائدا؟

مجھ کو تیرا ہی در، دل سے بھایا بہت — میں نے اس در پہ ہی چین پایا بہت!
مجھ کو تیری ہی چھت اور سایا بہت — اور کسی کے ٹھکانے سے کیا فائدا؟

جو بھی مانگو نگا، مانگو نگا در سے ترے — خالی خالی ہے کاسے کو بھر دے مرے
اپنے ہی ہاتھ سے دے دے داتا مجھے — غیر کے در پہ جانے سے کیا فائدا؟

آگ نمرود کی تھی بھلایا مجھے — سیلِ آشفتگی میں بہایا مجھے
ہر طرح میرے رب آزمایا مجھے — مجھ کو پھر آزمانے سے کیا فائدا؟

کر دیا مجھ پہ ایک شوخ نے ہے فسوں — ہوں قتیل اور مجھے ان دنوں ہے جنوں
کتنے ہی مرتبہ بہہ چکا میرا خوں — پھر سے خوں میں نہانے سے کیا فائدا؟

نہ تو ہشیار ہوں اور نہ چالاک ہوں — ان دنوں حد سے بڑھ کر الم ناک ہوں
مٹ چکا ہوں یہاں تک کہ میں خاک ہوں — اور مٹنے مٹانے سے کیا فائدا؟

آگئی گل کدے پر کچھ ایسے خزاں — مٹ گئی ہر روش لٹ گیا آشیاں
باغ میں ہو گئیں پتیاں پتیاں — اب نئے گل کھلانے سے کیا فائدا؟

اک طرف تھا زجاج ایک جانب تھا سنگ — زندگانی سے اب آگیا ہوں میں تنگ
میں نے تنہا، اکیلے لڑی ہے یہ جنگ — دل پہ اور تیر کھانے سے کیا فائدا؟

ہے جگر خون، سینے میں قلبِ تپاں — نرم و نازک سی پیوست دل میں سناں

دامنِ چاک ہے دھجیاں دھجیاں / دھجیوں کو اڑانے سے کیا فائدہ؟

میں اگر سو گیا مجھ کو سونے ہی دے / روتا آیا ہوں تو مجھ کو رونے ہی دے

تخمِ غم اپنی ہستی میں بونے ہی دے / میں ہوں بے حس جگانے سے کیا فائدہ!

ہے وہ شعلے سے ٹوٹا ہوا اک شرر / میری منزل الگ راہ اس کی دگر

اس سے ہوگا ملن اسطرح سوچ کر / دل کی دھڑکن بڑھانے سے کیا فائدہ!

ایک وہ بھی تھا کل جب تھا آتشِ جواں / ریگِ صحرا تھی میرے لئے پرنیاں

فرشِ کمخواب تھی راہ کی سختیاں / ویسے طوفاں اٹھانے سے کیا فائدہ؟

کیا کہوں مجھ پہ گذرے ہیں کیا واقعے / دل نے صدمے اٹھائے ہیں کس طرح کے

راکھ مجھ کو کیا آتشِ ہجر نے / اور مجھ کو جلانے سے کیا فائدہ؟

ایک تصویرِ غم ایک رخ زرد سا / ٹوٹا ٹوٹا ہوا بکھرا بکھرا ہوا

میرا ہی آئینہ اور چہرا مرا / خود مجھے ہی دکھانے سے کیا فائدہ؟

ایک دن میری محبوب مل جائیگی / مجھ کو تھا حوصلہ مجھ کو امید تھی۔

آہ وہ شئے جو اب غیر کی ہو چکی / اسکو اپنا بنانے سے کیا فائدہ؟

سوچتا تھا کہ اک روز وہ ماہرو / لالہ رخسار، شبنم، گلِ مشکبو

بے حجاب آئیگی بزم میں دوبدو / خواب ایسے سجانے سے کیا فائدہ؟

اف یہ صحرا اور اس کی یہ برنائیاں / راس آنے لگی ہیں یہ تنہائیاں

لوگ چالاک ہیں لوگ ہیں کائیاں / ہاتھ ان سے ملانے سے کیا فائدہ؟

مطلعِ قلب پر غم کا سورج اگا / موسمِ درد ہے چھا گیا ابر سا

آگیا وقت اب چھیڑیئے جوگیا / راگ درباری گانے سے کیا فائدہ؟

تجھ کو مجھ سے ملا کیا یہاں جز وفا
آ جو سکتی ہے آئے سراپا جفا
پائوں میں گرچہ تونے لگائی حنا
یوں بہلانے بہلنے سے کیا فائدا؟

تو کسی اور کی ہو چکی ہے سبب
دل ترا ہے کہیں اسلئے مجھ کو اب
تونے مجھ پر کیا اک ستم اک غضب
پاس اپنے بٹھانے سے کیا فائدا؟

چشمِ پُرنم ہے یا غم کا در باز ہے
غم مرا دوست ہے غم ہی ہمراز ہے
خامشی نے سُنی غم کی آواز ہے
غم کدہ سے ہٹانے سے کیا فائدا؟

عشق میں مات کھانے کا ہے دار و بست
اس میں آغاز ہی سے ہے شہ اور شکست
حوصلہ عشق بازی میں رہتا ہے پست
رنگ اپنا جمانے سے کیا فائدا؟

ابنِ مریم کی خاطر یہاں ہے صلیب
اس پہ بھی گر مداوا نہ ہو اے حبیب
دارِ منصورِ حلاج کا ہے نصیب
پھر دار جانے سے کیا فائدا؟

اشک شوئی سے دل اور ہوتا ہے خوار
جب یہی رسمِ دنیا ہے اے غمگسار
اشک پینے سے بھی دل کو ہوتا ہے عار
اشک پینے پلانے سے کیا فائدا؟

لاکھ تم دل سرِ راہ رکھ دو مگر
وہ ستم گر نہیں آئیگی راہ پر
اسلئے دوستو بات ہے مختصر
دام ایسے بچھانے سے کیا فائدا؟

آنکھ ساغر بنے ہاتھ کا سر بنے
باوجود اسکے تجھ کو وہ ٹھکرا چلے
سوچ اے دل ذرا کیا ملیگا تجھے
خود کو اتنا گرانے سے کیا فائدا؟

میرے ہمراز ہیں کوہ و دشت و دمن
مجھ کو اتنا ہے غم میرا جلتا ہے من
جب بھی سنتا ہوں یاروں کا میں سخن
قیس جیسے دوانے سے کیا فائدا؟

داستان گو

گو قیس کی زندگی تھی پامال
لیلیٰ کا بھی غم سے تھا برا حال

اوڑھے ہوئے ایک دن وہ اک شال
وہ سوچ رہی تھی دل میں یکسر
تھا قیس کا ذکر لحظہ لحظہ
پھرتا تھا اُدھر وہ صحرا صحرا
وحشت کے نگر میں بس رہی تھی
لیلیٰ کا تھا جسم جیسے تنکا
تھا قیس ہی زندگی کا ملجا
مجنوں لیلیٰ کا تھا کنھیا
وہ سوچ رہی تھی کوئی مل جائے
شاید کہ وہ شہر لوٹ آئے
تھی فکر اسے یہی لگاتار
اتنے میں ہوا خدا کا کرنا
گو راہ تھی اس کا کوئی گھرنا
اب راہ سے کرکے ہی اُٹھے گی
تھا گام زن ایک پیرِ دانا
روتی ہوئی خلق کو ہنسانا
تھا پیر کے بائیں ہاتھ کا کھیل
لیلیٰ پہنچی وہیں لپک کے
تھا راز جو کچھ بتا یا پہلے
مجنوں کے وہ خط حوالے کرکے

آئی سرِ راہ پہنے خلخال
شاید کہ دکھائی دے وہ دلبر
تھی قیس کی بات لمحہ لمحہ ـــــ!
روتی تھی اِدھر یہ دریا دریا
ہر پل وہ زمین میں دھنس رہی تھی!
یہ بارِ الم نہ اٹھ رہا تھا
تھا قیس ہی زندگی کا ماویٰ
گویا کہ تھی بنت کی وہ میرا
جو قیس تلک پیام پہنچائے
لیلیٰ کی نگہ کی بات سمجھائے
ہو قلب کا دور کیسے آزار؟
کام آ گیا اس کا رہ پہ دھرنا
تھا دل میں یہی کہ جینا مرنا
بھیجے گی وہ خط یا جان دیگی
دانا تھا بزرگ اور سیانا
بھولے بسرے کو رہ دکھانا ـ!
اک تِل سے بھی وہ نکالتا تیل
جس سمت وہ جا رہا تھا رہ سے
راضی کیا تا وہ بن جائے
پھر جانبِ شہر لوٹ آئے

نامۂ لیلیٰ — بارِ دگر

پھر تری بزم میں آئی ہوں لئے اک نامہ
لٹ گئی میری نوا، ٹوٹ گیا ہے خامہ!!

انجمن میں تری کب ہوگا اسے بار نصیب
دلِ بے صبر کو کرتی ہوں ہمیشہ تادیب!!

جانے وہ وقت کب آئیگا کہ تو آئیگا
میرا رب وقت وہ لائیگا کہ تو آئیگا!!

کیا خبر کس کو پتہ کونسا وہ دن ہوگا
ہے مگر اسکا یقیں دل کو بھی ہے اسکا پتا

تو نکل آئیگا اک غرفۂ زنگاری سے
دشتِ بے نام کی بے سود گرفتاری سے

ایک دن تو مرے پہلو میں ضرور آئیگا
تیرے آجانے سے محفل میں سرور آئیگا

تو جو آئیگا تو ہو جائیگا اک جشن بپا
شہر بھر میں ترے آجانے کا چرچا ہوگا

فصلِ گل آئیگی تو آئیگا جب مثلِ بہار
خوشبوئے مشک بہ آغوشِ گلستاں بکنار

زلف سر ہوگی تو ہنگام خوشی آئیگا
ساز بج اٹھینگے، دل نغمے میں کھو جائیگا

جب بھی گلزار سے وہ شوخ ادا گذریگی
عطر میں ڈوبی ہوئی بادِ صبا گذریگی

گرد آلود سب آئینے چمک اٹھینگے
گلکدے قوس کی مانند دہک اٹھینگے!

پھول دہکیں گے تو یکبار ہوا مہکے گی
تیرے لبوں کی نواؤں سے فضا چہکے گی!

مجھکو امید ہے وہ ساعتِ نیک آئیگی
اپنے ہمراہ خوشی بارِ دگر لائے گی!

آبھی جا وقت کو بیکار نہ کھو، لوٹ بھی آ
لوٹ اسطرح سے آ دشت کو دوبارہ نہ جا

آبھی جا تاکہ میں پلکوں میں چھپا لوں تجھکو
اپنی آنکھوں کے دریچے میں سجا لوں تجھکو!

اے مرے یار مرے دوست مرے عاشقِ زار
میں نے کب تیری محبت سے کیا ہے انکار

غلطی ہو مرے نامے میں تو کر دے تو معاف
جو بھی لکھا ہے یہاں اسمیں نہیں لاف و گزاف

جواب مجنوں بحضور لیلیٰ

آپ کا نامہ مل گیا اے یار
صبح اٹھتے ہی ہے میرا معمول
آپ کے خط کو دل کی آنکھوں سے (ق)
کتنی دلکش ہے آپ کی تحریر
کیا کہوں کیا ہے خط کی آرائش
متناسب ہیں لفظ اور جذبے
جملہ کوئی نہیں محلِّ نظر
صاف تحریر کی ہے نوک پلک
ہے عبارت بھی آپ کی عمدا
ہے لبوں پہ یہی دعا میری
اس قدر کر رہا ہے دل عش عش
کیا لکھوں میں جواب میں اے یار
اک صدف بے گہر مری تحریر
ان بیاباں نوردیوں میں عطا
اک نیا زاویہ ملا ہے مجھے
ہوگیا ہے جنوں بہت بے باک

گلِ تمنّا کا کھل گیا اے یار
میرا معمول یعنی میرا اصول
دیکھ کر چومتا ہوں پلکوں سے
موتیوں سے گندھی ہوئی زنجیر
غلطی کی کہاں ہے گنجائش
متوازی ہیں آپ کے فقرے
حرف کوئی نہیں گراں دل پر
مجھ کو اس میں نہیں ہے کوئی شک
خط نہایت ہے صاف اور ستھرا
تو دعا سن لے اے خدا میری!
آرہا ہے میرے قلم کو غش
آپ سے قیل و قال ہے بیکار
یعنی بے مدّعا مری تقریر
فیض مجھکو ہوئے بفضلِ خدا
سوچ کا، کیا کہوں کہ ہے کیسے!
اس کے آگے خرد خس و خاشاک

عشق پہنچا ہے اک مقام پہ آج
کر کے عیّار عقل کو تاراج
آپ اب کتخدا ہیں اے لیلیٰ
اک زنِ با وفا ہیں اے لیلیٰ
آپ کی ذمّہ داریاں ہیں الگ
آپ کی غمگساریاں ہیں الگ!
اس سے بڑھکر بتاؤں اب کیا میں
سچ یہ ہے آپ اب پرائی ہیں
دل میں نہ سوچیں نہ آپ سہواً بھی
نہ خیال آئے اتفاقاً بھی
ہے کوئی اور آپ کا لیلیٰ
اب نہیں غیر آپ کا ملجا
شیخ ابن السلام ہے یکسر
آپ کا زوج آپ کا دلبر
کفر ہے کفر غیر ہستی کا
دل میں لانا خیال تک ایسا
اور کوئی کبھی بھی لے نہ سکے
آپ کے زوج کی جگہ ایسے
یوں تو کہنے کو داستاں ہے بہت
چشم دل آج خونچکاں ہے بہت
ختم کرتا ہوں اس حکایت کو
اب نہ وا ہونگے لب شکایت کو

(عشق کس منزل میں ہے؟)

لیلیٰ

کس قدر سرعت سے لائے ہیں جواب یار آپ
شکریئے کے مستحق ہیں اس لئے صد بار آپ
مل نہ پائینگے مناسب لفظ اے پیرِ جواں
آپ کی مدحت میں ہوں گر آج میں رطب اللساں
آپ کو زحمت نہ ہو گر مجھ کو بھی بتلایئے
آپ نے جو کچھ ہے دیکھا مجھکو بھی دکھلایئے
کس جگہ ہے ان دنوں مجنوں کے کیا آزار ہیں
ان دنوں اس سوختہ ساماں کے کیا اطوار ہیں

پیر بزرگ

(غرض مجنوں کی یہ حالت ہے لیلیٰ)

کہوں کیا تجھ سے میں احوالِ مجنوں
وہ مجنوں جس کو کہیے دُرِ مکنوں

کہوں کیا تجھ سے میں احوالِ مضطر
کہ کیسا ہے وہ بے کاسہ گداگر

مری بیٹی کہوں کیا ماجرا میں
اسے دیکھا تو خود ہی بجھ گیا میں

لیا جب سے ہے اس نے جگ سے بیراگ
لگاؤ ہے کسی سے اور نہ کچھ لاگ !

ہے اک اندھے سے گھر میں بے خور و خواب
وہ یوسف چاہ میں تجھ بن ہے بے تاب

کہ ہے اک زنگ خوردہ آئینہ سا
ہزاروں من ہے اس پر گردِ صحرا !

لگی ہے تن بدن میں آگ جیسی
نوا اس کی ہے دیپک راگ جیسی !

پریشاں روزگار، آشفتہ، حیراں
وہ ہے بے آب و رنگ، عاجز، پریشاں

ہر اک سو دیتا پھرتا ہے منادی
بہ کہسار و دیار و دشت و وادی

لبوں پر ہے صدائے لیلیٰ لیلیٰ
زباں پر ہے نوائے لیلیٰ لیلیٰ!

نہیں ہے کچھ بھی نیک و بد سے آگاہ
معیّن کی ہے اس نے ایک ہی راہ

ہے اس پر منکشف اسرارِ لیلیٰ
ہے دل میں منعقد دربارِ لیلیٰ

اٹھاتا ہے کبھی اک خارِ صحرا
یہ کہہ کر اس میں ہے الزارِ لیلیٰ

اسے اک قطرۂ شبنم میں اکثر
دکھائی دیتی ہے لیلائے دلبر

کبھی ہنستا ہے بس فرطِ طرب سے
کبھی روتا ہے رنجِ بے سبب سے

کبھی پتھر سے کہتا ہے کہ

قیس .... اے سنگ
کبھی قلعہ، کبھی تو میل فرسنگ

نہیں کوئی یہاں پر تیرا پا سنگ
نہاں ہیں تجھ میں ایسے ایسے نیرنگ

کبھی تو ہے یعوقِ فتنہ پرور
کبھی ہے نسرِ بے ہنگم سراسر

کبھی لات و ہُبل بن کر جو آیا
تو تونے اک نیا طوفاں اٹھایا

کبھی آیا تو شکلِ بعل لے کر
تری آنکھیں تھیں جیسے لعل یکسر

کبھی تو ہے یغوثِ بے مروّت
ازل سے خون پینا تیری فطرت

کبھی تجھ سے بنا ہے ہیکل الرّوم
زمانے میں ہوئی تھی جس کی اک دھوم

اگر آذر کے ہاتوں میں چلا آئے
تو پھر تو موم جیسا نرم بن جائے

جو ابراہیم کو ہو تیرا سودا
عصا سے تجھ کو کردے پارا پارا

کبھی تو ایک سِل مضبوط اور سخت
کبھی تو ہے فقیروں کے لئے تخت

کبھی تو کوہ کی محکم چٹاں ہے
تو اُس صورت میں بے نفع وزیاں ہے

کہیں تو سنگِ خارہ، سنگِ مرمر
چٹانوں میں جبل کی ہے ترا گھر

نہایت سخت ہے تیرا ہیولہ
شرارے تجھ میں پنہاں اور شعلہ

کبھی لگتا ہے تو لیلیٰ کے دل سا
گذر ہووے نہ جس میں بے محابا!

تری فطرت میں سختی مستقل ہے
نہایت سنگ رو ہے سنگ دل ہے

یہ تیری سنگ جانی، سنگلاخی
کسی نے تجھکو پگھلایا تو ہوتا

تری اس سنگ خوئی کے ہیں چرچے
کسی نے تجھ کو سمجھایا تو ہوتا

کردوں میں ختم اب تیری کہانی
کہاں ہے کہ تیری سنگ جانی

پیر بزرگ

غرض مجنوں کی یہ حالت ہے لیلیٰ کہ تنکا بن گیا اس کا ہیولا

لیلیٰ

(ساتھ میں مجنوں کو لے آئیں)

شمع کی صورت گھلتی ہوں میں روز کہاں کب کھلتی ہوں میں ؟
دل کی فراغت حرفِ غلط ہے میری اطاعت حرفِ غلط ہے
دشت میں وہ پھرتا ہے آ، ہے ڈھونڈیں اسکو میری نگاہیں
چاہتی ہوں اب دیکھوں اسکو آنکھوں ہی میں رکھ لوں اسکو
آپ کو بس اک زحمت ہو گی میرے لئے اک رحمت ہو گی
دشت میں جائیں آپ دوبارا مجنوں ہے گو پارا پارا !
ساتھ میں اسکو لے کر آئیے لائیں اک مردے کو جلائیں
آپ سے ہیں مجھکو امیدیں جلد سنائیں مجھکو نویدیں

داستان گو

دانائے بزرگ دشت و در میں پس کوہ بکوہ تھے سفر میں
اک لمحے کو بھی نہ ٹھہرے گھر میں منزل تھی بس ایک ہی نظر میں
جاری رکھی تلاش اس کی پوچھا کئے بود و باش اس کی

آخر کو ملا فتادہ بر خاک — آشفتہ پڑا تھا قیس غمناک
بریاں تھا جگر تو سینہ تھا چاک — خاشاک فقط تھی اس کی خوراک
پینے کو سرشک کا تھا پانی — مسمار تھی اس کی نوجوانی

پیر بزرگ

(اک نظر دیکھنا چاہتی ہے تجھے)

اے عرب کے جیالے جری نوجواں — ہے خبر بھی کہ منزل ہے تیری کہاں؟
یہ بیاباں نوردی ہے کس واسطے — برہنہ سی یہ وردی ہے کس واسطے؟
اس طرح سینہ کوبی ہے کس کے لئے — اس طرح ظلم خود پر ہے کس واسطے؟
تو ہے کس وجہ سے ایسا زار و نزار — کیوں بنایا الم کو ہے اپنا شعار؟
مجھ کو لیلیٰ نے بھیجا ہے اک بار پھر — چشم اس کی ہوئی ہے گہر بار پھر
تجھ کو بھیجا ہے اس ماہ رو نے سلام — مصر کی اک ممی سی ہے وہ لالہ فام
مدتوں سے تجھے اس نے دیکھا نہیں — اس نے دیکھا نہیں اور نہارا نہیں
دلفگاری سے فرصت کہاں ہے اسے — آہ و زاری سے فرصت کہاں ہے اسے
ڈر ہے مجھ کو نہ ہو جائے وہ کور چشم — ایک دن مثلِ یعقوب وہ کور چشم
اک نظر دیکھنا چاہتی ہے تجھے — ساتھ میں بیٹھنا چاہتی ہے ترے
دو گھڑی کے لئے ہی سہی لوٹ آ — بھیجی اس نے ہے انگشتری لوٹ آ
تجھ کو بھی دیکھ کر اس کو ہوگا سکوں — ہوگا کم اس طرح تیرا سوزِ دروں
رامش انگیز اشعار اس کے لئے — تو نے عرصے سے شائد نہیں ہیں لکھے

ساتھ چلتے ہوئے نظم تحریر کر   نظم تحریر کر، وایہ شمشیر کر
چند فرسنگ ہے یاں سے اک نخل زار   منتظر ہے وہاں پر تری وہ نگار

داستان گو

خوش دل سے تھا سن کے نام لیلیٰ   مجنوں کہ تھا اک غلام لیلیٰ
اچھا تھا یہ انتظام لیلیٰ   جس باغ میں تھا مقام لیلیٰ
پہنچا وہاں کر کے وہ تگاپو   جس کنج میں آئی تھی وہ مہرو
دیکھا کہ مقام پُر فضا تھا   خوش رنگ ہر ایک گُل کھلا تھا
اُس باغ میں اک سکون سا تھا   اک کنج میں ایک خوش ادا تھا
خاموش تھی وہ بہت پری رو   گویا ہوا قیس بھر کے اک ہُو

قیس

(ایک درخواست)

حضور لے لیں سلام میرا   قبول ہو احترام میرا
خبر نہیں مجھ کو اس کی مطلق   نہیں کہ ہے یاد نام میرا
یہی ہے بس ایک دل کی خواہش   ہے ایک بس آپ سے گذارش
قبول درخواست میری کر لیں   کہ جس سے ہو ختم دل کی کاہش

پیر بزرگ

(خبردار)

قبل اس کے کہ کرے حرفِ سخن تو آغاز   قبل اس کے کہ زباں کچھ ہو تری اور دراز

تجھ سے کہنا ہے یہی پردہ نہ اٹھنے پائے
بات مخفی ہی رہے راز نہ کھلنے پائے

اس گلستاں میں نہیں حد سے گذرنا اچھا
مانگ کر کچھ بھی نہ لے اس سے تو مرنا اچھا

بات کھل جائے تو پھر خاک میں مل جائے گا
اے سراسیمہ کبھی دل نہ سکوں پائے گا

اور پھر آنکھ سے ٹپکیگا ترے دل کا لہو
بات گر جائیگی دل پر نہ رہیگا قابو

تو اگر حد سے گذر جائے تو سرتابی ہے
چشمِ گردوں کو ذرا دیکھ کہ عتابی ہے،

وہ سیہ حرف جو مذکور فسانے میں نہیں
ایسا اک حرف جریدے میں دوانے کے نہیں

عیب ناک اتنا ہے وہ حرف کوئی کیا بتلائے
لب پہ لانا بھی جو چاہیں تو نہ لایا جائے

مذہبِ عقل میں ہوتی ہے گرفت اسکی ضرور
تو بھی مجبور ادھر وہ بھی ادھر ہے مجبور

جانتا ہوں کہ سفینے کو ہے طوفاں درکار
مانتا ہوں کہ نشیمن کو ہے اک برق سے پیار

علم ہے مجھ کو کہ ہے موج کو ساحل کی تلاش
مجھ پہ تو ایک زمانہ سے ہی یہ راز ہے فاش

مجھ کو معلوم ہے بلبل کو ہے اک گل سے لگاؤ
سینۂ عشق میں پوشیدہ نہیں حسن کے گھاؤ

ایک پروانہ یہ چاہے ہے کہ صدقے ہو جائے
شمع پر، اس کی یہ خواہش ہے کہ اس میں کھو جائے

چاند کے گرد جو سیار ہے اس طرح چکور
اس کے سینے میں امنڈتی ہے گھٹا اک گھنگھور

کوئی صیاد جب آتا ہے یہاں دام بدوش
صید کو دیکھ کے جاگ اٹھتا ہے سینے میں خروش

مضطرب رہتا ہے کیوں قطرۂ نیساں کو صدف
مجھ کو معلوم ہے، ہے تیر کو کیوں شوقِ ہدف

باغ میں گل کے لئے اوس کے کیا معنی ہیں
علم اس کہنہ حقیقت کا بھی رکھتا ہوں میں

ان سبھی باتوں کے کہنے کی ضرورت کیا ہے
دل کی تفسیر بیان کرنے کی حاجت کیا ہے

کچھ بھی حاصل کبھی ہوگا نہ خجالت کے سوا
اس لئے ناطقہ خاموش رہے بہرِ خدا

یا وجو اس کے کوئی بات جو کہنی ہو تجھے ‎ ‎ کہہ دے لیلیٰ کو اسے شعر کے پیرائے سے

قیس

(بحضرتِ لیلیٰ)

اے میرے گلاب نو شگفتہ ‎ ‎ اب تک تو کہاں پہ تھا نہفتہ !
ان تیرہ شبوں کے میرے مہتاب ‎ ‎ کیوں دور ہے مجھ سے کیا ہیں اسباب
تو مان لے اک صلاح میری ‎ ‎ ہے اس میں بہت فلاح تیری
عیّار کو یار مت بنا نا ‎ ‎ سولی پہ نہ یار کو چڑھانا !
عیّار تو خون چو[illegible] لیں گے ‎ ‎ لیں گے، کبھی کچھ نہ تجھ کو دینگے !
جس کو نہ ہو ڈر خود اپنے خوں سے ‎ ‎ تو خوف کر ایسے کے جنوں سے
یوں تو ہیں بہت غلام تیرے ‎ ‎ ہیں دور تک انتظام تیرے
ہے کوئی کہاں مطیع مجھ[illegible] ! ‎ ‎ بے درد نہیں جہاں میں تجھ سا !
معروف مری نیاز مندی ‎ ‎ آزاد، مگر ہوں تیرا بندی
کلیجے میں مرے تجھی [illegible] ہے نور ‎ ‎ سنگھرش میں ہے ترا ہی شیپورد
دو روئی کو دار پر چڑھا دیں ‎ ‎ آنقشِ دوئی مٹا بھی ڈالیں
یک تن ہے دو مغز خرمے کا پھل (ق) ‎ ‎ ہے اس سے ہی مغز و تن کا کس بل
سکے پہ مرے ہو تیرا ہی نام ‎ ‎ ہو تیرے سبب سے میرا اکرام
میں زیرِ علم ہوں تیرے اے یار ‎ ‎ میں تیرا ہوں۔ تیرا میرے اے یار
ہوں تیرا غلام اے پریزاد ‎ ‎ ویسے تو ہوں ایک سروِ آزاد

تیرے ہی سبب سے ہوں میں پابند — اے جانِ جہاں تیری ہی سوگند

اک دن کبھی اتفاق سے ہی — منظور کر آرزو تو میرے

گلزار میں ایک میں ہوں تو ہو — اللہ وہ دن دکھائے مجھ کو

وہ ہو شبِ ماہتاب روشن — ہم دونوں ہوں درمیانِ گلشن

وہ ایسا مقام جانفزا ہو — اک رودِ حسیں غزل سرا ہو

اک بزم ہوا سی بہ رہی ہو — کانوں میں ہمارے کہہ رہی ہو

بادِ شب
(ملن مبارک)

ہو آپ کو یہ لگن مبارک — دولھا کو ہو اک دلھن مبارک

باہمدگری ملن مبارک — آمیزۂ جان وتن مبارک!

تن زیب کے پیرہن مبارک — تزئین کا ہر چلن مبارک

اے سروِ چمن، چمن مبارک — آہوئے ختن، ختن مبارک

قیسی

ترتیب دوں فی البدیہہ اشعار — جو تیری ہی مدح میں ہوں اے یار

حرفوں سے کروں بنفشہ کاری — اشعار میں کہہ دوں بات ساری

ترے آتش کدۂ رخ کی وہ تابانی ہے — جو دہکتی ہے مہ و مہر کے پیمانوں میں

وہ ترے طبعِ شرر بار کی جولانی ہے — جو چھلکتی ہے شفق زار کے میخانوں میں

وہ تری چشمِ فسوں کار کی حیرانی ہے — جو جھمکتی ہے ستاروں کے پری خانوں میں

اے صنم ہیں یہ ترے موئے قلم کے جلوے — نقشِ ارژنگ ترے شام کے ایوانوں میں

دور کرنے کے لئے شب کی سیاہی کے نقوش — تو جلاتی ہے دیئے رات کے دالانوں میں
اے شہنشاہِ بتاں آج ترا جاہ و جلال — ثبت ہے شہر کے سارے ہی صنم خانوں میں
بادہ خانے کی فضا فیض سے تیرے گلنار — سرخ مے ہے ترے عارض ہی کی پیمانوں میں
تیری ہستی سے عالم میں بہاروں کو ثبات — ہے خزاں حرفِ غلط دہر کے کاشانوں میں
کتنے سرخیل سپہ قصر کے ہیں تیرے غلام — میرِ شبگیر ترے در کے ہے دربانوں میں
تب ہاتھ میں تیرے نامے لے کر — پھر سے پڑھوں ان کو بوسے دے کر
پھر ایک عدد سرود اٹھاؤں — نغمات کی ندیاں بہا دوں
اے کاش یہ خواب سچ ہی ہو جائے — اے کاش وہ وقت جلدی آئے
ل میں نہیں مجھ کو بیم اغیار — پوشیدہ نہیں ہیں کوئی اسرار
ے حال یہ ہو گیا ہے دل کا — اس پہ نہیں کچھ حسد کا سایا
لھولے ہوئے دل نشیں یہ گیسو — چاہے وہ ہو غیر کا ہی پہلو!
تو پاس ہی اس کے کیوں نہ بیٹھے — مجھ کو نہیں ہوگا غم حسد سے

ہے تو بھی خجستہ فال لیلیٰ — جنت میں ہے مے حلال لیلیٰ
تو مجھ کو پلا دے بادہ ساقی — خوننابہ ہی بچ رہا ہے باقی
ایسے تو پلا نہ قطرا قطرا — دے جام میں آج دریا دریا!

داستان گو

قبل اس کے کچھ اس سے کہتی لیلیٰ — پڑھتے ہوئے شعر قیس اٹھا

اور چل دیا پھر سے سوئے صحرا — تھا دل میں وہی بس ایک سودا!

صحرا میں کھلے تھے سرخ لالے — پھر دشت تھا، پھر وہی تھے نالے

ملتی تھی الم سے جب بھی فرصت — اشعار سے ہوتی اس کو رغبت

تھی نظمِ غزل پہ اس کو قدرت — ندرت تھی کلام میں بغایت

تھی طبع میں اس کی اک روانی — پتھر سے نکالتا تھا پانی

سورج کبھی رہ سکا ہے مستور — کیا چاند بھی ہو سکا ہے بے نور

آخر ہوا شہر شہر مشہور — مجنوں کا کلام نزد اور دور

تھی اس کے سخن میں تابناکی — اظہار میں شعریت بلا کی

بغداد میں تھا کوئی ہنرمند — ازبسکہ تھا بول چال میں قند

اس شخص کا ایک ہی تھا فرزند — ہر طرح سے تیز چاق چوبند

فرزند کے مشغلے تھے کچھ اور — والد کو پسند تھے نہ جو طور

دل پھینک تھا اور چست چالاک — حد درجہ تھا گفتگو میں بے باک

اشعار پسند تھے ہوس ناک — رہتا تھا بزیرِ سایۂ تاک

کھائے تھے دل و جگر پہ گھاؤ — تھا شعر سے بھی بہت لگاؤ

تھا شیخ سلام نام اس کا — تھا اس کو بس اک نظر کا سودا

عاشق تھا کسی پہ درد پیما — اندوہ نشین و درد فرسا

ابیاتِ غریبِ قیس سن کر — اک تیر لگا تھا اس کے دل پر

اس دشت سے لے کے تا بہ بغداد — اک دل کی کسک تھی جو تھا برباد

آوازۂ دردِ عشق ناشاد — پہنچا تھا فضا میں ہو کے آزاد
مجنوں کے تھے شعر ایسے پُر درد — کرتا تھا جنھیں پسند ہر فرد
جو غمزدہ اس کے شعر سنتا — بس دیر تک اپنے سر کو دھنتا
چننا ہو جو پھول اُن سے چنتا — دن ہی میں حسین خواب بُنتا
ناقے پہ سوار ہر دوانہ — ہو جاتا تھا دشت کو روانہ
اک روز سلام بھر کے اک آہ — دل میں لئے قُربِ قیس کی چاہ
بغداد سے چل پڑا اسحرگاہ — ناقے کو دکھا کے دشت کی راہ
اُس دشت میں خوب جستجو کی — آخر ہوئی قیس تک رسائی

سلام بغدادی (ہو عطا بصیرت)

السلام شاہِ دشت اے نقیب آزادی — نام میرا اے خسرو ہے سلام بغدادی
دور سے میں آیا ہوں نام آپ کا سن کر — اے فرشتۂ صحرا، خوش خصال خوش گوہر
آپ کے حسیں اشعار مجھ کو کھینچ لائے ہیں — آتشیں چناروں کے سرد سرد سائے ہیں
شاعری کے میداں میں یوں ہے آپ کا دیواں — آگ اگلتے صحرا میں جیسے ایک نخلستاں
مجھ کو آپ کے فن سے بے کراں عقیدت ہے — حرف حرف میں پنہاں ایک سرمدیت ہے
وسعت اور بصیرت ہے ندرت اور حکمت ہے — جدت اور فراست ہے، جرأت، اور جسارت ہے!
طبع سے ہوں میں گستاخ، مجھ کو آشنا کر دیں — آپ نرم خوئی سے، مجھ میں نرمیاں بھر دیں
ہو عطا بصیرت آج، بے بصر ہوں اے آقا — بے بصر ہوں اے آقا، کم نظر ہوں اے مولا

قیس

(اے ایسے تو نہ سو برخوردار)

نازپروردۂ گلزارِ سخن، خواجہ منصوب
خوش بہت خوش ہوں کہ تو آج ہے مجھ کو محبوب
آفریں تجھ پہ جو اس دشت میں تو آیا ہے
ارمغاں میرے لئے کتنا حسیں لایا ہے
تیری تحسیں تیری تعریف سے دل شاد ہوا
سن کے توصیف تیری، شادیہ ناشاد ہوا
شکریئے کے لئے الفاظ نہیں پاس میرے
سوچتا ہوں کہ تشکر میں کہوں پھر کیسے
سختیاں دشت کی تو جھیل نہیں پائے گا
تو ہے نازوں کا پلا شہر کو واپس ہو جا!
دامِ صحرا میں نمودار ہیں صد کامِ فریب
اک طلسم، ایک فسوں، ایک فساد، اک آسیب
میں نے اس دشت میں صد رنج و الم جھیلے ہیں
بات پیچیدہ ہے کس طرح سے سمجھاؤں میں
ختم ہو کاش مرا قصۂ بے راہ روی
ایک میخ اور سہی ایک صلیب اور سہی
کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا میری صحبت میں تجھے
لوگ کتنے ہی گریزاں ہیں مرے سائے سے
جاگ آیا ہے ایسے تو نہ سو برخوردار
وقت بیکار نہ اس طرح سے کھو برخوردار
اے دوانے جو طلب میری ہے پہلو میں ترے
ہے صراحی یہ تہی جام شکستہ ہیں مرے
اس لئے پھر سے ترے دل کو ہے میری یہ صلاح
لوٹ جا شہر کو ہیں تھر سے پرے گرد و نواح

داستان گو

مجنوں نے سلام کو نوازا
اک نخل کے پاس اسے بٹھایا
تھا پاس سلام کے جو صغرا
حلوا و قلیچہ آگے رکھا!
کچھ اس کی خوشی کی حد نہیں تھی
مجنوں کے قریں جگہ جو پائی

سلام بغدادی

(کھائیے ما حضر)

کھائیے ما حضر اے شہِ با صفا　　حاجتِ آب و ناں جسم کو ہے روا
ناں ہی میں نہفتہ ہے نیروئے تن۔ ناں ہی سے ڈھلا تیشۂ کوہکن۔ ناں ہی کا چلن شہر ہو یا کہ بن
کھائیے ما حضر اے شہِ با صفا　　حاجتِ آب و ناں جسم کو ہے روا
آب اور ناں سے جسمِ انساں بنا۔ ان سے روشن ہے اس زندگی کا دیا۔ ناں اور آب ہیں زندگی کی غذا
کھائیے ما حضر اے شہِ با صفا　　حاجتِ آب و ناں جسم کو ہے روا

قیس

(شکم نہیں ہے سب کچھ)

افسوس تری نظر ہے محدود　　جب آگ نہیں کہاں سے ہو دود
برّہ ہو کہ بُز کہ مرغ و ماہی　　میوہ ہو کہ دودھ یا کہ سبزی
انسان ہی کو نہیں ہیں بھاتے　　حیوان سبھی غذا ہیں کھاتے!
ہوتے ہیں لحیم جسم اور جاں　　کھاتے ہیں غذا سب انس و حیواں
دستورِ جہاں کا ہے پرانا　　کھانا پینا مزے اڑانا!
رغبت جنھیں نائے و نوش سے ہے　　منزل تن و توش کی کریں طے!
ایسوں کو فقط ہے ایک سودا　　بس اپنے وجود کی ہے پروا
پختہ ہے بہت یقینِ راقم　　خود ان کا شکم ہے ان کا حاکم
بریانی، کباب اور قلیچہ　　شیرینی، شیر اور شیرہ

صرف ان سے نہیں ہے تن کو قوت — صرف ان کی نہیں ہے تن کو حاجت
پنہاں ہے اسی جہاں میں یک [illegible] — اک اور جہاں شکم سے ہٹ کر
پلتا ہے جہاں خرد کا غنچہ — بڑھتا ہے جہاں جنوں کا سودا
ہوتی ہے عطا جہاں بصیرت — پاتی ہے جہاں پہ روح رفعت

داستان گو

مجنوں و سلام چند ہفتے — ہمدم رہے ایک دوسرے کے
ممکن ہی نہیں تھا اور آگے — کچھ اور وہاں وہ ساتھ رہتے !
بیچارہ سدھارا سوئے بغداد — کرتا ہوا خامشی سے فریاد
بغداد سلام جونہی پہونچا — ماں باپ کو اک قرار آیا
یاروں نے اسے پس آن گھیرا — اور قیس کا حال اس سے پوچھا
پہلے تو رہا وہ چپ غم انگیز — اس طرح سے پھر ہوا وہ گل ریز

سلام بغدادی (قیس کا حال کیا پوچھتے ہو؟)

قیس کا حال کیا پوچھتے ہو ؟ — وہ تو اک ہڈیوں کا ہے ڈھانچہ
جوجھتا ہے وہاں آندھیوں سے — روز کھاتا ہے غم کا طپانچہ
ا[illegible] میں ہے اثر آفرینی — کیا کہیں اس کا رنگ [illegible] تغزل
شمع کا ایک پروانہ شیدا — عندلیب ایک وارفتۂ گل
ایک دن قیس نے اس حزیں کو — اپنے محبوب کا اک سراپا

اس کے حسن اور پیکر کا نقشہ   چند اشعار ہی میں سنایا

سراپا از قیس

مدتوں مجھ کو اے مری غم خوار   ایک ہی فکر نے کیا پامال !

لکھ سکونگا ترا سراپا کیا   کیا بیاں کر سکونگا تیرا جمال

جس کے دم سے ہے آبروئے ختن   کیا وہی مجھ کو مل سکیگا غزال ؟

اپنے خونِ جگر سے آخر کار   میں نے کھینچا ہے نقشِ پائے ازل

اور جلائی ہے تیرہ راہوں میں   میں نے تیرے جمال کی مشعل

مدح میں تیری شعر گو خاموش   تو کہ خود ایک دلنواز غزل

دور سے اس طرح جھمکتی ہے   مانگ میں تیرے سیم کی افشاں

تیرہ و تار رات میں چمکے   سرِ افلاک جیسے کاہکشاں

پیچ در پیچ وہ حسیں گیسو   جن سے وابستگی ہے جی کا زیاں

آفتاب و قمر کو رشک ہوا   جب سے دیکھی ہے تیری پیشانی

ایک افسوں ہے آب و تابِ جبیں   ان کی حیرت کی ہے فراوانی

دیکھ کر وہ خجل سے ہیں گویا   تجھ پر انوار کی یہ ارزانی

ایک عالم ہے نقش بر دیوار   تیرے ان دونوں ابروؤں کے حضور

جو ڈھلے ماہِ نو کے سانچے میں   جو ہیں اک دوسرے سے پاس نہ دور

وہ کہ جن کی ذرا سی جنبش پہ   شہریاروں کا ٹوٹ جائے غرور

صف بہ صف وہ سیہ گھنی پلکیں — آنکھیں جن میں ہیں صد ہزار افسوں
اک مقدس حجاب بھی ان میں — شوخیاں بھی ہیں ان میں گوناگوں
ان کے ادنیٰ سے اک اشارے پر — وجد میں آتا ہے دلِ مجنوں
ان میں شبنم کی بھی طراوت ہے — شعلہ آگیں بھی ہیں ترے رخسار
آنچ ان میں دھیمی دھیمی سی — سلگی سلگی سی جیسے شاخِ چنار
اُس تقدس کا جو اس آنچ میں ہے — دل میں زرتشت کو بھی ہے اقرار
ختم ہے تیرے اک تبسم پر — فصلِ گل کی تمام رعنائی
لب تجھے وہ عطا ہوئے جن کی — شہرہ آفاق ہے مسیحائی
حُسنِ الفاظ یوں بوقتِ کلام — جیسے ٹوٹیں شرارِ سینائی
گوشوارے حسین کانوں کے — کرتے رہتے ہیں تیرے رخ کا طواف
آنکھ جس پر ذرا ٹھہر نہ سکے — یوں جھلکتی ہے گردنِ شفاف
بادلہ اور زری میں گوندھے ہوئے — تیری زلفِ دوتا کے وہ موباف
جن کو آذر نے خود تراشا ہو — تو نے پائے ہیں وہ حسیں شانے
ہو گئے جن کے بانکپن کے نثار — کتنے دیوانے کتنے فرزانے
جن کے معبد پہ تیری زلفوں نے — کتنے سجدے کئے خدا جانے!
اپنے سینے میں زیروبم کو لئے — تو نے طوفاں اٹھائے ہیں کیا کیا
قلب میں نرم نرم دھڑکن سی — جسم میں گرم گرم ہیجاں سا
جرم کا شوق بھی نہاں دل میں — مانعِ جرم بھی ہے تیری حیا!

متناسب ہیں مرمریں بازو
تیری دونوں کلائیاں بھی سجل

اور ہتھیلی پہ وہ حنا کی غزل
دیکھ کر جس کو ہو شفق بھی خجل

سرخیٔ گل سے بھی ہوئی تزئیں
رنگِ صہبا بھی جس میں ہے شامل

تیری ٹھوکر میں ہیں سریر و کلاہ
تیرے قدموں میں تاجدار و وزیر

قد جو سروِ سہی کو شرمائے
"چال جیسے کڑی کمان کا تیر"

دل میں ایسے کہ جا کرے کوئی
خود ہی بول اٹھے خالقِ تقدیر

دیکھنا تو صبا کی شوخی کو
لے اڑی تیری بوئے پیراہن

شہر وہ صحرا سے کوہ و وادی تک
وادی و کوہ سے چمن بہ چمن

اتنی سرخوش ہے اتنی شاداں ہے
ذرے ذرے کا چومتی ہے بدن

کیا صفت اس کی ہو بیاں جس نے
تجھ کو بخشی ہے مریمی تقدیس

تیرے ہمدم مظاہرِ فطرت
ماہ و انجم تیرے انیس و جلیس

تیری شائستگی تو تھی مشہور
اور اس پر ترا یہ ذوقِ نفیس

تیرے حسنِ خیال کے آگے
ہیچ ہے عالمِ مہ و پرویں

ایک نیرنگ صنعتِ بہزاد
اک فسانہ نگارخانۂ چیں

تیری صورت گری کا رنگِ کمال
چودھویں کو عروجِ ماہِ مبیں

ہے نسیمِ سحر بھی دستِ نگر
تیرے در پہ بہار سر بسجود !

نکہت و نور تیرے در کے غلام
تیرے ہی دم سے رنگ و بو کی نمود

حسن تیرا ہے عکسِ حسنِ ازل
تیری ہستی سے دلبری کا وجود

استاد

(قیس کی تقدیر میں کیوں ہے، شکست؟)

اے میرے شاگرد اے میرے سلام
زندہ باد اے قاصدِ عالی مقام
اب مجھے اک بات سے آگاہ کر
اے سلام اے ہوش رفتہ اے پسر
قیس نافرجام ہے اس دشت میں
کس لئے ناکام ہے اس دشت میں؟
قیس کی تقدیر میں کیوں ہے شکست
جب کہ وہ لیلیٰ کی منزل میں ہے مست!

سلام بغدادی

(کیا ہوئے وہ اہلِ ایماں؟)

اے مرے استاد ہے یاں آپ کا دم مغتنم
آپ نے جو بات پوچھی ہے جنابِ محترم
امتحاں لیتے ہیں میرا آپ بے درسی کتاب
سیدھا سادا ہے سوال اور سیدھا سادا ہے جواب
جانتے ہیں ہم کہ ہے قیس آج اک صحرانورد
اور اس کے دل میں ہے پیوست اک میٹھا سا درد
پُر اثر، بے لاگ درد قیس کی ہے طولِ موج
نشر ہوتی ہے نوا جونہی اسے ملتا ہے اوج
جا پہنچتی ہے سفر کرتی ہوئی وہ مستقل
اُس جگہ تک جس جگہ پر نصب ہے لیلیٰ کا دل
پھر دلِ لیلیٰ کو چھو لیتی ہے یوں وہ نرم گام
اس طرح جیسے کہ شبنم گُل پہ آئے بے پیام
ساتھ مل کر تب دھڑکنے لگتے ہیں دونوں کے دل
مرتعش ہو کر محبت کی صدا سے متصل!
ایک ہیں دل ایک منزل لیکن اس کے باوجود
ذہن پر ہے قیس اور لیلیٰ کے طاری اک جمود
کر نہیں سکتے ہیں دونوں ساتھ مل کر راہ طے
ہے پرائی شے وہ شائد آپ کو معلوم ہے
درمیاں دیوار ان کے ہے بدستور آج بھی
راہ میں ہے ان کے حائل چشمۂ شور آج بھی

توڑ بھی دیں پھر بلند ہو جائیگی دیوارِ کور   قیس و لیلیٰ کر نہیں پائینگے چشمے کو عبور

علم ہے سب کو ہے لیلیٰ پاکدامن آج بھی   شوہر و زوجہ ہیں دونوں بے نشیمن آج بھی!

اپنے شوہر سے نہیں کی بے وفائی آج تک   اور روا رکھی نہیں اسنے رکھائی آج تک!

کیا ہی عمداً ان کی خاطر ہو گیا ہے انتظام   آپ اے استاد اس جذبے کا کیجئے احترام!

زندگی کا اک مثلث زاویئے ہیں جس کے تین   اک طرف عاشق اُدھر شوہر ادھر اک مہ جبین

اس طرف لیلیٰ، اِدھر مجنوں، اُدھر ابن السلام   ”خوش“ ہے شوہر ”خوش“ ہے عاشق ”خوش“ ہے حور نیک نام

ہے بہت خوش اور اک ہستی جس کو کہتے ہیں سماج   جو بزرگوں نے بنایا تھا وہ قائم ہے رواج

کیسی ان بے ربط باتوں میں یہاں میں کھو گیا   جاگتا ہوں نیند کے ساحل پہ یا میں سو گیا

ہے یہی لوگوں کا کہنا جو ہوا اچھا ہوا   قیس فرزانہ تھا جو صحرا کی جانب چل دیا

اُف یہ دنیا جسکو کہیئے مار و کژدم کا دیار   ایک قحبہ جو کہ ہے بیماریوں کا اشتہار

اس کے آگے اور پیچھے رقص میں دجّال ہیں   کچھ تو بائع مشتری کے بیچ میں دلال ہیں

ہیں یہ وہ دلال جن سے پٹ پڑے بازار ہیں   جن کی دلاّلی سے دجّالوں کے بیڑے پار ہیں

اس کی بانبی میں جنم لیتے ہیں جانے کتنے مار   ناگ اور افعی ہزاروں اور سنپولے بے شمار

راستوں پر مل ہی جاتے ہیں یہ آدم زاد ناگ   زہر آگیں پھن دکھاتے ہیں یہ آدم زاد ناگ

اینٹھتے، پھنکارتے، چنگھاڑتے ہیں اژدھے   کاٹتے، ڈستے، گرجتے، پھاڑتے ہیں اژدھے

ایک لمحے میں نگل جاتے ہیں جو ہر جاندار   جو چبا جانے کے فن میں ہیں بہت ہی پختہ کار

کیا ہوئے وہ اہلِ ایماں جن میں تھا جوش و خروش   تاجرِ گندم کہاں ہیں اب فقط ہیں جو فروش؟

وہ جو بحرِ پُر خطر میں نور کے مینار تھے   جو کہ سچائی کی فوجوں کے سپہ سالار تھے

وہ مجاہد جو ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے سر — آگ میں بھی کود پڑتے تھے جو اکثر بے خطر

مکر اور تزویر سے جو کرتے رہتے تھے جہاد — آج بھی کرتے ہیں جن کو لوگ سب عزت سے یاد!

کیا ہوئے وہ لوگ بھی جن کے مقدر میں صلیب — ہنستے ہنستے دار پر جو چڑھ گئے وہ خوش نصیب

کیا ہوئی وہ بوڑھی عورت جس کا یہ دستور تھا — جھٹ پٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا،

جو سر رہ لا کے روشن کر دیا کرتی تھی روز — نور رہگیروں کی رہ میں بھر دیا کرتی تھی روز

اب نہ ہیں وہ نا خدا باقی نہ ہیں وہ رہ نما — بھولے بھٹکوں کو دکھاتے تھے سدا جو راستا

حکایت

اک جواں تھا کہیں زید تھا اس کا نام — اس سے واقف تھے بستی کے سب خاص و عام

تھی وہیں اک حسیں لعبتِ خوب رو — نیک طینت نہایت تھی وہ نیک خو!

نازک اندام، شیریں دہن، دار با — ماہ سیما، مئے مشک بو، مہ لقا!

شوخ، سادہ رخ، زہرہ وش، سیم تن — ارغواں قد، دل آرام، شکر شکن

تھی وہ شعلہ بدن زید کی بنتِ عم — زید کی آرزو تھی وہ کافر صنم!

وہ حسینہ بھی تھی اس پہ دل سے فدا — مدعا تھا وہی اور وہی آسرا

اس پہ عاشق تھی وہ اس کی سودائی تھی — ہجرِ محبوب میں نا شکیبا سی تھی

دل پہ اس نوجواں کے تھا کوہِ گراں — ایک آرا مسلسل تھا تن پر رواں

زید کے پاس کچھ بھی اثاثہ نہ تھا — ایک دیوان اور شاعری کے سوا

عیب اگر تھا کوئی اس میں تھا بس یہی — بے متاعِ جہاں اس کی تھی زندگی

باوجودیکہ کوشش بہت اس نے کی — کچھ رقم ہاتھ آجائے کچھ ہی سہی

ایک دن اپنے عم سے بھی درخواست کی — بات لیکن وہاں بھی نہیں بن سکی

مل گیا عم سے اسکو ٹکا سا جواب   جانتے تھے سبھی عم تھا صاحب نصاب
کوششیں زید کی رائیگاں ہو گئیں   اشک بہنے لگے ندیاں ہو گئیں !
دل کو مضبوط کر کے گیا عم کے پاس   پھر سے بارِ دگر، اسکو تھی ایک آس

زید (چاہیئے ہیں کچھ درم)

اے بزرگِ محترم، اے میرے عم   آپ کے آگے جوانی میری خم !
آگیا ہوں پھر سے اے عزت مآب   عرض ہے مجھ سے نہ برتیں اجتناب
آپ کا مرہونِ منت عمر بھر   میں رہونگا دل سے اے والا گہر
پھر وہی ہے میری اک چھوٹی سی عرض   اے مرے عم مجھ کو ہے درکار قرض
چاہیئے ہیں کچھ درم دینار چند   اس جہاں میں اور ہوں آپ ارجمند
قرض جو کچھ بھی مجھے دینگے حضور   وہ ادا کر دونگا اک دن میں ضرور

عمِّ زید (تو ہے فقط ہرجائی)

اے شہر کے آوارہ، اے دام تمنائی   الفاظ کے کاریگر اے شاعر سودائی
تو میرے برادر کی پس ماندہ نشانی ہے   وہ شخص تھا باغیرت اور تو ہے اک ہرجائی!
اس ہاتھ کو پھیلا کر کیا شرم نہیں آتی   اس درجہ ہے کیوں بے حس اے خارۂ صحرائی

زید (آپ سے درخواست ہے میرے چچا)

شکریہ اے میرے عمِّ محترم   مجھ کو اس کا تو نہیں ہے کوئی غم

دستگیری کر نہ پائے آپ اگر — کر دیا قسمت نے مجھ کو در بدر
درس جو مجھکو دیا ہے آپ نے — میں ہمیشہ یاد رکھونگا اسے
آج سے محنت کرونگا سربسر — اب اٹھا رکھونگا نہ میں کوئی کسر
اے چچا اتنی گذارش ہے مری — اور فقط اتنی سی خواہش ہے میری
ہے مری درخواست اور مری صلاح — آپ کی دختر سے ہو عقدِ نکاح

عمِّ زید (یہاں سے دفع ہوجا)

اے او بے حیا، گستاخ، بے باک — ارے او بے زرے قلاّش، غم ناک
بتا تونے یہ جرأت کیسے کی ہے — بتا ایسی جسارت کیسے کی ہے؟
ارے بدبخت، منہ پھٹ، شعبدہ باز — ارے کم ظرف، خودسر، دخل انداز
کبھی دیکھا ہے آئینے میں خود کو — ذرا دیکھو تماشا آؤ لوگو ــــ!
پری ہے میری بیٹی تو نہیں جِن — نہ ہوگا وہ کہ جو ہے غیر ممکن ــــ!
کہ اس کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں دوں — میں سستے میں تباہی مول لے لوں ــ
کہاں تو بے درم، مفلوک، نادار — کہاں وہ باحشم، شاداب، گلزار
کہاں تو اک تہی دست اور کنگال — کہاں وہ ایک منعم، نیک اعمال
جسے لکھ کر مٹا دیں تو ہے وہ حرف — بدخشاں کا کہاں وہ لعلِ شنگرف!
تو قطرہ اوس کا ہے جو کہ ارزاں — گہرِ دم برسرِ خارِ بیاباں ـ!
مری دختر ہے مثلِ مہرِ تاباں — کہاں تو اور کہاں مہرِ درخشاں،

وہ ہے اک چودھویں کا چاند جس کا | زمیں تو کیا فلک پر بھی ہے شہرا- !
کہاں تو اک سیہ، تیرہ مقدّر | کہاں وہ ذرافشاں ایک گوہر- !
کہاں وہ نور کا اک بحرِ اعظم | کہاں تو تیرہ و تار اک شبِ غم!
کہاں وہ گل جو ہے گلشن کا سرتاج | کہاں تو خارِ گلشن جو ہے تاراج
کہاں وہ سرکشادہ نافۂ مشک | کہاں تو سر فگندہ مجمرِ خشک
کہاں تو اک دیا بجھتا ہوا سا | کہاں وہ روشنی کا ایک ہالا
کہاں تو آندھیوں کا ایک نخچیر | کہاں وہ صرصرِ شب کی عناں گیر
تقابل حد سے بڑھکر ہے لہذا | خیالِ خام ہے جو تیرے دل کا !
اسے کردے تو اب یکسر فراموش (ق) | یہاں سے دفع ہو دو چشم دو گوش

داستان گو

عاجز ہوا زید آخر کار | طے کر کے نکل گیا وہ یکبار
اُس شہر سے ہو گیا وہ سیّار | سیّارہ صفت جہاں سے بیزار
تھی قلب میں آرزوئے جاناں | پھرتا تھا بشکلِ ناتوانا ں
لیلیٰ کو کسی نے جا سنایا | اسے زیدِ شکستہ دل کا قصّہ
اس میں جو مماثلت تھی اس کا | لیلیٰ نے کیا سبھی سے چرچا
پس غم پہ تو اس نے بھیجی لعنت | اس سوختگی کی سن حکایت
اس سوختہ کو پیام بھیجا | ایوانِ سلام میں بلایا
سنتے ہی پیام زید پہونچا | اس جا کہ جہاں تھا اس کو آنا

دو قصّوں کے پست و اوج تھے ایک | دونوں ہی کے طولِ سوز تھے ایک
پوچھا کہ ہوا تھا ماجرا کیا | مظلوم نے قصّہ کہہ سنایا
بہ نکلا اک آنسوؤں کا دریا | دریا کہ تھے اشک ہائے لیلیٰ
تب زید کے ہاتھ قیس کے نام | محبوبۂ قیس نے یہ پیغام
بھجوایا شتاب ہو کے بیتاب | پیغام تھا اُس کے دل کا تیزاب
تھی اس میں گھلی شرابِ مہتاب | لکھے تھے شروع میں کچھ القاب
اس نامے کو لے کے زید پہنچا | مجنوں کے حضور بے محابا!

پیام لیلیٰ برائے مجنوں

ایک مدّت ہوئی دیکھے ہوئے تجھکو اے یار | جیسے پہلے تھا اسی طرح ہے تو سینہ فگار
دل میں کم تیری محبت تو نہ ہوگی زنہار | آج بھی میری محبت کا وہی عالم ہے!

تیرے ملنے کی مجھے آس ہے پر کم کم ہے

کیا ہوا کیسے ہوا اسکی حکایت ہے طویل۔ تو نہیں تھا تو زمانے نے کیا مجھ کو ذلیل۔ میرے اطراف اٹھا دی ہے حقارت کی فصیل

یہ تو اک سنگِ گرانبار ہے سینے پہ مرے | تف ہے پھٹکار ہے، نفرین ہے جینے پہ مرے

چاہِ بابل میں گرفتار ہوں میں عرصے سے۔ چاٹ کر نوکِ زباں سے در و دیوار اسکے۔ میں نے ہر روز کئی اس پہ کیے ہیں دھاوے

لیکن اس بے حس و خود سر پہ نہیں کچھ بھی اثر | ہے یہ اک ظلم سراسر کہ نہیں جس سے مفر

چیختی پھرتی ہے صحرا کی ترے بادِ صبا۔ گونجتی رہتی ہے ہر سو تری بے باک نوا۔ سنتی رہتی ہوں ترے نالۂ سرکش کی صدا

جز مرے شہر کے سب لوگ ہیں شائد بہرے | یا تو پھر سب کی سماعت پہ لگے ہیں پہرے

جب بھی تو چاک اُدھر کرتا ہے اپنا دامن۔ مجھ کو دیتی ہے خبر چاند کی اک شوخ کرن۔ اور بڑھ جاتی ہے کچھ اور مری اُلجھن

میری حالت بھی وہی ہوتی ہے تیرے جاناں   چاندنی رات میں ہو جاتا ہے جو حال کتاں

اب تلک تو نہ ملا شومیٔ قسمت ہے مری۔ تو مرا ہو نہ سکا ایک ہزیمت ہے مری۔ زندگی آج شماتت سے عبارت ہے مری

آئینہ آئینہ بکھرا ہے مرا حسن و جمال   تو اُدھر وحشتِ ستم میں ہے حزیں اور پامال

تو خود آتا بھی نہیں مجھ کو بلاتا بھی نہیں۔ طور و آدابِ جنوں مجھ کو سکھاتا بھی نہیں۔ وہ جو دیوارِ ستم ہے اسے ڈھاتا بھی نہیں

کیا کروں کیا نہ کروں ایک دوراہے پہ ہے آج   زندگی مجھ سے لیا کرتی ہے ہر لمحہ خراج

آ بھی لے یار کہ سب رات چلی جائے ہے۔ تیرے بن راحتِ جاں نیند کہاں آئے ہے۔ اک تلاطم ہے بپا دل مرا گھبرائے ہے

مجھ سے ہر دم کوئی تاوان لیا کرتا ہے   روز ہی ایک نیا زخم دیا کرتا ہے

حالِ زار اپنا تجھے کیسے بتایا جائے۔ زخم اس دل کا تجھے کیسے دکھایا جائے۔ کیا کروں آہ تجھے کیسے بلایا جائے

مال مہنگا ہے چکانا بھی نہیں ہے ممکن   دور ہوں پاس میں آنا بھی نہیں ہے ممکن

دور سے نقشِ کفِ پا کو میں تکتی ہوں ترے۔ قلب میں گھاؤ سجا رکھے ہیں کیسے کیسے۔ ہے تمنا ہی تو بھی انہیں آ کر دیکھے

شعر بھی تو ہے مرا اور تو عنوان مرا   قافیہ تو ہے مرا اور تو دیوان مرا

مجھ سے مت کہہ کہ ترے عشق میں کیا رکھا ہے۔ میں نے اس دل کو اک آئینہ بنا رکھا ہے۔ درد تیرا ہے جسے اس میں سجا رکھا ہے

آ بھی جا تا کہ کروں اپنی میں جاں تجھ پہ نثار   زندگانی ہے مرے واسطے کالا آزار

ایک محبس میں مقید ہے جوانی کی امنگ۔ ایک زنداں میں گرفتار ہے ہستی کی ترنگ۔ نطق بے صوت و صدا، ساز و نوا بے آہنگ

بیڑیاں پاؤں میں ہیں ہتھکڑیاں ہاتھوں میں   ہیں یہ آہوں کی مرے پھلجھڑیاں راتوں میں

دل مرا پاس کا محبوس ہے زندانی ہے۔ آتشِ درد کی اس وقت فراوانی ہے۔ ان دنوں شہر میں جل مرنے کی آسانی ہے

المدد یار کہ مشکل مری آساں ہو جائے   تجھ پہ قربان مری جان مری جاں ہو جائے!

دیکھ تو آ کے ذرا میرا یہ دیوانہ پن۔ فصلِ گل آئی کھلا ہے مرے زخموں کا چمن۔ کس طرح خون سے تر ہے یہ مرا پیراہن
راہ میں گر ہے ترے کوئی عناں گیر نہ دیکھ "رقص کرنا ہے تو پھر پاؤں کی زنجیر نہ دیکھ"!

جواب مجنوں بحضورِ لیلیٰ

نامہ ترا اے دل ستاں۔ اے دل ربا اے جانِ جاں۔ اے روشنی کے آسماں۔ مجنوں کی اے روحِ رواں
اے میرے گنجِ شائگاں۔ مجھکو ملا اے مہرباں۔ ہے چشم از حد خونچکاں!
تو نے لکھا ہے حالِ دل۔ مجھ سے کہا ہے آ کے مِل۔ دل ہے مرا پتھر کی سل۔ غم کے ہیں دھاوے مستقل
روتی ہیں آنکھیں متصل۔ یہ کائناتِ آب و گل۔ ہے ظلم سے اپنے خجل
مرا جواب ارسال ہے۔ اے جاں یہ میرا حال ہے۔ نکبت سے مالا مال ہے۔ ویسے یہاں اک کال ہے
اسکی نرالی چال ہے۔ صحرا بڑا دجّال ہے۔ تعزیر کا اک جال ہے

داستان گو

اک روز بہ نوحہ گاہ مجنوں تھا زید بھی جیسے دُرِ مکنون
اُس دن مجنوں بہت تھا محزوں حالت بھی غریب کی دگرگوں
کچھ دیر رہی یونہی خموشی پھر زید نے یوں زبان وا کی

زید

(پیراہن ہم نے بھی چاک)

اے شہنشاہِ جنوں اے ہستیٔ والا صفات رزم میں ہیں آپ طوفاں بزم میں قند و نبات
جادواں ہے آپ ہی کی وجہ سے آشفتگی دیتے رہتے ہیں جنوں کو آپ درسِ زندگی

ہم بھی کل تھے عشق کے افسوں سے صحرا میں اسیر
تھے تہی کیسہ مگر خود کو سمجھتے تھے امیر !

لوٹ کر ہم پر بھی آئی تھی جوانی سر بسر
ہم نے بھی اس دشت کی کل خاک چھانی تھی مگر

اے قیسِ دشت ہم برباد ایسے تو نہ تھے (ق)
تھے مگر ہم مائلِ فریاد ایسے تو نہ تھے

اے شاعرِ بیمار برد عاشقِ دیروز
مجھ کو تری تعلیم نہیں ہے سبق آموز

کل تلک تو رہا جس کے تصور سے ہم آغوش
کس طرح کیا تو نے اسے آج فراموش؟

سمجھا ہے کہیں عشق کو کیا تو نے حلاوت
آرام طلب، عشق کا پیشہ ہے مشقت

عاشق ہے تو پھر دار کے سائے کے تلے بیٹھ
ورنہ کسی دیوار کے سائے کے تلے بیٹھ -!

عاشق ہے تو کہسار کو جا کوہکنی کر
عاشق ہے تو رکھ جان کو نیزے کی انی پر -!

عاشق ہے تو چل دھار پہ تلوار کی تنہا
کر سیر ذرا وادیٔ پرخار کی تنہا — !

عاشق ہے تو پھر آتشِ نمرود ہے شبنم
عاشق ہے تو پھر تن کی صدا سے نہ ہو برہم

ہے عشقِ مجازی تو فقط وصل کا سودا
ہے عشقِ حقیقی تو خطر ہجر سے کیسا!

عاشق ہے تو پی ہنستے ہوئے زہر کا پیالہ
عاشق ہے تو کھا شوق سے حنظل کا نوالہ

عاشق ہے تو پھر جھک نہ ہر اک بام کے آگے
کر رقص سرِ دار دل آرام کے آگے !

عاشق ہے تو ہستی ہے تری ان سے عبارت
برسیں سرِ بازار اگر سنگِ ملامت

رستے میں ملینگے تجھے دشنام کے کوچے
عاشق ہے تو پھر سہل ہیں آلام کے کوچے

گر عیش کی خواہش ہے تو خاموشی سے گھر جا
عاشق ہے تو پھر آگ کے دریا سے گذر جا

عاشق ہے تو کر جنگ کہیں سب تجھے غازی
ہر آن لگا شان سے تو جان کی بازی !

صادق ہے ترا عشق تو منجدھار سے ڈر کیا
دریا کے کسی فتنۂ خونخوار سے ڈر کیا !

اس دہر میں ہر راہ پہ ملتے ہیں سراسر
ہر گام پہ ہر موڑ پہ خوبانِ فسوں گر

اک صف ہے کلہ پوشوں کی شکرّ دہنوں کی
شمشاد قدوں، ماہ رخوں، گلبدنوں کی

کیسے رکھے دل اپنا کوئی ان سے سلامت
کس طرح سے محفوظ رکھے عزّت و عصمت

ان شوخ حسینوں کے تو ہتھیار کئی ہیں
طرّاروں کے وار ایک نہیں وار کئی ہیں

محبوب نہ مل پائے تو فرزانے کدھر جائیں
دیوانے نہ ہو جائیں اگر لوگ تو مر جائیں،

پیغام تو لایا ہے مرے یار کا اے زید
رخ مجھ کو دکھایا ہے مرے یار کا اے زید!

ان باتوں سے مقصود یہی ہے اے بیامی
واضح ہو ذرا تجھ پہ ترے عشق کی خامی

بہتر ہے یہی امر اسی میں ہے فراست
دہرائے نہ تو اپنی حماقت کی حکایت

گر عشق تجھے راس نہ آیا تو مجھے کیا
اور عشق مجھے راس جو آیا تو تجھے کیا

مجھکو نہیں درکار ترے قول و نصیحت
کیا تجھ کو نہیں علم نصیحت ہے فضیحت

جس طرح سے جلتا ہے سپند آگ کے اندر
جلتا ہوں یونہی میں بھی اک آتش میں سراسر

دلبر کو مرے رب نظرِ بد سے بچائے
جل جائے کوئی اس پہ مگر آنچ نہ آئے!

اس بزم میں جل جانا ہے پروانے کی قسمت
بس شمع میں ڈھل جانا ہے پروانے کی قسمت

دیوانے کی تقدیر بھی ہے مرگِ مفاجات
ہے ایک یہی چارۂ ناسازیٔ حالات

اس دشت سے مجھکو تو نہیں کچھ بھی شکایات
آبادی سے بہتر ہے یہ سنسان ولایت

اک نظم ہے اک ضبط ہے اس دشت کے اندر
ترتیب ہے آئین ہے موجود نہیں شر

کھلتا ہے سلیقے سے ہر اک لالۂ صحرا
ہوتا ہے قرینے ہی سے اس دشت میں سودا

جب حبس سا ہوتا ہے کسی شخص کو محسوس
جل اٹھتا ہے تب لو کا بیابان میں فانوس

سر پھوڑنا چاہو تو یہاں سنگ ہے موجود — سنگیت کو سناٹے کا آہنگ ہے موجود

مقصود ہو یاری تو یہاں یار بہت ہیں — ڈسوانا جو چاہو تو یہاں مار بہت ہیں

اے آبلہ پا خوش ہو یہاں خار ہیں بسیار — اس دشت میں پلتے ہیں ہر اک طرح کے آزار

اے تشنہ لبو ہے یہ فراتِ غمِ احباب — ہے یہ تو سرابِ نظر و چشمۂ بے آب

جس وقت کہ خورشید سوا نیزے پہ آجائے — حدّت ہو کچھ ایسی کہ تری روح کو جھلسائے

لگتی ہو بہت دھوپ اگر دشت میں تجھکو — آرام سے تو اپنے ہی سائے میں کھڑا ہو!

جس وقت کہ بالو کے بہت تیز ہوں جھکڑ — بہتر ہو چھپا ریت کے خس خانے میں سر دھڑ

منزل ہے کڑی اور یہاں گرچہ ہوں فرسنگ — چلتے ہی چلے جاؤ بہر حال زباں گنگ

جب صبح کو جل اٹھتی ہے سورج کی انگیٹھی — کھل جاتی ہے ذرات میں شبنم کی جوانی

آتی ہے دبے پاؤں بیاباں میں جب شام — ہو جاتا ہے روشن رخِ مہتاب سرِ بام

اک مدّو جزرِ دشت کی زنبیل سے اٹھے — جس دم کہ مہ چاردہم چرخ سے نکلے!

ان چاندنی راتوں میں یہی ہم نے ہے دیکھا — دیوانے کا بڑھ جاتا ہے کچھ اور بھی سودا

صحرائے فنا بے در و دیوار ہے اک گھر — خطرہ نہیں قزّاق کا رہزن کا نہیں ڈر

چھت سر پہ ستاروں کی ہے قندیل قمر کی — ہم نے تو اسی طرح یہاں عمر بسر کی

مجنوں ہوں ازل ہی سے جنوں ہے میرا پیشہ — پیشہ ہے یہی میرا وہ ہو شہر کہ بیشہ

ظاہر میں تو اے یار میں نادار بہت ہوں — پر اپنے ہی پیشے سے وفادار بہت ہوں

داستان گو

سنسار رہا کھولے اپنے دو گوش — باقی نہ رہا خروش اور جوش

اب زیدِ زیادہ گو تھا خاموش ساکت ہوئی جستجو کی آغوش
لوحِ ادب اس نے اپنی تہ کی رخصت ہوا ہار کر وہ بازی
رکتی نہیں گردشِ زمانہ لکھتا ہے قلم اک اور فسانہ
اگتا ہے نیا ہی شاخسانہ گیتی کے چمن سے والہانہ
القصہ یہ قصہ یوں ہے آگے ٹوٹینگے کچھ اور کچے دھاگے
لیلیٰ کہ چراغِ دلبراں تھی جو باعثِ رشکِ مہ وشاں تھی
اس ارض پہ جو کہ آسماں تھی مجنوں کے جنوں کی قدرداں تھی
لیکن وہ دیا بجھا بجھا تھا چھایا تھا ہر ایک سُو اندھیرا
تھا ابنِ اسلام بھی پریشاں بیوی کے لئے وہ رہتا گریاں
اک ہے یہ نشانِ دردمنداں ہو جائیں مثالِ عود سوزاں
تھا حد سے زیادہ دل شکستہ وہ شیفتہ تھا نفس گستہ
تھا اس کا بھی عہد پاک بیشک خاموش رہا وہ مدتوں تک
تقدیر بھی تھی شست گیر کی زک اک روز بخار نے اچانک
آگھیرا اسے کسی بہانے پاس آئے حکیم اور [illegible]یانے
قارورہ شناس سامنے آئے قارورے کو دیکھ کر وہ پچھتائے
تھی کس کی مجال رنج کو ڈھائے پس موت نے اپنے ہاتھ پھیلائے
آغوش میں اس کو لے کے اٹھی صدمہ وہ سبھی کو دے کے اٹھی
مجنوں کو خبر نہ تھی الم کی لیلیٰ پہ جو کچھ گذر رہی تھی

آخر اسے کس طرح بتاتی | نزدیک نہ تھا کوئی پیامی
لیلیٰ نے تلاش و جستجو کی | مل ہی گیا آخرش پیامی
لیلیٰ نے پیام دے کے بھیجا | اور زید مثالِ برق پہونچا
سب حرف بحرف کہہ سنایا | مجنوں کو بہت ہی شاق گذرا
اس نے کیا نعرۂ غضب ناک | پہنچا جو فلک سے تا بہ افلاک

قیس

رہ گیا ہے ٹوٹ کر اے دل نواز | زندگی کا اس کی محو رہا ہے رہا ہے !
میں بھی ہوں غمگین اور بے حد اداس | ہے اثر اس کا بھی مجھ پر ہائے ہائے

زید

(آفرین)

اس میں کیا شک ہے کہ آقا آپ ہیں بے حد شریف | چشم کی ترا سکی خاطر آپ کا جو تھا حریف
آج کی ہے آپ نے جس طرح سے نوحہ گری | موت پر دشمن کے، ہے اس میں نشانِ سروری
مملکت کے رمز سارے آپ پر ہی فاش ہیں | آپ اک خورشید ہیں باقی سبھی خفاش ہیں
قیسِ عامر آپ ہیں طرفین سے یکسر نجیب | آپ ہیں عالی گہر اور آپ ہیں یکسر حسیب
آپ سے نسبت قدیمی ہے لہٰذا اے حضور | اتنا کہنے کی جرأت تب ہوئی مجھکو ضرور!

قیس

(آرزو ، درد)

کتنا اچھا دیا ہے تم نے جواب | کتنا شائستہ کتنا پُر آداب
قبل اسکے بھی تم ملے تھے مجھے | بات کرنے کی [illegible] تھی ہے

جب سے تم ہو گئے مرے ہمراز — ساز کو میرے مل گئی آواز
تم مرے ساتھ اب رہو کچھ دن — دشت کھانے کو آئیگا تم بن
میری مشکل کو تم نے سمجھا ہے — تم نے حالات کو بھی دیکھا ہے
جی رہا ہوں میں نوکِ خنجر پر — تیغ کے سامنے ہوں سینہ سپر
ایک طوفاں میں بہ رہا ہوں میں — ہجر کی آگ سہ رہا ہوں میں
ایک بھونچال ڈھا رہا ہے مجھے — دردِ ارماں کھا رہا ہے مجھے
زخم اگتے ہیں میرے سینے پر — چوٹ لگتی ہے آبگینے پر!
کتنا آہستہ جل رہا ہوں میں — شمع جیسے پگھل رہا ہوں میں
آرزو، درد، حسرتیں، آلام — زندگانی کا اک حسین انجام
خواہشیں ہیں ہزار دل میں مگر — زندگی کا نہیں کوئی محور

زیلہ (براہِ نو)

آسماں پر قمر کتنے تاباں ہوئے — کتنے تاریک راتوں میں قرباں ہوئے
واقعات ایسے لیکن کسی کے نہیں — اتفاقات ایسے کسی کے نہیں!
دہر میں آپ کی ذات ہی اور ہے — سچ کہوں آپ کی بات ہی اور ہے
آپ کی شخصیت، مرتبہ ہے الگ — آپ کی مملکت، دبدبہ ہے الگ
آپ کے غم میں دنیا کی ہے آنکھ نم — آپ جیسے تو عالم میں ہوتے ہیں کم
تجربے کی بنا پہ کہونگا یہ میں — بندہ پرور یہاں آپ وہ شمع ہیں

صرصرِ غم میں بھی جس کی روشن ہے لو کیا ہی ایجاد کی عشق کی طرح نو!
راستہ آپ نے وہ تراشا نیا کوہکن بھی جسے دیکھ شرما گیا!
آفریں آپ کو اے شہریارِ غم ہو مبارک یہ دکھ، درد، غم اور الم!

قیس

(واکرروح کی آغوش)

شکریہ اے جوانِ اعرابی شکریہ نغمہ خوانِ اعرابی
تم نے اس دشتِ درد میں آکر مجھ کو اپنا بنا لیا یکسر
زخم پر میرے رکھ دیا مرہم میرے نغمے کو دے دیا سرگم
جس گھڑی سے یہاں میں آیا ہوں جو گذرتی ہے آہ کس سے کہوں
حال جو کچھ بھی ہے وہ ظاہر ہے دل یہ آپے سے اپنے باہر ہے
باوجودیکہ آج ہوں بے آس سامعہ تیز ہے، بہت حسّاس
سن سکو گر تو تم سن کو سنوائیں کیا سنی ہیں کبھی یہ آوازیں
جو دھماکہ سا ہے خموشی میں ہے جو آہنگ پائے بوسی میں
بے زباں، بے صدا، سکوت بدوش گنگ آہنگ، ناطقہ خاموش
فی المثل ساز میں نہاں نغمہ جیسے آنکھوں میں اک نہاں شکوہ
جب کسی آنکھ میں ڈھلیں آنسو گل سے رخسار پر بہیں آنسو
جب دھماکے کے ساتھ گلشن میں گلعذاروں کے اس نشیمن میں
گل نیا آسماں کھلاتا ہے (ق) برگِ گل، گل سے ٹوٹ جاتا ہے!

سن کے بلبل کی ایک آہِ خموش　　پھول کرتا ہے اپنی وا آغوش
قلبِ شاعر میں جب خیال آئے　　جب کہ شیشے میں کوئی بال آئے
جب کہ آنکھیں پلک جھپکتی ہیں　　آنکھیں آنکھوں کی راہ تکتی ہیں
ٹیس اٹھتی ہے جب کہ سینے میں　　ٹھیس لگتی ہے آبگینے میں
مثلاً گل پہ بارشِ شبنم　　خوب صورت نگارشِ شبنم
زمزمے چاند اور ستاروں کے　　اشک خاموش غم کے ماروں کے
اٹھتی ہے جب کوئی نگہ یک دم　　وہ نگہ جو نگاہ سے ہو کم
جب کہ آتی ہے پھول پر زنبور　　سعی ہوتی ہے اسکی تب مشکور
ہاتھ آتا ہے اسکے زرِ گل کا (ق)　　ٹوٹ جاتا ہے ضبط بلبل کا
جب چٹک کر کلی گلستاں میں　　یعنی اک رنگ و بو کے ایواں میں
پھول بنتی ہے اک تر و تازہ (ق)　　ہے اس آواز کا بھی اندازہ ؟
جب تہجّد گزار ہر شب کو　　یاد کرتے ہیں ذکر میں رب کو
بوئے گل کا سفر بدوشِ صبا　　وہ صبا کا خرامِ بے پروا
اوس کا سحر و خوئے سیمابی　　اور مہِ نو کی وہ عناں تابی
مہر کا صبح دم طلوعِ خموش .　　اور شفق کا خموش جوش و خروش
صبح صادق کی وہ زر افشانی　　دن کی وہ داستانِ طولانی -!
سہ پہر بعد شام کی آمد　　شام کے بعد رات کی ابجد
بر لبِ دل کی وہ نوائے خموش　　ایک آہنگ جو اڑا دے ہوش

مسکراہٹ فضائے بالا کی جھنجھناہٹ رباب صحرا کی!
جب گلے آبلے سے خار ملے دشت میں تب لہو کا پھول کھلے
گفتگو شام ڈھلتے سایوں میں بس اشاروں میں اور کنایوں میں
چپ چپاتے شباب کی تشکیل صرف آنکھوں سے رمز کی ترسیل
ہے نہ ہنگامہ اور نہ صوت و صدا خامشی کی خموش بانگِ درا
جب بھی بجتی ہے ماہِ شب کے حضور کہکشاں کی وہ بے صدا شیپور
جاگ اٹھتا ہے جو کہ مستور (ق) محشرِ لوز بے ندائے صور
بیج دہقان جب کہ بوتا ہے اپنی ہستی کو بیج کھوتا ہے
جب نکلتا ہے لے کے اک سودا سینۂ ارض سے کوئی پودا
جب طلوعِ جمال ہوتا ہے دلِ دہقاں نہال ہوتا ہے
صبح، پرواز ایک تتلی کی اڑ رہی ہے خموش ایک پری
اڑتی پھرتی ہے دشت میں قندیل دیکھے جگنو کی کوئی شکلِ جمیل
مور بے پر کا اک خموش سفر آب میں برگ کے سفینے پر!
حاصل تھا نہ کو
لیلیٰ کا بھی حال تھا نہ بہتر جب سے کہ بچھڑ گیا تھا شوہر
نخچیرِ ستم تھی وہ ر ... ر اک سوچ میں غرق رہتی اکثر
القصہ یونہی وہ جی رہی تھی ہر سانس سے زہر پی رہی تھی
اک شب تھی بہت اداس تنہا تھا کون اسے دیتا جو دلاسا
صرف ایک چراغ جل رہا تھا ایوان میں اس کے بے محابا!!

کچھ دیر رہی وہ یونہی گم سم — چاہا کرے اس سے ہی تکلم

لیلیٰ (خطاب بہ چراغِ خانہ)

اے چراغِ خانہ تو دمسازِ تنہائی ہے آج — کر مدد تو ہی علاجِ آبلہ پائی ہے آج

جانتا ہے تو کہ برسوں سے یونہی بیتاب — تجھ کو ہے معلوم کب سے ماہیِ بے آب ہوں

نور کا تو ہے خزینہ میں ہوں تاریکی سے تنگ — ایک مدت سے میں کرتی آ رہی ہوں خود سے جنگ

المدد اے ہمدمِ دیرینہ امشب المدد — ختم ہی کر دوں حکایت آ گئی ہے اب وہ حد

کب تلک اک ساعتِ بے رنگ میں کوئی جیے — اک زمانہ ہو گیا ہے اپنے ہونٹوں کو سیے

اے مسیحا اے معالج، اے تجلی اے چراغ — تو ہی بتلا دے کہ مجھ کو غم سے کب ہوگا فراغ

اس طرح کی زندگی تکوین کی تکذیب ہے — اک سزائے تلخ ہے اک طرح کی تادیب ہے

جرم وہ کیا ہے کہ جس کی مل رہی ہے یہ سزا — تو مجھے للہ بتلا دے ذرا میری خطا

علم ہے تجھ کو کہ میری زندگی تاراج ہے — راہ میں ہے خار، خاروں ہی کا سر پر تاج ہے

زندگانی ہے تری روشن، منور، تابناک — روشنی ہے تو اندھیروں سے نہیں ہے تجھ کو باک

نور ہے، تنویر ہے تو اور تو روشن ضمیر — کر نہ پائی ظلمتِ شب آج تک تجھ کو اسیر

تو نہیں ہے چاند جو سورج سے مانگے آب و تاب — صبح کی مانند ہی بے داغ ہے تیرا شباب

کر عطا مجھ کو بھی ہلکی سی تجلی اے چراغ — روشنی کی مے سے پُر کر دے ذرا میرا ایاغ

میں بھٹکتی آئی ہوں تاریکیوں کی راہ میں — مثلِ یوسف ہوں مقید ایک اندھے چاہ میں

ایک نابینا ہوں میرا باصرہ معدوم ہے — اور بصیرت سے بھی میری زندگی محروم ہے

اے چراغِ نور تو ہے ایک شمسِ بازغہ
ظلمتوں پر فاش تیرا طنطنہ اور دبدبہ !

ہے یہ اک اندھیر نگری اے چراغِ پُر ضیا
آدمِ خاکی پہ واضح ہو چکا ہے بارہا

باوجود اس کے یہاں ہے اک مسلسل ہائے و ہو
نور ہی کی ہے جہانِ کیف و کم کو جستجو

العجب لیکن کہوں کیا تجھ سے دستورِ جہاں
مطمئن ہیں لوگ مانگے کے اجالے سے یہاں

بھیک کا کشکول ہاتوں میں لئے پھرتے ہیں لوگ
اک چراغ تیرہ راتوں میں لئے پھرتے ہیں لوگ

نورِ حق سینے میں ہے لیکن نہیں یہ راز فاش
حیف اک ماہی کو دریا میں ہے پانی کی تلاش

کتنے سوداگر ہیں کاذب جھوٹ کا بازار ہے
نام اُن کا نین سکھ ہے آنکھ کا آزار ہے

سیم و زر کے نور سے چندھیا گئی ہے انکی آنکھ
فصلِ گل آئی مگر کجلا گئی ہے ان کی آنکھ

ان کی راتوں میں ہے الماس و گہر کی چاندنی
جس نے ان کی زندگی کو گھن لگا یا کھا گئی

اک فقط مہتاب خوش ہے بھیک کے انوار میں
پھول کھل سکتے نہیں ہرگز کبھی انگار میں

اس جہاں کی تیرگی میں نور کی گر ہو تلاش
چاہیئے انساں کو کر دے اس بھرم کو پاش پاش

(ق)
یہ کہ کر سکتا ہے وہ خود سیم و زر کے نور سے
اس جہاں سے ظلمتوں کو دور جب سورج ڈھلے

سینۂ انساں کے اندر ہی نہاں وہ طور ہے
وا ہو چشمِ دل تو پیدا معرفت کا نور ہے

دل کے اندر ہی تو ملتا ہے سراغِ زندگی
اس نہاں خانے میں جلتا ہے چراغ زندگی

تن سے اوپر اٹھ کے جب انساں من میں ڈوب جائے
غیر ممکن ہے کہ پھر وہ اپنی ہستی کو نہ پائے

سہل ہے پھر آگہی کا مرحلہ آسان ہے
ورنہ انساں خاک کا اک ڈھیر ہے بے جان ہے

ہے ہمیشہ ہی سے قائم اک وہ نورِ لایزال
جو ہمیشہ ہی رہیگا بے مثال و لازوال

نور کے اس بحر میں ہے روحِ انساں ایک موج
بحرِ نورِ بیکراں میں ہیں یہ موجیں فوج فوج

دل مسخّر ہو تو ملتا ہے شعورِ زندگی ۔۔۔ ایک گہرائی میں پوشیدہ ہے نورِ زندگی
نور ہو جائے اگر حاصل تو بس پھر کائنات ۔۔۔ ایک ساعت ہی میں آجاتی ہے تب انسان کے ہات
تو اندھیرے کا ہے فاتح اے درخشندہ چراغ ۔۔۔ ہے اجالوں کا پیمبر تو ہی اے روشن دماغ
رات ہے تاریک غم کی اور ہے بے حد دراز ۔۔۔ شادمانی سے طبیعت ہو چکی ہے بے نیاز
آہ وہ دل ۔ کرتی آئی تھی ہمیشہ جس پہ ناز ۔۔۔ اب ہے بے چارہ نہیں اس کا کوئی بھی چارہ ساز
کیوں شبِ غم کی سحر ہوتی نہیں پروردگار ۔۔۔ کیوں یہ ہستی مختصر ہوتی نہیں اے کردگار
وہ مرا مونس، مرا ہمدم وہ میرا غم گسار ۔۔۔ جس پہ میرے دل کی کیفیت ہوئی تھی آشکار
کس جہاں میں کھو گیا وہ پیکرِ والا صفات ۔۔۔ میرے مولا ہے کہاں نوبت زنِ صبحِ نجات
کیا قیامت ہے بھری دنیا میں تنہا ہے یہ دل ۔۔۔ وائے قسمت بن گیا ہے دل مرا پتھر کی سِل
چپ رہوں تو قلب سینے میں قیامت ڈھائے ہے ۔۔۔ اور کچھ بولوں تو دم زیرِ گلو گھٹ جائے ہے!

داستان گو

تھا قیس بھی بے سکون و ناشاد ۔۔۔ ناشاد، تباہ حال، برباد
برباد، لئے تھا دل میں فریاد ۔۔۔ فریاد، نہاں تھی جس میں اک یاد
اس دشتِ الم میں رقص فرما ۔۔۔ مجنوں تھا کہ تھا کوئی بگولا
دراصل اک اتفاق ہی تھا ۔۔۔ اُس صبح کو زید سرکشادا
پہنچا کہ جدھر تھا ایک حجرا ۔۔۔ تھا قیس جہاں اداس بیٹھا!
کچھ دیر کے بعد بے محابا ۔۔۔ تھا زید سے اس طرح سے گویا

قیس

(اس کی طلب ہے)

اس کی طلب ہے دل کو سراسر
حسن ہے جس کا ایک سمندر
ہے دل میں پیوست اک چاقو
خونِ جگر سے گرم ہے پہلو
خس کو ہے شعلے کی تمنا
باڑھ کی رہ دیکھے ہے دریا
دل میں صدف کے ہے اک ارماں
ضم ہو اس میں قطرۂ نیساں
حسرت رکھتا ہے یہ سمندر
کوئی جیالا آئے شناور
ساحل کو طوفاں کی طلب ہے
کھل کے کہیں تو سوئے ادب ہے
کشتی کو اصرار یہی ہے
لب پر اک تکرار یہی ہے۔!
آئے اک طوفان بلا کا (ق)
جس میں اس کا غرق ہو بیڑا۔!
رات کہے ہے اپنے رب سے
آئے کوئی سورج پورب سے
دور کرے جو اس کا اندھیرا (ق)
نکلے اک زرّین سویرا
باغ کو فصلِ گل کی تمنّا
ہے کتنی چھوٹی سی تمنّا
فصل کے دل میں ہے اک ارماں
جلدی آئے موسم باراں
دیدۂ نرگس کا ہے تقاضا
اس کے دل میں ہے یہ ارادا
کوئی اسے پلکوں میں سجالے (ق)
کوئی اسے نظروں میں بسالے
متوقع ہے دیدۂ آہو
ہو جائے اک دل میں ترازو
اتنی سی کلفت ہے ہدف کی
تیر اسے اک کر دے چھلنی!
ایک کسک ہے قلبِ ختن میں
کوئی غزال اکے آنگن میں
آئے اور آ کر رم جائے (ق)
آئے کوئی اور یا کہ نہ آئے۔!

غنچے کو درکار صبا ہے | لب پر بس اتنی سی دعا ہے
ایک تلاطم ایسا آئے (ق) | غنچے سے وہ گُل بن جائے۔!

کیا کہئے اندوہ نہاں کی | دل میں حسرت ہے یہ کتاں کی
لائے چاند کرن کا خنجر (ق) | کر دے اس کو پارا ایکسر

خوابیدہ ہے نے میں نغمہ | نے کی خواہش ہے یہ ہویدا
کوئی اس نغمے کو جگا دے (ق) | کوئی اس کی نے پر گا دے

کتنے رخ بربستہ دہن ہیں | کتنے ہی برفاب بدن ہیں
جن کو ہے درکار تمازت (ق) | گرم لبوں کی گرم حرارت

حسن کھڑا ہے بانہہ پسارے | آئے عشق اور اس کو نہارے
عشق کی خاطر حسن کے جلوے | عالم میں ہیں بکھرے بکھرے
خواہاں ہیں نظارے کتنے | کوئی نگہ ان پر بھی اٹھے!
جنسِ نزاکت بس یہی چاہے | کوئی خریدار اسکو خریدے
ہے فقط اتنی خواہشِ مینا | اسکو جلا دے شعلۂ صہبا
ساغرِ مے بس اتنا چاہے | کوئی اسکو لب سے لگا لے۔!
صوت و صدا کے لب پہ ندا ہے | سامع کوئی اسکی سن لے!
دشتِ خموشی بس یہی چاہے | کوئی نوا اس میں رم جائے
چشم براہ ہے شہرِ فضیحت | اتنا ہی چاہے کوئے ملامت
کوئی جنونی عاشق آئے (ق) | آئے اس میں، محشر ڈھائے

دار و رسن کی ہے یہی حسرت — کوئی تو پائے اس پہ شہادت
وا ہے کب سے خلوتِ زنداں — کوئی تو آئے چاک گریباں!
قلبِ نشیمن کی ہے تمنّا — اسکو ہے اک برق کا سودا
آئے اسکو پھونک کے رکھ دے (ق) — رہ تکتا ہے وہ مدّت سے
دل کو ہے بس ایک تمنّا — درد ہو اس میں میٹھا میٹھا -!
سر کو ہے بس ایک ہی سودا — مل جائے کوئی دل آرا - !
صید کی خواہش ہے یہ دم دم — کوئی شکاری آئے گجر دم
آکے بنالے اس کو بندی — (ق) ختم ہو بس آوارہ گردی
دامن چاہے موسمِ گل سے — کر دے اسکو پرزے پرزے
شبنم کو درکار کرن ہے — عرصے سے دل میں یہ لگن ہے!
شہرِ بدخشاں کی ہے تمنّا — لعل کوئی ہو جائے اس کا!
آب ہے مانگے تیغ کا سینہ — خاتم کو درکار نگینہ —— !
ہے یہ دعا اتنی سی شفق کی — بھر دے سورج اس میں سرخی
کہتے ہیں بس زلف کے عقدے — آئے کوئی اور ہم کو سنوارے
قفل فقط اتنا ہی چاہے — کوئی کلید اسے مل جائے
میخانے کی ہے یہ تگ ودو — روز ہی آئے میخوار لو —— !
آکے پی لے ساری صہبا (ق) — ساغر ہے کو چھلکا چھلکا —— !
وا ہے دریچہ حسن کا کب سے — ناظر اک مانگے ہے رب سے

سن فقط اتنا ہی چلا ہے ۔ آئے عشق اور اسکو سراہے
دیوانے کو بڑھ کی طلب ہے ۔ صحرا کو جھکڑ کی طلب ہے
آئے جو ہلچل سی مچادے (ق) ۔ سناٹے کو دور بھگا دے
دیوانہ بس اتنا چاہے ۔ کوئی اسے زنجیر پنہادے
دشت کی اک خواہش ہے دگرگوں ۔ کاش اسے مل جائے مجنوں

داستان گو

بہتی رہی یونہی جوئے مجنوں ۔ الفاظ تھے اس کے درِ مکنوں
صحرا میں بچھا تھا دامِ افسوں ۔ تھا زید کا حال بھی دگرگوں
مجنوں کا سخن وہ سن رہا تھا ۔ عرفان کے پھول چن رہا تھا

قیس

(آج ہے روزِ وصال)

خوش بہت خوش ہوں تجھ سے آج اے زید ۔ چھوڑ کر اپنے کام کاج اے زید
تو جو پھر سے یہاں پہ آیا ہے ۔ جانے کیا ارمغان لایا ہے ۔!
کس خرابے میں آ کے بستا ہوں ۔ اک تبسم کو بھی ترستا ہوں
آگ سی اک دبی ہے سینے میں ۔ لطف باقی نہیں ہے جینے میں
ہر طرف ایک ہُو کا عالم ہے ۔ دل ہے غمگین چشم پُرنم ہے
ہم نفس ہے یہاں کہیں کوئی ۔ ایک آواز بھی نہیں کوئی ـــــ!
گونجتی ہے سکوت کی آواز ۔ بج رہا ہے فقط یہی اک ساز

ایسے جینے سے فائدا کیا ہے ‏ ‏ زہر پینے سے فائدا کیا ہے
کس قدر بے قرار ہیں جو ہر ‏ ‏ دل کے اس آئینے میں سرتا سر

آواز ‏ ختم لو روزِ انتظار ہوا ‏ ‏ انتظامِ وصالِ یار ہوا

قیس ‏ آج کا دن ہے مغتنم اے زید ‏ ‏ ایسا لگتا ہے وہ صنم اے زید
پھر سے آئیگا اس خرابے میں (ق) ‏ ‏ غم واندوہ کے دوآبے میں
دلِ خانہ خراب کہتا ہے ‏ ‏ کوئی آتا ہے کرکے منزل طے
آج تک حالِ دل یہی ہے رہا ‏ ‏ دل نے مجھ سے نہیں ہے جھوٹ کہا
اسلئے اک یقین سا ہے مجھے ‏ ‏ دل کو جھٹلاؤں میں بھلا کیسے

(ق) اس سے پہلے کہ وہ یہاں آئے ‏ ‏ یعنی وہ رشکِ پریاں آئے
جاؤ جلدی شتاب جاؤ ذرا ‏ ‏ لاؤ اک آفتاب لاؤ ذرا
تاکہ ہو رہ میں اس کے نور ہی نور ‏ ‏ دے اٹھے لوز میں مثالِ طور
ایک کیا سب چراغ لے آؤ ‏ ‏ جا کے گلہائے باغ لے آؤ
جگمگائیں چراغ راہوں میں ‏ ‏ جب وہ آجائے میری باہوں میں
آؤ قالینِ گل بچھاؤ ذرا ‏ ‏ گاؤ تکیے سمن کے لاؤ ذرا
گل سے لے آؤ عطر کی مہکار ‏ ‏ طائروں کی بلند ہو چہکار!
آب لے آؤ آبگینے سے ‏ ‏ تاب لے آؤ ہر نگینے سے!
لاؤ لالہ بنفشہ اور سمن ‏ ‏ آج لے آؤ تم چمن کا چمن
ہو رواں جوئبار کا سنگیت ‏ ‏ آنے والا ہے آج من کا میت

پھینک دو دور خرقۂ سالوس ۔۔۔ جا ؤ لے آؤ عشق کے فانوس

ساعتِ ہجر تجھ پہ ہو پھٹکار ۔۔۔ مار تجھ پر خدا کی اور سو بار

آج روزِ وصال آیا ہے (ق) ۔۔۔ دور اب ہم سے تیرا سایا ہے

چرخِ نیلوفری سے لاؤ نوید ۔۔۔ لاؤ طاؤسِ زہرہ و ناہید!

چرخ سے کہکشاں کو لے آؤ ۔۔۔ ارض پر آسماں کو لے آؤ

فصلِ گل سے کہو کہ جلد آئے ۔۔۔ اپنے ہمراہ بوئے خوش لائے

جاکے تم آہوئے ختن سے کہو ۔۔۔ اس شمامے کی انجمن سے کہو

نافۂ مشک ساتھ لے آئے (ق) ۔۔۔ دلِ صحرا کو آکے برمائے!

کہو ساقی سے سن تو دل آرام ۔۔۔ تجھ پہ قربان میکدے کی شام

آئے اور میکدہ ہی لے آئے ۔۔۔ پینے والوں کو یوں نہ ترسائے

شبنم اپنا نہ یوں دکھائے بھاؤ ۔۔۔ آکے جلدی یہاں کرے چھڑکاؤ

قوس کی شاہراہ بچھ جائے ۔۔۔ رنگ کی کہکشاں سمٹ آئے

رنگ کے سو نگار خانے کھلیں ۔۔۔ جسکے اندر ہزار رنگ کھلیں

وا ہو رہ میں صحیفۂ ارژنگ ۔۔۔ جو ہے اک ارمغانِ رنگا رنگ

رنگ ہی رنگ ہوں جدھر سے آئے ۔۔۔ رنگ ہی رنگ ہوں جدھر وہ جائے

راہ میں اسکی ہوں یہ سارے رنگ ۔۔۔ دلکش، شوخ پیارے پیارے رنگ!

رنگ ہائے رنگا رنگ

شام کے رنگ اور شفق کے رنگ ۔۔۔ راہ میں اسکی ہوں افق کے رنگ

سرخ اک رنگ جیسے رنگِ گلاب — سرخ اک رنگ جیسے رنگِ شہاب
دن کا وہ رنگ جو ہے لالے کا — رات کا رنگ جو ہے کالے کا!
سبز اک رنگ جیسے رنگِ گیاہ — سبز پوشوں کے سر پہ سبز کلاہ ٥
چمپئی رنگ جو کہ ہے نایاب — بس رخِ یار پر ہے جس کی آب
رنگ کیسر کا زعفرانی رنگ — چرخ کا رنگ آسمانی رنگ
رنگ دھانی سا اک دوپٹے کا — رنگ وہ زرد زرد ہلکا سا
عارض و رخ کا وہ شہابی رنگ — یا یہ کہیے کہ آفتابی رنگ
چشمِ دلدار کے وہ کام کا رنگ — سرمئی رنگ یعنی شام کا رنگ
صبح کے وقت جیسے نیل کا رنگ — شام کے وقت جیسے جھیل کا رنگ
جامنی رنگ ایک جامے کا — رنگ جس طرح سے شمامے کا!
رنگ گہرا سا ارغوانی رنگ — دلہنوں کا یہ جانِ جانی رنگ
چشمِ عاشق کا خونچکانی رنگ — یار کے رخ پہ قدردانی رنگ
کوئی دیکھے اک اور رنگِ چمن — کاسنی کاسنی سا پیراہن!

صبحِ صادق کا وہ صباحت رنگ ۔۔۔ شب کی تاریکیوں کا ظلمت رنگ
رنگ تقدیس کا سپید و صفا ۔۔۔ رنگ جیسے کسی فرشتے کا
رنگ جیسے کہ ماہتابی رنگ ۔۔۔ ماہتابی کہ نیم خوابی رنگ
دشتِ قاہر کے اے طلسم سراب ۔۔۔ جلد ہو جلد تیرا خانہ خراب
اِس بیاباں کے اے نکیلے خار ۔۔۔ آبلے آج تجھ سے ہیں بیزار
جھکڑو قہر مت کرو برپا ۔۔۔ ایسا چنگھاڑنا نہیں اچھا —!
اے غبارِ فضول ہے بے جا ۔۔۔ دھول اڑانا ہے یوں نہیں اچھا
اے عناصر جہاں ہو رک جاؤ ۔۔۔ آسمانوں سے لو نہ برساؤ
اے طپش، التہاب ہے بیکار ۔۔۔ تو بجھا دے تمام اپنے شرار
سنگِ خارہ تجھے خدا سمجھے ۔۔۔ پارہ پارہ تجھے خدا کردے
پھیر رُخ گرد و باد کے طوفان ۔۔۔ نامناسب ہے اب ترا ہذیان
مار و کژدم ذرا کرو عجلت ۔۔۔ کہیں ایسا نہ ہو بنے درگت!
اسلئے زہر اپنا خود کھاؤ (ق) ۔۔۔ اپنی بانبی میں جا کے سو جاؤ!
اژدھو اپنے منہ کو بند کرو ۔۔۔ جاؤ خود اپنی نسل کو نگلو!
ریگ زار و کرم یہ فرماؤ ۔۔۔ اک خنک آستان بن جاؤ!
قصہ کوتاہ اب کروں اے زید ۔۔۔ کہہ چکا اور کیا کہوں اے زید
دِل کو اسطرح کے ہیں لاکھ بھرم ۔۔۔ ہے جگر خون آنکھ ہے پُرنم
اسطرح کب تلک رہوں ناشاد ۔۔۔ کب تلک ایسے خانماں برباد؟

میں نے ایجاد کی ہیں جو باتیں
دِل کی تفریح کو ہیں سوغاتیں

جانتا ہوں میں ماہیّت ان کی
میں نے خود کی ہے تربیت اُن کی

(ق)
ان میں کچھ بھی نہیں ہے اصلیت
ایسی ممکن نہیں کوئی صورت

صرف باتوں سے کچھ نہیں حاصل
ایسی گھاتوں سے کچھ نہیں حاصل

اسلئے اب یہ تجھ سے کہنا ہے
زندگی میری ہے فضول اک شئے

خیر تو نے جو ساتھ میرا دیا
اسطرح مجھ پہ اک کرم ہے کیا

بار بار اس طرح سے آکے یہاں
مجھ کو دے دی ہے تو نے تابِ بیاں

تو نے اک روشنی دکھائی ہے
میرے دل میں جگہ بنائی ہے

مجھ پہ احسان جو کیا تو نے
شکریہ میں ادا کروں کیسے؟

اپنے حجرے میں ایک عرصے سے
پارچے کچھ اٹھا کے رکھے تھے

ہے یہ دیبا کا جامۂ زیبا
تجھ کو دیتا ہوں اس کا میں تحفا!

ویسے ہے ایک شئے یہ معمولی
کرلے تو زیبِ تن اسے پھر بھی

تو پہن لے مجھے خوشی ہوگی
دُور قدرے تو ہوگی بے چینی

داستان گو

تحفہ جو ملا تو زید مشکور
کچھ دیر ہوا وہاں سے مستور

دل اس کا تھا اس کرم سے مخمور
واپس ہوا، دی خبر کہ منظور

لیلیٰ نے کیا ہے، اس سے ملنا
تقدیر ہوا ہے چاک سِلنا

مجنوں کی خوشی کی اب نہ حد تھی
صورت تھی نشاط کی یہ نکلی

تھی دل میں ہنوز بات دل کی
ظاہر تھی فلک پہ ایک سرخی

ہر سمت سکوت کامراں تھا
سناٹا سا ایک جلوہ داں تھا

اک سجدۂ شکر کر کے پورا
وہ زید کے ساتھ ہوا روانا

فی الحال وہی تو ہم سفر تھا
حیرت سے عجب تھا حال اس کا

جاتا تھا وہ منزلوں کو کر طے
ہے عشق بھی کیا عجیب سی شئے

ساتھ آئے کچھ اور بیت خواناں
ہمرہ ہوئے اور شکر فشاناں

اور کچھ جو تھے اس کے قدر داناں
مشکل تھا بہت حصولِ جاناں

منزل نہیں سہل دلبروں کی
آساں نہیں راہ گلرخوں کی

طے ہو ہی گئی وہ راہِ دشوار
اور قافلہ پہنچا پاکے آزار

لیلیٰ کے جلو میں آخر کار
واقیس نے کی زبانِ گفتار

تھی اس کے بیان میں فصاحت
جذبے تھے سبھی بلند قامت!

قیس

پھر سے آیا ہے ترے در پہ وہی خانہ خراب
جس پہ مدت سے ہے اے جانِ جہاں تیرا عتاب
حال تو دیکھ ذرا

بن گئی خاک مری اب تری دہلیز کی خاک
ہے جگر خون مرا دل کا گریباں ہے چاک
سر بزانو ہے وفا!

مجھ کو اپنانے میں اے جانؑ اب کیوں دیری
کہنا چاہوں تو ہے اک قفل زباں پر میری
پا بجولاں ہے صدا

کتنے بے تاب ہیں سجدے مری پیشانی میں
منعکس ہیں کئی جلوے مری حیرانی میں
کہہ رہی ہے یہ ندا

دور ہی سے ترے در پر میں بجا لاؤں سجود
میں نہ زندانیٔ طاعت نہ تو پابندِ قعود
نہ تو میں ہرزہ سرا

دل مرا ایک زمانے سے ہے محرومِ بہار
ایک عرصے سے مرا جسم ہے یوں زار و نزار
میری حالت پہ نہ جا

اک زمانے سے یہ دل تیرا تمنائی ہے
ایک عرصے سے ہی سودائے جبیں سائی ہے
مجھکو تو راہ دکھا

کیا کہوں میں نے سہے رنج و الم ہیں کیا کیا
کیا بتاؤں کہ اٹھائے بھی ستم ہیں کیا کیا
گھٹ گئی میری نوا

دل مرا تیرا طلب گار وہی ہے کہ جو تھا
راستہ اب بھی ہے دشوار وہی ہے کہ جو تھا
آہ اے میرے خدا

آج بھی دور ہیں مجھ سے یہ نگاہیں تیری
آج بھی ویسے ہی بے نور ہیں راہیں میری
ڈھونڈتا ہوں میں ضیا

آج بھی مجھ پہ ہیں الزام تری آنکھوں کے
آج بھی دور نہیں دام تری آنکھوں کے
ہوں گرفتار ترا

اک ہنسی ایک تبسم کو ترستا ہوں میں
ایک بادل ہوں کہ بے فیض برستا ہوں میں
کیا ہوا حال مرا

تو نے ظلم جو ڈھائے ہیں تجھے کیا معلوم
کتنے تاریک یہ سائے ہیں تجھے کیا معلوم
آہ یہ تیری جفا

آج بھی ہے یہ سفینہ مرا طوفاں بکنار
منہ کو پھاڑے ہوئے تیار نہنگِ خونخوار
اُف یہ سیلابِ بلا

دستگیری تو کرے گر تو بنے کام مرا
ورنہ معلوم ہے مجھکو تو اب انجام مرا
مجھکو ملنی ہے سزا

قافلہ گم ہے نہیں قافلہ سالار کوئی
دشت میں راہ دکھانے نہیں تیار کوئی
چُپ ہے آوازِ درا

سنگ اور خشت ہی تقدیر ہے دیوانے کی
ہوتی آئی ہے تواضع یونہی فرزانے کی
یہ مدارات بجا

اے صنم آج ذرا تو ہی مجھے بتلا دے
حال تجھ سے نہ کہوں گر تو کہوں پھر کس سے
مجھکو بتلا دے ذرا

میں ہوں اک ہستئ گم گشتہ مرا کوئی نہیں
آہ اس دہر میں میرا بھی نہیں کوئی کہیں
میں ہوں یوسف آسا

راز کچھ ایسے تھے جو ہم سے چھپائے نہ گئے
دل میں وہ زخم نہاں تھے کہ دکھائے نہ گئے
ہم پہ بیتی ہے یہ کیا

ہم سنائیں تجھے خود تیری حکایت کیسے
سامنے تیرے کریں تیری شکایت کیسے
تو سنے گا بھی بھلا

ہم دکھائیں تو مگر زخم بہت ہے گہرا
کس طرح کھولیں دہن نطق پہ ہے اک پہرا
بند ہے صوت و صدا

اُف یہ بے بالی و پری، گرسنگی، تشنہ لبی
ہے میسّر سر و سامان مگر بے طلبی
آہ یہ کربِ بلا

رحم اے خسروِ شکرّ دہناں بہر خدا
تیرے دیوانے کو مل جائے ترے در سے صلا
ہے یہی اس کی دعا

داستان گو

لیلیٰ کو ملی جو یہ بشارت
پہلے تو ہوئی اسے مسرت
کچھ دیر کے بعد اک ندامت
کب سے تھی حیات اسکی غارت
برزخ تھا جہاں وہ جی رہی تھی
ہر لمحہ وہ زہر پی رہی تھی
اس طرح سے تھی کچھ اس کی حالت
جسطرح سے ہو کوئی عمارت
بے وجہ شکارِ بربریت
اک شخص کے ہاتھوں بے ضرورت
پہلے تو ہو اک ستون برخاست
پھر خاک ہو خانہ بے کم و کاست
مجنوں نے سنائے بیت ایسے
کہتے ہیں لوگ شعر ویسے
برباد ہوئے ہیں کیسے کیسے
خیمے سے وہ نکلی جیسے تیسے
وہ آئی برونِ خانہ بیتاب
اک ابر سے جیسے نکلے مہتاب!
دریائے مسافرِ خود افتاد
چوں سبزہ بزیر پائے شمشاد،

نخچیر تھی خود، سماج جلاد — تھی اس کے لبوں پہ ایک فریاد

دونوں کی نظر ملی کچھ ایسے — ساحل سے ملے ہے موج جیسے

جسطرح بہار اور گلشن — جسطرح سے بھادوں اور ساون

جسطرح سے برق اور نشیمن — جسطرح سے چاک اور دامن —

فرخندہ گھڑی وہ آگئی تھی — دونوں کے دلوں کو بھا گئی تھی

پس سلسلہ دیر تک تھا جاری — دونوں کا الم بہت تھا بھاری

تھے زخم نہایت ان کے کاری — روتے تھے وہ دونوں باری باری

زید آیا لئے گلاب و عنبر — کرنے دو نہال تازہ کو تر

کچھ دیر کے بعد جب انھیں ہوش — آیا، تو ہوئے وہ دونوں خاموش

دونوں کے نڈھال تھے تن و توش — لیکن رہی وا نظر کی آغوش

ولیلیٰ بہزار شرمناکی — آمد برآں غریب خاکی،

تب قیس کا لے کے ہاتھ میں ہات — لیلیٰ اسے لائی خیمے میں سات

دونوں ہی کی نرم نرم تھی گات — تھی قیس کے واسطے یہ سوغات

پہلے کیا عہدِ عشق تازا — پھر اسکو بوصلِ جاں نوازا

تھا زید وہاں اک ان کا محرم — تھا جس پہ دوانگی کا عالم

اس ساعتِ خوش میں آنکھ تھی نم — اسکی، مگر اسکو تھا یہی غم

جب ہوں، اگر جدا یہ دونوں پھر سے — تب ہجر میں جی سکیں گے کیسے

تھی ایک بہت ہی نیک ساعت — جب دونوں گلے ملے بغایت

دونوں نے اٹھائی تھی صعوبت — رسوائی، فراق اور شماتت
اک عرصے کے بعد تھے وہ یکجا — دونوں کو خوشی تھی بے تحاشا
خیمے میں تھا انتظام ایسا — ہوتا نہ وہاں گذر کسی کا
اُس جا اگر اک مگس بھی آتا — ہرگز نہ وہ قیس کو سہاتا
لیلیٰ اسے چیر پھاڑ دیتی — اور اس کو ٹھکانے سے لگاتی
القصہ گذر رہی تھی ساعت — تھی ایک کو دوسرے سے زینت
عصمت سے بہت تھی دور شہوت — تھی عشق میں ان کے ایک شدّت
فطرت میں تھی ان کے سرمدیت — جذبے میں مگر تھی نشتریت
دونوں ہی کا عشق تھا حقیقی — موجود تھی معرفت کی گرمی
آپس میں ہو درہم کیا ضروری — تابندہ تھا جذبِ اندرونی
تھا مکر سے پاک عشق ان کا — مابین خلوصِ بے ریا تھا!
ہے عشق جہان سے نرالا — آلائش دھر سے اسے کیا
ہے اس کا چلن بغایت اولیٰ — قصّہ یہ نہیں، نہیں تماشا!
انسان نے عشق ہی سے جانا — ہوتا ہے حصول آگہی کا
کیا عشق سوالِ امتحاں ہے؟ — کیا عشق سوالیہ نشاں ہے؟
انسان کے دل کی کہکشاں ہے — دراصل جمالِ قدسیاں ہے
پاکیزیہ اس کی اور طہارت — اور اس کا عروج اسکی رفعت
واضح ہے مثالِ روزِ روشن (ق) — ہے عشق سدا سے پاک دامن — !

ہر قسم کی معصیت سے ایمن — تقدیس ہے اس پہ سایہ افگن

عشاق کا ہی شعار ہے عشق — اک تحفۂ کردگار ہے عشق

آوازۂ عشق ہے جہانگیر — ہے عشق کی تابناک شمشیر

زندانِ ستم کے جو ہیں نخچیر — ہے جن کے دل و زباں پہ زنجیر

گر عشق کو حرزِ جاں وہ کر لیں — زنجیر ہو قطع ایک پل میں

گو بات تھی ہر طرح سے خفیہ — پھر بھی تھا نگر میں اس کا چرچا

یکجا ہیں خوشی سے قیس و لیلیٰ — اس جا ہوا اک ہجوم اکٹھا

سب شہر کے لوگ آ گئے تھے — خاموشی سے ان کو دیکھتے تھے

کچھ دیر رہی خموش لیلیٰ — بھولی تھی خروش و جوش لیلیٰ!

اور ساتھ ہی اپنا ہوش لیلیٰ — اور اپنے ہی چشم و گوش لیلیٰ

اک ہوش ذرا جو آیا اس کو — اسطرح سے وہ ہوئی سخن گو

لیلیٰ

[وہ سنگ برسائے کہ بس]

اے مرے محبوب اے میرے حبیبِ دلفگار — اس گھڑی کا تھا نجانے مجھکو کب سے انتظار

راہ تکتی تھی نجانے کب سے تیری ہم نشیں — آئیگا تو اس دلِ ہنگامہ جو کو تھا یقیں

اس میں کیا شک ہے کہ ہے تیری عطا لازوال — صفحۂ تاریخ الفت میں رہے گی بے مثال

تو نے جس شائستگی سے عاشقی کی اے صنم — داستاں اسکی کہے کون اور ہو کیسے رقم

آرزو میں تیری اک ٹھہراؤ ہے اک ضبط ہے — گفتگو میں تیری اک تہذیب ہے اک ربط ہے

آئیگا وہ دن بھی مستقبل میں جب اے باصفا — نام تیرا اہلِ دل کے حرزِ جاں ہو جائیگا!

لیکن اسکے ساتھ ہی اتنا کہونگی میں ضرور — تو سمجھ سکتا ہے اس نکتے کو تو ہے باشعور

ہوتا آیا ہے یہی ہوگا ازل سے تا ابد — "عشقِ اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود"

دل مرا کہتا تھا اک دن تو ضرور آجائے گا — آئیگا اور ساتھ اپنے ایک مژدہ لائیگا

یہ کہ تیری چشم دوا ہے آج بھی میرے لئے — یہ کہ تو آبِ بقا ہے آج بھی میرے لئے

آج جب اے جانِ لیلیٰ میرے پاس آیا ہے تو — حیف تو ہے کسقدر آشفتہ سر آشفتہ ہو

دیکھتی ہوں کسقدر تو ہے پریشاں روزگار — بے نوائے بیچارہ گر، بے برگ ساماں، بے دیار

دل شکستہ، ہوش رفتہ، غمزدہ، خوار و زبوں — تن پہ تنکا بھی نہیں ہے صرف ملبوسِ جنوں

سرگراں، داماں دریدہ، تیرہ قسمت، سر بکف — ایک ایسا تیر جو ہو بے نشانہ، بے ہدف

سچ کہوں لیکن بہت ہی اسکی ہے مجھکو خوشی — بڑھ گئی ہے اس سے کچھ دن اور میری زندگی

پاس آکر میرے خیمے کے جو تو نے برملا — جس جسارت سے ہر اک جذبے کو ظاہر کر دیا

مجھکو ہے اسکی خوشی بے حد سحر سے تا بہ شام — آج بھی ہے تیرے ان ہونٹوں پہ اس بیکس کا نام

ہے پریشاں آج بھی یہ دل ترا میرے لئے — اب بھی ہے سودا نشاں تیری دنیا میرے لئے

علم ہے مجھکو کہ ہے تیرا سرِ تسلیم خم — ہے مرے ہی واسطے ویسے ہی تیری چشم نم

تو یہ کہتا ہے کوئی تیرا نہیں میرے سوا — آہ لیکن حال اپنا تو نے یہ کیوں کر لیا

جانتی ہوں تجھ پہ جو بیتی ہے اے میرے حبیب — میری خاطر ہی ہوا ہے میں ہی ہوں وہ بدنصیب

دیکھتی ہوں تجھ پہ لاکھوں طرح کے الزام ہیں — اور یہ الزام تجھ پر صبح سے تا شام ہیں

بے خبر مجھکو کہ سب الزام بے بنیاد ہیں — آہ اس دنیا کے باشندے بڑے جلاد ہیں

دیکھتی ہوں میں کہ تجھکو ہے مری اب بھی طلب
میں اگر خوش ہوں خوشی میری نہیں بے سبب

تجھ پہ جو گذری مجھے اچھی طرح معلوم ہے
عشق کی یہ راہِ مشکل کسطرح کی تو نے طے

ایک مدت تک رہا جس دشت میں تیرا قیام
اس بیاباں کیلئے ہے وقف میرا احترام

مہرباں صحرا کہ جس نے دی تجھے دل میں پناہ
میرے دل میں پا گیا ہے اک زمانے سے وہ راہ

جس بیاباں کا ہے آئینِ عدالت صلحِ کُل
اور جہاں پر ساتھ خاروں کے کھلا کرتے ہیں گُل

دشتِ بے پایاں کہ جو ہے بے حدود و بے حصار
جس کے ماتھے سے ہے اخلاص و مدارا آشکار

جس میں ہے تفریق کوئی اور نہ کوئی امتیاز
جو فسادِ آدمیت سے ہے یکسر بے نیاز

گرد ہے جس کی سدا گلگونہ رخسارِ قیس
جو رہا مدت تلک پابوس اور غمخوارِ قیس

ہے یہ صحرا گردِ اسود کا سوادِ بیکراں
تیرے پیروں کے لئے ہے ریگ اسکی پرنیاں

اس جہاں میں جانے کتنے ذہن کے بیمار ہیں
زندگی کی جن کی یکسر کھوکھلی اقدار ہیں

اِس بیاباں کو سمجھ سکتے نہیں وہ کم سواد
عقل و دانش کے نہیں ہیں دائرے جن کے زیاد

دور ہوں میں دشت سے لیکن کیا ہے انتظام
پیش کرتی ہوں یہیں سے میں اسے اپنا سلام

جس بیاباں نے تجھے گودی میں دی اپنی جگہ
فیضِ بے پایاں سے ہے بھرپور جس کی ہر نگہ

اے مرے محبوب ہے جس دشت میں تیرا قیام
تیری خاطر اس نے کچھ ایسا کیا ہے انتظام

لو کے جھونکوں نے بھی تجھکو ہر گھڑی خنکی سی دی
آندھیوں میں بھی تجھے شبنم کی آمیزش ملی

ہے یہ وہ صحرا کہ جس کے خار بھی ہیں تیرے دوست
جس [illegible] پایا تاک توانائی ہے تیرا گوشت پوست

تیرا حجرا اس جہاں کا ایک نخلستان ہے
دشت میں تیرے لئے ایک قصرِ عالی شان ہے

اِس سمندرِ دشت میں ملتا ہے اک ایسا سکوں
ہیچ سی لگتی ہے جس کے سامنے دنیائے دوں

آدمی کو دہر میں ہے بس اسی شے کی تلاش
ہے محیط اس بحرِ صحرا پر سکوتِ بے کراں
خامشی ہے دشت کی اس انجمن میں محترم
اس بیاباں کی خموشی میں ہے پنہاں معرفت
پردۂ صحرا میں آوازِ خموشی ہے نہاں
آگہی کو سب سے پہلے خامشی درکار ہے
اس نگر نے تو کیا تھا انتظامِ خشت و سنگ
میری خاطر ہی تو ساری کلفتیں تو نے سہیں
اس نگر ہی میں تو رسوا تو سرِ بازار تھا
اس نگر ہی کی سیہ راتوں میں تو وارا گیا
تیری الفت کا گلا گھونٹا گیا اس شہر میں
کون سا تھا ظلم اے دلبر نہ جو تو نے سہا
آج اگر اک زہر اک سم ہے مرے الفاظ میں
میں بھی تو عرصے تلک اک زہر ہی پیتی رہی
قبل اسکے ہڈیاں تک میری مثلِ آتش ہوں
نہیں میں چپ رہونگی اب تو میں چلاؤنگی
س رہتی آئی ہوں میں ہے وہ اک شہرِ خموش
تی ہے کہ جس میں ظلم کے آرے چلیں

وہ سکوں جو شر کو کر دیتا ہے یکسر پائمال
یعنی سناٹا ملے ہے اس صحرا کا اک سیلِ رواں
ہے فصیلِ خامشی پیرامنِ مُلکِ عدم
کیا بیاں ہو اسکی، خوبی، اسکا حسن اسکی صفت
اسکو سننا ہر کس و ناکس کے بس میں ہے کہاں
شور و شر روحِ طریقت کیلئے آزار ہے!
اے مرے محبوب تیرے واسطے ہی بے درنگ!
دہر کی آسائشیں سب دور ہی تجھ سے رہیں
اس کے کوچوں میں نکلنا بھی ترا دشوار تھا
اس خرابے میں تجھے لوٹا گیا مارا گیا
ویسے الفت کا صلہ کسکو ملا کس شہر میں
تھی شرافت ہی تری تو نے نہ کچھ منہ سے کہا
اس نگر کے رہنے والے اب نہ کچھ منہ سے کہیں!
اپنے لب سیتی رہی خاموشی پہ میں جیتی رہی
وقت آیا ہے کہ میرے غم کے پردے فاش ہوں
کھا چکی دھوکے بہت پر اب نہ دھوکے کھاؤنگی
یہ وہ قاتل ہے کہ جس کا کوئی فرد آئینہ دوش!
پیار کرنے والے جس کی آگ میں یکسر جلیں

پھول تک جس میں نہ کھل پائیں یہ ہے وہ شہرِ سم — آسماں بھی اس پہ ٹوٹے پر نہ ہو اک آنکھ نم
ایک اندھا، ایک گونگا، ایک بہرا شہر ہے — اس نگر میں رہنے والوں پر خدا کا قہر ہے
اس نگر پر اب کبھی چمکے نہ کوئی آفتاب — ہے یہی اس میں ہی خوش، ہے بے شرر، بے التہاب
ان کو جو کچھ بھی ملے اس پر ہی سب خرسند ہیں — ہاں یہاں والوں کے ذہنوں کے دریچے بند ہیں

کون جانے آہ کس گِل سے بنے ہیں یاں کے لوگ — واہ اسکو واہ جس گِل سے بنے ہیں یاں کے لوگ
سوختہ ساماں، ہراساں، مضطرب، خونیں جگر — بے مروّت، پُر فضیحت، پُر ملامت، فتنہ گر
کوئی ہلچل ہی نہیں اس میں یہ ہے کیسا نگر — کیسی مٹّی سے بنے ہیں اس نگر کے بام و در
کوہِ غم ٹوٹے کوئی آواز اٹھاتا ہی نہیں — ہیں شکستہ تار کوئی ساز اٹھاتا ہی نہیں
آہ کیسی تنگ بینی سے عبارت ہے یہ شہر — اپنے ماتھے پر ہی اک داغِ خجالت ہے یہ شہر
اس خرابے میں کبھی آتی نہیں تازہ ہوا — یاں قدم رکھتے ہوئے ڈرتی جھجکتی ہے صبا
اس نگر سے اک عفونت سی اٹھے ہے رات دن — اس نگر میں اک علالت سی اگے ہے رات دن
آہ اس بستی میں کتنے خونچکاں اوہام ہیں — کتنے فرسودہ عقائد کے مریض اصنام ہیں
شہر کہنے کو ہے لیکن کس قدر ویران ہے — کیا جو یہ شہری ہیں ان میں ایک بھی انسان ہے؟
ایک عاجز پر کوئی ڈھائے قیامت ان کو کیا — گھر میں بیٹی کی اگر ہو زندہ تربت ان کو کیا
کوئی بیٹی کو اٹھالے جائے گھر سے ان کو کیا — یہ ہیں بے حس اپنے گھر اپنے نگر سے ان کو کیا!
قتل بھی ہو جائے ان کے سامنے کوئی بشر — شہر والے سادھ لینگے چپ ہی اکثر بیشتر
ہر قدم پر مل ہی جاتے ہیں یہاں دار و رسن — روز ہوتے ہیں یہاں قربان کتنے جان و تن
شہر میں ہر طرح کے دکھ درد ہیں آلام ہیں — آہ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ باآرام ہیں!

کس قدر مردہ ہیں اور بے حس ہیں اس بستی کے لوگ
اس میں بسنے آگئے ہیں جانے کس بستی کے لوگ

مرد جو کہتے ہیں خود کو ان کے دعوے خام ہیں
اس نگر کے مرد سب نامرد ہیں گلفام ہیں

آدمی کے روپ میں یہ مار و کژدم کا نگر
اک کڑی سی دھوپ میں ہیں اس کے سارے بام و در

جو شرافت کے بنائے شہر نے معیار ہیں
شہر کے معیار کیا ہیں قہر کے مینار ہیں ۔ !

جب سرِ بازار اس کی بیٹیاں بکتی ہیں یاں
اس نگر کے لب پہ کب آتی ہے کوئی بھی فغاں

مے پیالوں میں چھلکتی ہے نگر میں رات بھر
بادِ سم آگیں سنکتی ہے نگر میں رات بھر

یہ نگر دیتا ہے فرزانے کو دیوانے کا نام
اور پھر لیتا ہے دیوانے سے بھرپور انتقام

اس نگر کے رہنے والے ہیں نہایت تنگ دل
ترش رو، بے اعتنا، کم ظرف، حاسد، سنگدل

پتھروں کی ہر عمارت پتھروں کے بام و در
پتھروں کے ان کے سینے پتھروں کے دل جگر

برق بھی ٹوٹے تو ان پر کچھ اثر ہوتا نہیں
چاہے کچھ ہو دل کا تابندہ شرر ہوتا نہیں

اژدھے چنگھاڑتے ہیں اس نگر میں دن تمام
اک فسوں میں مبتلا ہیں اس نگر کے خاص و عام

سرد مہری، کج ادائی، بے نیازی، بے حسی
ان عناصر سے بنی ہے اس نگر کی زندگی

یہ ہے اک اندھیر نگری جو کہ ہے محرومِ نور
کون بتلائے کسے بتلائے کس کا ہے قصور

اے حبیب اے یار اے دیوانے اے مجنوں مرے
اب سیے گا کون آخر چاک داماں کو ترے

آہ جو کچھ تجھ پہ بیتی یہ نگر ہے جانتا
میری خاطر ہی تو خاکِ دشت تو ہے چھانتا

میری خاطر ہی گیا جب شہر سے تو ہو کے تنگ
چھوکروں نے شہر کے برسائے تجھ پر خشت و سنگ

کر دیا اس شہر نے ہی تیرا جامہ تار تار
تیرا جامہ تھا بلا شک بیش قیمت، زرنگار

تو نے جس دن کر دیا بستی کی اس دنیا کو عاق
تیرا چھوٹوں اور بڑوں سب نے اڑایا تھا مذاق

کیا محبت کرنے والوں کا مقدر ہے فراق
کیا دلِ عشاق کی تقدیر ہے ویراں اُطاق

آج تک میری سمجھ میں کیوں یہ بات آئی نہیں
ہاں یہ ممکن ہے کسی نے مجھ کو سمجھائی نہیں

کون سی شے کی کمی تھی آہ تیری ذات میں
فیصلہ جو ہو گیا تیرے خلاف اک رات میں

کیا اس میں شک ہے محبت ہے جہاں میں پاک شے
اس میں اک معصومیت ہے اس میں اک تقدیس ہے

دو مقدس دل جو ملتے ہیں کہیں دنیا سے دور
دیکھ کر ان کو فرشتے مسکراتے ہیں ضرور

جب بھی ملتے ہیں کہیں عشاق دو زیرِ فلک
پھول برساتی ہیں حوریں گیت گاتے ہیں ملک

دیکھتے ہیں چھپ کے اکثر چاند تارے بھی انہیں
دیکھتے ہیں اس زمیں پر غم کے مارے بھی انہیں

کس قدر منظر یہ پاکیزہ ہے کوئی کیا کہے
ہے یہی بہتر کہ بولے کچھ نہ منہ سے چپ رہے!

وجہ تب کیا ہے کہ نفرت ان سے کرتا ہے سماج
دو محبت کرنے والوں سے وہ لیتا ہے خراج

اس طریقے سے کہ بو دیتا ہے وہ نفرت کے بیج
دو دلوں کے بیچ ابھر آتی ہے نفرت کی خلیج

ساتھ مل کر ہی دھڑکنے کی جگہ پھر دونوں دل
دور ہو جاتے ہیں روتے ہیں مسلسل، متصل

اے نگر والو ذرا یہ بھی تماشا دیکھ لو
دیکھ لو مجنوں کو اور مجنوں کا سودا دیکھ لو

(ق)
یاد اس دن کی دلائیں آج ہم تم کو اگر
آہ جس دن تم نے اس مظلوم کو مظلوم تر

کر کے اس کے دوش پر ہی اس کی اپنی زندہ لاش
تم نے رکھ دی تھی تمہیں یاد آئے وہ ہنگام کاش!

شرم سے ہو گی تمہیں خواہش نہیں کچھ شک نہیں
دفن کر لو خود کو زندہ تم زمیں کی کوکھ میں

ابیات

شہر والو آؤ تم سب قیسِ عامر سے ملو
جس پہ تم نے متصل وہ سنگ برسائے کہ بس

شہر سے اس کو نکالا جانے کیا دے کر فریب
تم نے اس کو باغ ایسے سبز دکھلائے کہ بس

ہیں تمہارے سامنے سرخیلِ عشاقانِ دہر
دے دیئے دشنام اسکو جو بھی یاد آئے کہ بس

کتنا تیرہ دن تھا جس دن اس کا سب کچھ لٹ گیا
اس کے سورج آہ اس دن ایسے گہنائے کہ بس

دے کے جُل چک پھیریاں، دھوکے، دغا، عشوے، فریب
دشت کی قربان گہ پر یوں اسے لائے کہ بس

تم نے مارا آہ اسکو کن گذرگاہوں کے بیچ
اس طرح بس اس کو تم سولی چڑھا آئے کہ بس

برہنہ اسکو کیا پھر کھال اس کی کھینچ لی
اسکے بعد اس فتح پر تم ایسے اترائے کہ بس

فصلِ گل میں تم نے کیا اچھا کیا یہ اہتمام
اِک دوانے کی قبا کو یُوں اڑا لائے کہ بس

پھیر دی تیغِ جفا معصوم کے حلقوم پر
تم نے اس مظلوم پر اتنے ستم ڈھائے کہ بس !

کون سا بدلہ لیا تھا اس سے اُس دن اہلِ شہر
خون کے جُرعے اسے تم نے وہ پلوائے کہ بس

آج تک بھی اس کے ہونٹوں پر تبسم ہے حرام
آٹھ آٹھ آنسو اسے تم نے وہ رلوائے کہ بس

اس کی آنکھوں سے رواں ہے اک مسلسل جوئے خوں
اس کی بینائی کے سوتے ایسے کجلائے کہ بس

خوب کی خاطر تواضع تم نے اک مجبور کی
ختم کرنے کی اسے سوگند کھا آئے کہ بس

ہجر کا حنظل تھا اُن میں بے بسی کا زہر تھا
تم نے کچھ لقمے اسے ایسے نگلوائے کہ بس

دار پر گر رقص کرواتے تو کوئی بات تھی ،
تم نے بے سولی اسے وہ رقص کروائے کہ بس

تم بھی کیا تھے بھائی یوسف کے، کہ اپنے بھائی کو
ہو بہو، چاہِ اذیت میں اتار آئے کہ بس

اس قدر ارزاں نہ تھا خونِ وفا بازار میں
دام تم اس جنس کے ایسے گرا آئے کہ بس

جو برستے ہیں نہ کھلتے ہیں عجب ہے ماجرا
آسمانِ دل پہ اس کے ابر وہ چھائے کہ بس

تیغ کرنے ہی کو تھا جلاد اپنی بے نیام
تم اُدھر جا کر اُسے اک حکم دے آئے کہ بس

ں کے رخ کے گل کدے پر چھا گئی ہے اک خزاں
اس کے رخساروں کے گل اس طرح کمھلائے کہ بس

تھا تمہارا اور کچھ میرے بزرگوں کا قصور
خون کے آنسو مجھے بھی ایسے پلوائے کہ بس !

شمع، پروانے کے تن کے بال و پر کا ذکر کیا
آہ خاکستر بھی اس کی ایسے جل جائے کہ بس

تھی اٹھان ایسی کہ جیسے صبح دم سورج ڈھلے
ایک گہرے میں سمٹ کر ایسے دھندلائے کہ بس

آج تک سائے میں تھے تم کتنے اطمینان سے
دھوپ میں چہرے تمہارے ایسے سنولائے کہ بس

تھی یہ کب امید لیکن آخرِ کار آ گئے
انجمن میں آ کے تم کچھ ایسے شرمائے کہ بس

داد کے قابل نہیں انعام کے قابل ہے کام
اپنے ہی ہاتھوں نشیمن ایسے پھونک آئے کہ بس

آنکھ میں قاتل کی جب یکسر اُتر آیا ہو خوں
جا کے مقتل میں اُسے تب کون کہہ پائے کہ بس

لوٹ کر بھولے ہوئے آ تو گئے زندہ ضرور
سرگراں، نوحہ کناں وہ ایسے گھر آئے کہ بس،

جسم پر اس بے نوا کے ایک بھی چھوڑا نہ تار
اس کو مجنوں سا بنا کے ایسے تم لائے کہ بس!

اے نگر والو اسے دیکھو جو کچھ تم نے کیا
جرم کیا تھا اس کا جو اس طرح سے بدلا لیا۔!

اس کی قسمت میں صعوبت کے سوا اب کچھ نہیں
دہر کی لعنت ملامت کے سوا اب کچھ نہیں

جس گھڑی گردن پہ اس کی تھی رواں تیغِ ستم
ایک بھی تم میں سے کرتا گر کوئی ابرو کو خم

ایک بھی تم میں سے کر سکتا کوئی گر احتجاج
اس کی قسمت میں شماتت اس طرح ہوتی نہ آج

سی لیے لب اپنے اس بستی کی عزت بیچ دی
تم نے اُس دن بے جھجک اپنی حمیت بیچ دی

کل بھی تھی اور آج بھی ہے تم میں جرأت کی کمی
صاف کہتی ہوں کہ ہے تم میں حمیت کی کمی

خیر ماضی کی طرف جانے سے اب کیا فائدہ
کیا گلہ اس کا کریں ہونا تھا جو کچھ ہو گیا

چاہنے والے ہمارے نذرِ صحرا ہو گئے
اور ہم بیکس سرِ بازار رسوا ہو گئے

قصۂ دل کی جو کل تفسیر لکھی جائے گی
کل جب اپنے خواب کی تعبیر لکھی جائیگی!

(ق) اُس حکایت میں کھلا ہوگا ہمارا ہی لہو
اس کو پڑھ کر توڑ دینگے اہلِ دل جام و سبو!

داستان گو

دو شمعیں کہ جو پگھل رہی تھیں — دونوں ہی سرے سے جل رہی تھیں
دونوں ہی مُدام گل رہی تھیں — سانچے میں فنا کے ڈھل رہی تھیں
ہونے ہی کو تھا طلوع کا وقت — چھپنے ہی کو تھا ستارۂ بخت
تھے طشت میں دو چراغ تاباں — اک نور تھا شہر تا بیاباں
تھا ایک جسد تو دوسرا جاں — اک زخم تھا دوسرا نمکداں
کشکول صفت تھے دونوں خاموش — ہستی کو کئے ہوئے فراموش
خاموش تھے عشق کے دو شہکار — دونوں تھے دوراہے پہ نمودار
حیران تھے دونوں نقش اُس پار — مانندِ دو نقش بر دو دیوار
دو تن تھے مگر تھا ایک انداز — دو دل تھے مگر تھی ایک آواز!
مصلوب ہوئے تھے ابنِ مریم — دنیا کی ہے آنکھ اب بھی پُرنم
حلّاج کا بھی جہاں کو ہے غم — سولی ہی پہ اس کا نکلا تھا دم
آوازۂ حق کا مرتبا ہے — سولی پہ بھی خون بولتا ہے
کچھ دیر رہے وہ دونوں بے حال — لیلیٰ تھی نڈھال قیس پامال
افسانہ ہوا تھا جاہ واقبال — باقی تھا بس ایک جی کا جنجال
آوازۂ عشق تھا جہانگیر — تھا سلسلۂ طناب وزنجیر
لیلیٰ نے وہاں جو کی تھی تقریر — تقریر تھی آبدار شمشیر
شمشیر کے تھے ہزار نخچیر — نخچیر ہوئے جوان اور پیر
اِستادہ تھے سب پُر از خجالت — تھی شہر کے رخ پہ اک ندامت

لیلیٰ کا سخن تھا تند اور تیز | اظہارِ بیاں تھا آتش انگیز
مجنوں کے لئے تھا ایک مہمیز | اس طرح سے وہ ہوا سخن ریز
الفاظ میں اس کے تھی تمازت | جذبات میں اس کے تھی حرارت

قیس

(مرحبا، مرحبا!)

مرحبا اے مرے محبوب مرے دل کے قرار | آج کی ساعتِ نایاب میں اے جانِ بہار
جو کیا مرے لئے اس کا تشکّر بسیار | مٹ گیا ہے مرے پہلو کا پرانا آزار
مجھ کو اک چاہ کی ظلمت سے نکالا تو نے | میرے جذبات کو الفاظ میں ڈھالا تو نے
مرحبا تو نے صداقت کے دکھائے جوہر | کاٹ کر رکھ دیئے دجّالوں کے تو نے لشکر
بدسگالوں کے کلیجے میں اتارا خنجر | ہر ستم کیش کو رسوا کیا چوراہے پر!
حبّذا تو نے عطا ان کو جو کی اک خلعت | یاد رکھیں گے سدا آج کا دن بدطینت
ہر ریاکار کے چہرے پہ تھا اور اک چہرا | رخ جو اصلی تھا کبھی سامنے آتا ہی نہ تھا
اس نگر والوں کے زخموں سے اٹھایا پردا | تو نے، اور پھر وہ عفونت تھی، خجل تھے کیا کیا
ان کے زخموں کی قسم تیرے نمک داں کی قسم | اب تسلّی ہی سے جائیں گے تری بزم سے ہم
جو بھی کانوں نے سنا آنکھ نے جو کچھ دیکھا | اس کو میں یوں بھی کہوں سامنے جو کچھ بھی ہوا،
واقعی میں نے تو ایسا کبھی دیکھا نہ سنا | درس جو تو نے دیا وہ نہ کبھی بھولے گا
شہر کے مردوں کو معلوم ہوا دیر سویر | زن بھی ہو سکتی ہے اک شیر کی مانند دلیر
دست بستہ ترے آگے ہیں جوانانِ عرب | سرِ تسلیم کئے خم ہیں شجاعانِ عرب

تیرے اعزاز کو واہیں درِ دایوانِ عرب
تو کہ ہے جانِ عرب، آنِ عرب، شانِ عرب

غلغلہ دہر میں ہے تیری صف آرائی کا
سرِ گردوں بھی ہے چرچا تری دارائی کا

مجھ کو بھی علم ہے اس بات کا اے میرے حبیب
تو مقدر میں نہ تھی میرے، نہ تھی میرا نصیب!

اس علاقے میں نہ تھا تیرے سوا کوئی طبیب
میری بیماری کا، جو میرے لئے تھی تادیب

آہ کیا کیا ستم وجور سہے ہیں میں نے
دل کا جو رنگ ہوا تجھ پہ عیاں ہے کب سے

تجھ کو بھی علم ہے تھے تیرے پدر بے الطاف
اپنے الحاق کے تھے حد سے زیادہ خلاف

اپنی بیٹی ہی سے اسے کاش وہ کرتے انصاف
ان کو آج اپنی محبت نہیں کر سکتی معاف

اپنے ہی خون پہ وہ ظلم کیا سید نے
آشیاں پھونک دیئے ان کی غلط اک ضد نے

اور اب حال یہ ہے غم کے گھنے سائے ہیں
اپنی ہستی پہ زمانے نے ستم ڈھائے ہیں

ہم بہت دور بہت دور نکل آئے ہیں
ہم کو ویرانے کے آرام بہت بھائے ہیں

ہم تو آزار کے باوصف پریشان نہیں
جو بھی کچھ ہم نے کیا اس پہ پشیمان نہیں!

کتنے ہی نقش ہیں اس تن پہ ستم گاری کے
گھاؤ کتنے ہیں عیاں دہر کی عیاری کے

زخم ہیں کتنے ہی آلام کے ادرخواری کے
ہم بہر حال ہیں پابندِ روا داری کے

اک نئی طرح تواضع کی ہے ڈالی ہم نے
یعنی ہر شخص سے کی خیر سگالی ہم نے

تو نے اے سیم بدن خود کے جو حالات کہے
کچھ نگاہوں سے کہا اور کچھ ابیات کہے

میرے بارے میں جو کچھ خیر کے کلمات کہے
دل کو اصرار ہے ان کو تری سوغات کہے

اور گر تیری یہ سوغات نہیں تو کیا ہے
حسن کی تیرے یہ خیرات نہیں تو کیا ہے!

شکریئے کے لئے الفاظ نہیں پاس مرے
منجمد ہیں مرے جذبات بتاؤں کیسے

متوقع ہوں قریب آئیگا یہ کچھ تو دل کے
جز نگہ اور کوئی حائل نہ رہینگے پردے

آ قریب آ کہ نگاہوں میں بسا لوں تجھ کو
اپنی پلکوں کے کناروں پہ سجا لوں تجھ کو

آ بھی جا توڑ کے بے سود روایات کے جال
ان کو قدموں کے تلے روند دے کر دے پامال

یوں تو ہیں کام بہت تجھ کو بہت ہیں اشغال
ہند کے ایک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال

عاشقوں کے لئے اے جانِ جہاں اچھا ہے
کل تلک تھا جو نہاں اب وہ عیاں اچھا ہے!

رات کے بعد یہ سیّارے رہیں یا نہ رہیں
کیا خبر ہے کہ یہ نظّارے رہیں یا نہ رہیں!

غم کے مارے ہوئے بیچارے رہیں یا نہ رہیں
کچھ رہیں بھی جو اگر سارے رہیں یا نہ رہیں

آ بھی جا اب بھی ان آنکھوں میں ضیا باقی ہے
آج بھی تیرے لئے ان میں ادا باقی ہے

میری دلبر، مری دلدار، مرے دل آرام
تجھکو ہے علم زمانے نے دیئے جو الزام

زندگی قصۂ پارینہ رہی میری مدام
آہ اس دل نے اٹھائے ہیں ہزاروں آلام

زہر سے پر تھی نوا کیونکہ فضا تھی مسموم
لے تھی غمگین مری کیونکہ نوا تھی مغموم

فتنۂ دہر نے ہر طرح کیا خانہ خراب
اس جگہ خون پہ رہا ہر کس و ناکس کا عتاب

ایک زنداں میں نظر بند رہا میرا شباب
روشنی مل نہ سکی پڑھ نہ سکا دل کی کتاب

آہ کیا کیا نہ ستم مجھ پہ زمانے نے کئے
میں نے وہ ظلم خموشی سے سہے تیرے لئے

تن پہ اک تار بھی اے جان کہاں ہے باقی
لیکن اس لب پہ مرے ایک فغاں ہے باقی

اب بھی ہے وقت کہ اب بھی یہ جہاں ہے باقی
یعنی اک سلسلۂ سود و زیاں ہے باقی

اس لئے کیوں نہ ملیں ابر کے سائے کے تلے
رات کو چرخ پہ جب چاند کی قندیل جلے

ختم جب ہو ہی چکا ہے یہ ہمارا بن باس
اس لیے کیوں نہ ملیں کیوں نہ بجھالیں ہم پیاس

سنتے آئے ہیں ہر اک طرح کی اب تک بکواس
ہم ملینگے سرِ بازار بلا خوف و ہراس

کس میں ہمت ہے ہمیں اب کوئی روکے تو سہی
روکنا دور رہا اب کوئی ٹوکے تو سہی!

ہم ملینگے کہیں لالے کے شفق زاروں میں
یا تو پھر بادِ سحر گاہ کے طیاروں میں

شام کستوری سے مہکے ہوئے گلزاروں میں
یا کبھی رات، چمکتے ہوئے سیاروں میں

شام جاتی ہے تو پھر رات جواں ہوتی ہے
جو خلش دل کی ہے وہ سیر کہاں ہوتی ہے

ہم ملینگے کبھی اک کنجِ چمن میں لے یار
یا تو ہو جائینگے بادل کی سواری کے سوار

یا کبھی ہونگے کسی وادیٔ گل میں سرشار
ہم ملاقات مسلسل سے نہ ہونگے بیزار

دو دھڑکتے ہوئے دل ملتے رہینگے پیہم
ایک نے ہوگی تو پھر ایک ہی ہوگا سرگم!

ہم ملینگے کبھی آذر کے صنم خانوں میں
یا کبھی حافظِ شیراز کے دیوانوں میں!

یا تو رنگین سی اک قوس کے ایوانوں میں
ہم یگانے ہیں ملینگے کبھی بیگانوں میں

ہر ملاقات کی ہر رات ہماری ہو گی
اک خوشی اپنے شبستان پہ طاری ہوگی!

ہم ملینگے کبھی اک انجمنِ زیبا میں
یا کبھی عشق کے تپتے ہوئے اک صحرا میں

غوطہ زن یا تو کبھی شوق کے اک دریا میں
ہم ہیں انساں ہمیں ملنا ہے اسی دنیا میں

بس اسی طرح ملاقات چلی جائیگی
وجۂ ناسازیٔ حالات چلی جائیگی

ہم ملینگے کبھی گلشن کی خنک خلوت میں
یعنی انساں کی بنائی ہوئی اس جنت میں

اور کبھی صبح کو سورج کی حسیں ساعت میں
بے حجابانہ کبھی شوق کی کیفیت میں

ایک جب ہونگے تو مٹ جائیگا یہ نقشِ دوئی
ساعتِ وصل میں باقی نہ رہیگی دوری.

ہم ملینگے کبھی ساحل پہ کسی دریا کے
یا کبھی کوہ کے ٹیلے پہ کسی صحرا کے !!!

ہم فرشتے نہیں انسان ہیں اس دنیا کے
اس لئے بھول کے کچھ دیر کو غم عقبیٰ کے !

تم جب آؤگی تو اک سحر میں کھو جائینگے
ہم جو تھک جائینگے کچھ دیر کو سو جائینگے

آؤ اس بار ذرا کوئے ملامت میں ملیں
یا چلو کوچہ و بازارِ فضیحت میں ملیں — !

اب نہیں ڈر کسی داروغہ کا جلوت میں ملیں
وقت اپنا ہے تو کس وجہ سے عجلت میں ملیں

وقت اپنا ہے تو یہ شام و سحر اپنے ہیں
صرف اک ارض نہیں شمس و قمر اپنے ہیں

آج اس شہر کے بدنام خیاباں میں ملیں
فصلِ گل آئی ہے اس بار گلستاں میں ملیں

یا تو پھر ہم کسی معتوب بیاباں میں ملیں
یا چلو دور کہیں شہرِ غزالاں میں ملیں

مینہ جو برسا تو ہوا ختم تمازت کا ستم
ابر چھایا تو ہوئے وصل کے ساماں بہم

آؤ اک چشمۂ ظلمات کا ہم پائیں سراغ
تیرگی دور ہو اور راہ میں جل جائیں چراغ !

نافۂ مشک کے ایوان میں مہکائیں دماغ
مست آنکھوں کے خرابات میں چھلکائیں ایاغ

زندگی بھر نہ جدا ہونے کی کھائیں سوگند
آؤ اس پاک محبت کی اٹھائیں سوگند !

آؤ محفل میں کریں حرفِ غزل کا آغاز
آؤ مل جل کے کریں عیش و طرب کا در باز

کھٹکھٹائیں گل و بلبل کا درِ راز و نیاز
سیکھ لیں ان سے محبت کا نرالا انداز !

دیر تک عشق کی بس سلسلہ جنبانی ہو
اب کبھی وصل سے ہم کو نہ پشیمانی ہو

آؤ دیوانے کی زنجیر ہلا کر دیکھیں
اک نیا گُل گلِ صحرا میں کھلا کر دیکھیں

حجلۂ صبح میں شبنم کو جگا کر دیکھیں
ناز و انداز کے طوفان اٹھا کر دیکھیں

قرمزی رنگ سے دہکائیں شفق کی محراب
منتشر کر دیں فضاؤں میں فقط رنگِ گلاب

ساز پر رقص کریں موم دل سنگ کریں — فطرت گل سے اسے آؤ ہم آہنگ کریں

آؤ آپ اپنی محبت کے لئے جنگ کریں — طے اسی طرح رہِ عشق کے فرسنگ کریں

کاٹ کر پھینک دیں جو راہ میں خاشاک آئیں — تیغ پر تولیں اگر دشمنِ ناپاک آئیں

آؤ ہر زہر بھرا جام اٹھا کر پی لیں — جتنے بھی چاک قبا میں ہیں انہیں ہم سی لیں

لب بہ لب سینہ بہ سینہ سرِ مقتل جی لیں — انتقام آؤ ہر اس مجبر و مفسد سے گن لیں

جس نے ہم کو سرِ بازار کیا تھا رسوا — جس نے مشہور کیا تھا کہ ہمیں ہے سودا

ضرب گرفتنۂ ایام کی کاری ہے تو کیا — غم رگ و پے میں اگر جاری و ساری ہے تو کیا

تشنگی آج بھی تقدیر ہماری ہے تو کیا — ہم پہ الزام کوئی آج بھی بھاری ہے تو کیا

گر ہیں مضبوط ۔ محبت کے یہ عہد و پیماں — ہم بڑھے جائینگے ٹھکرا کے ہر اک سنگِ گراں

ہم جیسے جائینگے جینا رسن و دار سہی — لب سیے جائینگے تقدیر میں آزار سہی

سم پیئے جائینگے رسوا سرِ بازار سہی — سر کٹے جائینگے اے جاں رہِ دشوار سہی

گر یونہی ساتھ ہو تیرے رخِ روشن کا چراغ — اک نہ اک دن ہمیں مل جائیگا منزل کا سراغ

داستان گو

نکلے بس ہزار اشک مجنوں — تھے اشک ہزار دُرِّ مکنوں

حالت تھی غریب کی دگرگوں — دل زار و نزار اور جگر خوں

اک نعرہ لگا کے راہِ صحرا — لی اس نے تھی اس کو چاہِ صحرا

تھا وحشت ہی اس کا پھر ٹھکانا — ہمراہ تھی گردشِ زمانا

جاتا تھا جدھر بھی وہ دوانا — لب پر تھا فقط وہی ترانا
لیلیٰ ہی کا نام تھا لبوں پر — تھا اُس کے سوا نہ کچھ بھی ازبر
تھا وقفِ خرام ہی مسلسل — رکتا ہی نہ تھا کہیں بھی اک پل
باراں میں ہو جس طرح سے بادل — دل اور دماغ دونوں تھے شل
پھرتا تھا وہ آسیا کی مانند — ہر سمت تھا وہ ضیا کی مانند
کچھ دن یونہی اُس کے اور گذرے — بے نیلِ مرام ہنستے روتے !
بے فیض تھے زندگی کے لمحے — تھے دل پہ دباؤ ہر طرح کے !
اک روز یونہی زراہِ صحرا — لیلیٰ کے نگر وہ پھر سے پہونچا
اک وقت جو تھی بہارِ خنداں — دیکھا کہ تھی وہ بھی چاک داماں
گو شمعِ حیات تھی فروزاں — بجھنے کو مگر تھی شاہِ خوباں !
الزام بھی خود پہ اُس کی ہستی — آلام سے وہ ورق ورق تھی
صادق تھی طلب جو پھر سے یکبار — دونوں ہی گلے ملے پدیدار !
تھا محوِ تماشا سارا بازار — مدہوش تھے دونوں، دونوں ہشیار
تھا عشق جو پاکباز ان کا — یہ وصل کا تھا جواز ان کا
شہوت ہے حریمِ عشق سے دور — ہے عشق حضورِ فیض گنجور
اک صاعقہ، اک ستارۂ نور — وہ جس کی جھلک تھی برسرِ طور
دونوں اسی عشق کے تھے نخچیر — تھا ایک ہدف تو دوسرا تیر
عاشق کو غرض سے کام کب ہے — جُز عشق اُسے دوام کب ہے

پروائے نمود و نام کب ہے — عاشق کو یہ اہتمام کب ہے

جس دم ہو غرض ہوس ہی در آئے — جب آئے ہوس تو عشق اٹھ جائے

ہے عشق کی راہ صدق کی راہ — جس میں ہے فقط حبیب کی چاہ

جس طرح سے کہ چودھویں کو ہو ماہ — جس میں نہیں کوئی جبر و اکراہ

گاتا ہوا اک غزل دِوانہ

پھر سے ہوا دشت کو روانہ

دنیا کے محیط جاوداں ہیں — اس میں تو نہنگِ جاں ستاں ہیں

اس کے تو حصار بے کراں ہیں — اس میں تو گماں کے کارواں ہیں

دنیا کو کوئی سمجھ نہ پایا — ہے دھوپ کبھی، کبھی تو سایا

لیلیٰ تھی شکستہ دل بچاری — بس ٹوٹ گئی تھی غم کی ماری

سینے پہ لگا تھا زخم کاری — یوں عمر گذر گئی تھی ساری

آخر کو وہ ایک دن بھی آیا — لیلیٰ کو جب آ گیا بلاوا

تب بجھ گئی اس کی شمعِ ہستی — مدت سے جو شمع جل رہی تھی

باقی ہی رہی نہ اس میں باقی — رخ پر تھی عیاں تکان ساری

لیلیٰ ہوئی اُس جہاں کو عازم — جانا ہے جہاں سبھی کو لازم

دراصل یہ امر واقعہ تھا — لیلیٰ کی وفات سانحہ تھا

یا فکر کو ایک زاویہ تھا — یا ایک عظیم المیہ تھا

ہر آنکھ ہوئی تھی جس سے پُر نم — ہر گھر میں تھا اُس پری کا ماتم

اٹھے کئی شاہ اس جہاں سے | جاتا ہی پڑا انہیں یہاں سے
چھوٹے وہ جہاں کے امتحاں سے | یعنی کہ فسادِ این و آں سے
خسرو ہو کہ کیقباد یا جم | دنیا سے اُٹھے مثالِ شبنم!
اربابِ خرد نے کتنا چاہا | وا ہو کسی طرح سے یہ عقدہ
اس باب میں سب نے مل کے سوچا | حل کوئی مگر نکل نہ پایا
ہے آج بھی موت اک پہیلی | انساں پہ دسترس ہے اس کی
تھے شہر کے لوگ کھوئے کھوئے | اُس رات وہ ایک پل نہ سوئے
آزردہ تھے تلخ تلخ روئے | اشکوں سے دلوں کے داغ دھوئے
اُس رات کی چاندنی سیہ تھی | روتی رہی غم سے کہکشاں بھی
اوڑھے ہوئے اک سیاہ کملی | تھی رات بھی سوگ ہی میں ڈوبی
شبنم بھی تو آنسوؤں سے تر تھی | وہ رات سبھی کی غم میں گزری
اک شہرِ نگار رو رہا تھا | کیا زار و قطار رو رہا تھا
اُس صبح جو زید اُدھر سے گزرا | ہر شخص نے تب کیا یہ چرچا
خاموش ہوا چراغِ لیلیٰ | لی اُس نے شتاب راہِ صحرا
پہنچا وہ سبک قدم بیاباں | جو دل کے لہو سے تھا فروزاں
خاموش کبھی کبھی ہراساں | از دیدہ چو خوں سرشک ریزاں
تھا قیس اداس سر بزانو | سینے میں سناں، جگر میں چاقو
گریاں گریاں ہی زید پہونچا | اور قیس کے پاس آن بیٹھا

رخسار کا رنگ اڑ گیا تھا — چہرے کا چمن تھا پھیلا پھیلا

غمناک و خموش تھا بچارا — اصرار سے قیس نے یہ پوچھا

قیس

(کیا سبب ہے)

زید یہ حال کیا بنایا ہے — بعد مدّت کے تو جو آیا ہے

کچھ تو کہہ کچھ تو بول کچھ تو بتا — حال تیرا یہ کس طرح سے ہوا

تجھ کو کیوں اس قدر ہے پاسِ ادب — جاننا چاہتا ہوں اُس کا سبب

کس لئے آج چشم تر ہے تری — آج خونناب کیوں نظر ہے تری

کیوں جگر خوں ہوا ہے یوں تیرا — تیرگی نے ہے کیوں تجھے گھیرا!

اس طرح پاش پاش کیوں دل ہے — اس طرح قاش قاش کیوں دل ہے؟

کس لئے ہے یہ گریہ وزاری — دل پہ کیسی یہ ضرب ہے کاری

تیرے رخسار آج کیوں ہیں تباہ — اس طرح کیوں ہے تیرا حال سیاہ

ساز آواز سے ہے کیوں محروم — بال پرواز سے ہے کیوں محروم

تیغ سی دل میں اک ترازو ہے — پارا پارا سا آج کیوں تو ہے؟

دامنِ چاک چاک ہے کیسا — دربدر سر بخاک ہے کیسا!

دل پریشاں ہے لب پہ آہیں ہیں — کتنی غمناک سی نگاہیں ہیں

عشق میں پھر کہیں مبتلا تو نہیں — پھر اُسی غم کا سلسلہ تو نہیں؟

زخم مجھ کو دکھا دے برخوردار — جو بھی بیتی بتا دے برخوردار

زیدؔ

(آہ کس منہ سے کہوں)

پوچھتے ہیں آپ مجھ سے کس لئے روتا ہوں میں
آنسوؤں کے گوہرِ نایاب کیوں کھوتا ہوں میں

یہ نوازش کیا اسی صہبائے مرد افگن کی ہے
یہ عنایت کیا اسی ہنگامہ جو دھڑکن کی ہے

جسکو اس دنیائے فانی نے دیا ہے نام عشق (ق)
کیا کہیں پھر ہو گیا ہوں میں اسیرِ دامِ عشق ؟

کیوں لبوں پر اک تبسم کی کرن تک بھی نہیں
مبتلائے عشق پھر سے ہو گیا ہوں کیا کہیں ؟

دیکھ کر اس حال میں مجھ کو جو سوچا آپ نے
بات کو جس زاویئے سے آج دیکھا آپ نے !

ہے بہت افسوس اس کا مجھ کو اے عالی جناب
دشت میں جو کچھ بھی دیکھا آپ نے ہے وہ سراب

جب سنینگے آپ کیا کچھ بہہ گیا سیلاب میں
آپ نے وہ حشر دیکھا بھی نہ ہوگا خواب میں

آپ کو معلوم جب ہوگا کہ محشر تھا عظیم
اور اس طوفاں میں کیسے ہو گیا کوئی دو نیم !

آہ جلّادِ فلک کے ایک کاری وار میں
سہل کیسے ہو گئیں اک بے نوا کی مشکلیں -!

ایک پل میں کیا ہوا، کیسے ہوا کیونکر ہوا ؟
کیا سناؤں آپ کو وہ روح فرسا ماجرا !

کس سے کہہ دیں کس طرح کہہ دیں حدیثِ دردِ دل
دل کہاں باقی ہے بس باقی ہے اک پتھر کی سل

جب سنینگے آپ وہ افسانۂ خونیں حضور
آپ کے دل پر لگیگی ضرب اک کاری ضرور

آپ کی آنکھوں سے اک دریا رواں ہو جائیگا
زندگانی کا ہر اک پل خونچکاں ہو جائیگا

تھام لیں اب آپ اپنے دل کو دونوں ہاتھ سے
ہے خطر کوئی تو ہے وہ آپ کے جذبات سے

جو خبر میں آج کی ساعت میں لایا ہوں یہاں
آپ ہوں گے اس خبر کو سن کے پیہم نوحہ خواں

زیست کا عنوان یکسر کالعدم ہو جائیگا
اک صنم خانہ سراسر بے صنم ہو جائیگا !

بخت ہے برگشتہ ہے آشفتہ سر دنیائے دوں — آج کے دن آسماں کا بھی ہے کاسہ واژگوں

ایک جھرنا پھوٹ نکلا ہے زمیں سے بے درنگ — آب ہے جس کا سیہ شبرنگ جیسے زنگِ سنگ

کوکھ سے اس کے نکل آئی ہے مرگِ ناگہاں — زندگی ہے جس کے آگے سرگراں، نوحہ کناں

جس کی ٹھوکر میں سر یر و تاج و دستار و کلاہ — جس کی زد میں اس زمیں کے خوبصورت مہر و ماہ

خواہ کوئی خوش ادا ہو یا کہ کوئی خوش نوا — ہو کوئی مہتاب آسا یا کوئی زرّیں قبا

اس جہاں کے روز و شب پر آہ حاوی ہے ممات — دام میں اس کے ہے اس دنیا کا ہر اک ذی حیات

عام انساں ہو کوئی یا ہو کوئی عالی جناب — ہے حمائل ہر گلے میں موت کی ابدی طناب

موت کے نزدیک کب تخصیصِ خاص و عام ہے — زندگی آغاز ہے تو موت اک انجام ہے

موت کرتی ہی نہیں ہے امتیازِ رنگ و خوں — اس کے آگے ایک ہیں اہلِ خرد اہلِ جنوں

موت کی دستک تو ہے ہر گاؤں میں ہر شہر میں — رستگاری اس سے ہو سکتی نہیں ہے دہر میں

زندگی کی کشمکش کا موت ہی انجام ہے — خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

الغرض میں نے یہ سب کہنے کی گستاخی جو کی — ہے نہاں اس امر میں دراصل سرِّ زندگی

بر سرِ مطلب میں اب آؤں ذرا تھامیں جگر — کر رہا ہوں اب جنابِ من یہ قصّہ مختصر

مدتوں تک آپ نے اس دشت کی چھانی ہے خاک — اپنے قدموں ہی سے کرتے آئے ہیں آپ اسکو پاک

جو خبر لایا ہوں میں وہ ہے نہایت پُر ملال — جس کو سنکر آپ ہو جائینگے از حد پائمال

وہ خبر سنکر یہاں اک زلزلہ آجائے گا — ابرِ ظلمت ہر طرف اس دشت پر چھا جائیگا

بجلیاں کڑکینگی، طوفاں آئیگا برسینگے سنگ — ذرّے ذرّے سے لہو ٹپکیگا بے بیم و درنگ

وہ خبر سنکر اٹھیگی ایک آندھی ہولناک — اس بیاباں کی قبا ہو جائیگی بس چاک چاک

دن میں ہو گا وہ اندھیرا مہر گہنا جائیگا
تاجِ زرّیں اُس سے تب ہرگز نہ پہنا جائیگا

آج اِس خطّے پہ اک بھاری تباہی آئیگی
اوس تشنہ بادیے سے بے صدا اٹھ جائیگی

خارِ صحرا پر لگیگی آج ایسی روک ٹوک
تیز کرنی بھول جائیگا وہ یکسر اپنی نوک

دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں بگولے آئینگے
اپنا سر پٹکینگے کوہستان سے ٹکرائینگے

ذرّے ذرّے پر یہاں کے آج چھا جائیگا قہر
ان عناصر سے یہاں رگ رگ میں بھر جائیگا زہر

دھول اڑیگی، لو چلیگی، ہر نشاں مٹ جائیگا
آج ہر اندیشۂ سود و زیاں مٹ جائیگا

حال کیا اپنا کریگی دیکھنا بادِ سحر
اپنے ہی عارض پہ ماریگی طپانچے بے خطر!

قطرہ قطرہ لالۂ صحرا سے ٹپکیگا لہو
میکدے میں توڑ دینگے مغبچے جام و سبو

سنگِ خارہ کو لگینگی آندھیوں کی ٹھوکریں
سونت لینگے خار اپنی تیغ اپنے ہاتھ میں

رنج در آئیگا یکسر آپ کے ایوان میں
سر دُھنیگا آپ کے حجرے کے نخلستان میں

غولِ صحرائی کرینگے راج آزادی کے ساتھ
خون سے پھولوں کے وہ رنگیں کرینگے اپنے ہاتھ

محو، گردِ دشت میں ہر کارواں ہو جائیگا
راہ گم ہو جائیگی ہر راستہ کھو جائیگا

شورِ صرصر ہی میں ضم ہو جائیگی بانگِ درا
قافلے والوں کی گونجیگی مگر آہ و بُکا.

دشت میں بے راہ بھٹکیگا ہر اک صحرا نورد
خواہشِ منزل ہر اک سینے میں ہو جائیگی سرد

قافلے والوں کی بڑھ جائیگی بھوک اور تشنگی
قافلہ سالار کر لیگا کہیں پر خودکشی

ٹوٹ کر گر جائیگی صحرا کی ہر شاخِ نہال
ہر شجر ہو جائیگا اِس دشت میں غم سے نڈھال

آبلے روئینگے مل کر خار سے یکسر گلے
جب سنینگے اِس خبر کو دشت میں وہ دن ڈھلے

مستقل اڑتی رہیگی ہر طرف صحرا میں ریت
درد ہی کو بس اگائیگا سیہ صحرا کا کھیت

زید تجھ سے مجھے امید نہیں تھی ایسی
اک خبر لائیگا تو لایا ہے اس دم جیسی

کیا حقیقت ہے کہ لیلیٰ مری دنیا میں نہیں
تجھ کو دھوکا نہ دیا ہو کسی دشمن نے کہیں

کیا یہ سچ ہے کہ اجل نے اسے چھینا مجھ سے
یہ حقیقت ہے تو اب اور کہوں کیا تجھ سے

تو نے لائی جو خبر ٹھیک ہی لائی ہو گی
اُس نے جنت کہیں اب اور بسائی ہو گی

اس کو اس دہر کا دستور نہ بھایا ہو گا
اس لئے اُس نے نگر اور بسایا ہو گا

کیا قیامت ہے خموشی کو نوا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

اک عجب چیز ہے انسان کی فطرت کا تضاد
اس کو دیتا ہے گلا جو ہے مجسم جلاد

اس میں کیا شک ہے کہ ہم ہار گئے ہیں بازی
نہ شہادت ہی ملی اور نہ بنے ہم غازی

ہم کو افسوس ہے راس آ نہیں پائی دنیا
راس آنے کے لئے ویسے یہاں کچھ بھی نہ تھا

آج جو میری حکایت میں ہے الجھی ایسی
جانتا ہے کہ ادھر بیت رہی ہے کیسی

ایک بھی یار نہیں ایک بھی دلدار نہیں
ہاں یہی سچ ہے کہ مجھ کو کوئی آزار نہیں

میرے دل کا وہ کماندار بہت دور گیا
میرا وہ قافلہ سالار بہت دور گیا

بجھ گیا قلب مگر ایک دھواں باقی ہے
شمع کے بجھنے کا اتنا ہی نشاں باقی ہے

قافلہ جا بھی چکا بس نظر آتا ہے غبار
اور پس ماندوں کا بھی رختِ سفر ہے تیار

انجمن میں وہ مرا انجمن آرا نہ رہا
بات اب کس سے کروں بات کا یارا نہ رہا

دل کی آشفتہ سری کا تو وہی عالم ہے
شرر و شعلہ بھی اس دل کے لئے شبنم ہے

اک عجب موڑ پہ آئی ہے ہمیں لے کے حیات
بجھ گئی آتشِ دل سرد ہوئے ہیں جذبات

اتنا آساں تو نہیں سم کوئی پی کر دیکھے
جیسے ہم جیتے ہیں ویسے کوئی جی کر دیکھے

اس طرح سے کوئی جی لے تو جگر خوں ہوگا — زہرِ غم پیتے ہوئے حال دگرگوں ہوگا

جب رگ رگ دل میں اتر آئیگا زہرابۂ الم — لذّتِ کام و دہن شکوہ کریگی اُس دم

راستہ خود ہی بنا لیتی ہے برق اپنے لئے — تیرہ راتوں میں جلا لیتی ہے خود اپنے دیئے

جب وہ گرتی ہے تو خود آپ بھی مٹ جاتی ہے (ق) — اپنے مولد کی طرف لوٹ کہاں پاتی ہے!

میں کبھی تو برق کی مانند ہی اک عنصر ہوں — برق آسا ہی تو ہے میری صفت گوناگوں

حیف اک برق نے کاشانہ چُنا میرا ہی — دیکھتے دیکھتے گھر پھونک دیا میرا ہی

دل کو لینا ہو تو بس ایک نظر کافی ہے — مورِ بے پر کے لئے ایک شرر کافی ہے

ظرف کو دیکھ کے خوننابہ دیا جاتا ہے — کہیں کمزور سے تاوان لیا جاتا ہے؟

تیز ہے گردشِ دوراں تو ہیں ہم سُست رکاب — لاکھ طوفان ہو ساحل ہے ہمارا پایاب

ایک ادنیٰ سے پتنگے کو جلانے کے لئے — اہتمام اتنا بڑا اسکو مٹانے کے لئے!

ایک آہوئے سبک سیر کے کرنے کو ہلاک — تھا نہ لازم کہ در آتا کوئی چیتا چالاک

گُل تو ہو جاتا تھا گلزار میں خود ہی پامال — کیا ضروری تھا کہ تکلیف اٹھاتا بھونچال

چند لمحات تھے جب قطرۂ شبنم کا نصیب — کس لئے مہر نے کی آن کے اس کی تادیب

عنکبوتِ سبک اندام کے دینے کو سزا — کیا ضروری تھا کہ تکلیف اٹھاتی بِڑوا

ایک تتلی پہ ستم ڈھانے کو کرنے کو اسیر — کب ضروری تھا کہ آتا کوئی صیاد شریر

ہو نہیں سکتی تھی خرگوش کی ایسی ہمت — اپنے صیاد کے منہ آنے کی کرتا نیت

آتشِ شمع کو زحمت ہی ہوئی روزانہ — اپنی ہی آگ میں جل جاتا تھا خود پروانہ

آتشِ گل کو بجھانے کی نہیں تھی حاجت — کیوں خزاں نے یہ [illegible] اس میں اٹھائی زحمت

زلزلے تو نے تو تکلیف اٹھائی بیکار
خود ہی ہو جاتا تھا معدوم مرا گھر اس بار

پر نہیں پاتے بھلا اپنی یہ جرأت کب تھی
ایسے یلغار کی طوفان کو ضرورت کب تھی

اے فلک کیوں رسن و دار ہمیں بھجوائے
کچے دھاگے سے بندھے آتے تھے ہم خود ہی چلے

پر چرخ بے وجہ کیا شورِ صنم خانوں میں
بجھ ہی جاتی تھی شفق شام کے ایوانوں میں

ایک جھونکا ہی بجھا سکتا تھا ہم تھے وہ چراغ
ایسا دشوار نہ تھا دہر میں یاروں کا سراغ

ہم کو معلوم تھا جو بھی تھا ہمارا نقشہ
اژدھے تھے نہ کوئی ہم تھے فقط اک پشہ

تیر، تلوار، تبر، گرز کی حاجت کیا تھی
ایسے ہنگامے کی اے چرخ ضرورت کیا تھی

ایک ہی چٹکی سے تو ہم کو مسل سکتا تھا
ہلکے سے جھٹکے سے دم اپنا نکل سکتا تھا

اے فلک سچ ہے کہ ہم تجھ کو گوارا تو نہ تھے
پر ترے سامنے ہم معرکہ آرا تو نہ تھے!

'قتلِ عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا'

داستان گو

تھا دیدنی قیس کا نظارہ
تن خستہ تھا جامہ پارہ پارہ

مارا تھا ستم کا وہ بچارہ
ٹوٹا ہوا جیسے کوئی تارہ

اک غم تھا کہ اس کو کھا رہا تھا
خاموش اسے چبا رہا تھا

گرتا تھا کبھی، کبھی وہ اٹھتا
صدمے کے سبب وہ غم کا مارا

تصویرِ ملال بن گیا تھا
تھی اس کی روش سراب آسا

کچھ دیر کے بعد پھر سے سنبھلا
لیٹا تھا، اٹھا، ہوا روانا

حالت تھی بہت تباہ اسکی — دنیا تھی بہت سیاہ اُس کی
معدوم ہوئی تھی راہ اُس کی — محروم ہوئی تھی چاہ اُس کی
تھا اُس کا جگر الم سے چھلنی — اندوہ فقط تھا اُس کا ساتھی
تھے یار کے اُس کے لب پہ چرچے — پس قیس نے زید پُر الم سے
تُربت کے نشان اس کے پوچھے — حجرے سے نکل کے چلتے چلتے
جو کچھ اسے زید نے بتایا — مجنوں نے اسے گرہ میں باندھا
رفتار میں آ گئی تھی تیزی — مجنوں کو بہت تھی اُس کی جلدی
پہونچے یہ مزارِ یار فوری — تھی دل کو لگن بس ایک اس کی
پہونچا یہ دیارِ یارِ دلبر — غم دل میں لئے ہوئے نگوں سر
منزل پہ پہونچ کے چیخ نکلی — حالت ہی کچھ ایسی ہو گئی تھی
تربت ہی پہ گر پڑا جنونی — کیا ذکر ہو جو بھی دل پہ گذری
بے آب ہو جس طرح سے ماہی — کچھ ایسی ہی کیفیت تھی اُس کی
بے ہوش ہوا وہاں پہنچکر — سینے میں اتر چکا تھا خنجر
تقدیر کا تھا ستم سراسر — یہ خاک پہ خاک کے وہ اندر
مجنوں کی طرح ہیں غم کے مارے — تارے بھی تھے اشک ریز سارے
سناٹا تھا دشت و در پہ طاری — اندوہ کی تھی چٹان بھاری
یہ گھاؤ تھا حد سے بڑھ کے کاری — آنکھوں سے لہو تھا دل کا جاری
غم نے وہ کیا تھا حال اُس کا — تصویرِ فغاں ہی بن گیا تھا!

اک روز کے بعد ہوش آیا
کچھ غور سے آس پاس دیکھا

ہر سمت الم ہی حکمراں تھا
سناٹے کا ہر طرف تھا پہرا

قدرے ہوئی کم جو تلخ کامی
کرنے لگا قیس خود کلامی

قیس (میں کون ہوں کیا ہوں ؟)

للہ بتا دے کوئی میں کون ہوں کیا ہوں
ہوں شب کی سیاہی کہ ستارے کی ضیا ہوں

لگتی ہے یہ اک وادیٔ خاموش جہاں کی
ہے تیرہ و تاریک ہر اک چیز یہاں کی۔!

ہر سمت ہر اک سمت یہ کیسا ہے اندھیرا
کس غول نے اس وقت ہے اس دشت کو گھیرا

اک گونج ہے سناٹے کی ہر سمت فضا میں
خاموشی کے ذرات ہیں نقشِ کفِ پا میں

تاریک شب و روز تو تاریک مہ و سال
حاوی ہے ہر اک ذرے پہ تاریکیٔ اعمال

تارے بھی سیہ پوش نظارے بھی سیہ پوش
ہم مارے ہوئے غم کے سیاہی سے ہم آغوش

سناٹے کو اک نطق عطا کی ہے فلک نے
اس نطق کی آواز کوئی غور سے سن لے

اک شور ہے سناٹے کا سناٹے میں ہم ہیں
اک زور خموشی کا ہے سناٹے میں غم ہیں

گم ہو گیا غوغا میں میرا شورِ سلاسل
دل پہلے سے بسمل تھا ہوا اور بھی بسمل

لمحات کے ہاتھوں میں ہیں سناٹے کے ہتھیار
اوچھا نہیں کاری ہے خموشی کا ہر اک وار

سناٹے کے بازار میں بکتی ہے سماعت
کون اس کو خریدے کہ ہے محروم حرارت

اس خطے کا ہر ذرہ ہے خاموش نگوں سر
چاند اور ستارے بھی ہیں خاموش فلک پر

ہے نطق پریشاں تو صدا سر بگریباں
ہنگامۂ محشر کی بھی ظلمت ہے ہراساں

اس شہرِ خموشاں میں ہے مقتل کی خموشی — الزام کیسے دیں کہ یہاں کون ہے دوشی

مقتل میں ہیں شمشیر بھی اور دار و رسن بھی — ملزم بھی ہے قاتل بھی ہے ماتھے کی شکن بھی

قاتل ہی کے ہاتھوں میں ہو اگر دامنِ انصاف — ہے فیصلہ معلوم کہ ہے بات بہت صاف

ملزم پہ ہے الزام کہ گردن زدنی ہے — قاتل کو ہے اصرار کہ وہ سوختنی ہے

ملزم کی کبھی جاں پہ بنی تھی نہ بنی ہے (ق) — اس کی تو یہ مشکل ہے کہ وہ دل کا غنی ہے

مقتل میں کوئی آ کے تو دیکھے یہ تماشا — اے یارِ سرِ دار کھلا گُل ہے نیا سا

ہے کون وہ جس نے کہ پیا زہرِ ہلاہل — اور کس نے سہا ہے بخوشی قہرِ ہلاہل

ہے کون یہ مظلوم جو بے نام و نشاں ہے — ہے کس کی یہ تربت کہ جہاں فرشِ فغاں ہے

ہے کون یہ جس پر کہ پڑے سنگِ ملامت — ہے کون یہ رسوا سرِ بازارِ فضیحت

ہے کون کہ نفرت نے کیا ہے جسے غارت — گل کون ہے جس پر کہ یہ ٹوٹی ہے قیامت

کس کی یہ زباں بند ہے، ہے کون یہ مظلوم — ہے بے گنہی جس کے رگ و ریشے پہ مرقوم

ہے کون وہ جس پر کہ گری برق چمن میں — بے وجہ ہوئی خوار جو اپنے ہی وطن میں

ہے کون کہ جو چپ ہی رہا کرتی ہر روز — پیکان سہے جس نے کہ طعنوں کے جگر دوز

ہے کون یہ معصوم کہ اک غول نے جس پر — وہ ظلم کیے دیدۂ انجم بھی ہوئے تر

صادر کیا فتوے کہ ہے سولی کی سزاوار — ناکردہ گناہی پہ بھی ٹھہرایا گنہگار

ایذا اسے دی اور کیا ہر طرح سے برباد — اک ایسا ستم جس کی نہ ہے داد نہ فریاد

ہے کون یہ طائر کہ جو معذور ہے یکسر — صیاد نے پر نوچ لئے جس کے زمیں پر

افسوس کہ اب اپنی نوا سے بھی ہے محروم — نخچیرِ ستم آج ہے صد حیف یہ معصوم

ہے کون یہ مہتاب جو اس طرح ہے معتوب — کس ابر کی ظلمت سے ہوا ماہ یہ مغلوب
اک لالۂ زیبا کا جگر کس نے کیا چاک — اک چاند کے رخسار پہ کس نے یہ ملی خاک
ہونٹوں پہ نہیں آہ بھی ہے کون یہ مجبور — ہے کون سیم دیدہ سا، ہے کون یہ مقہور ؟
اک بے کس و عاجز پہ ستم ڈھائے ہیں کس نے — اور طوق و سلاسل اسے پہنائے ہیں کس نے
ہے کون یہ جس طرح کوئی نرگسِ بیمار — درماندہ و آزردہ و افسردہ و لاچار
اس گوشۂ خاموش میں ہے کون یہ گمنام — تن خستہ دل آشفتہ سرِ شام تہی جام
ہنگامۂ ہستی میں ہوا کون جگر خوں — آتا ہے اِدھر خاک بسر کون یہ محزوں ؟
اس طرح سے ہے کون کہ جو سینہ سپر ہے — نے خوف ہے جس کو نہ جسے کوئی خطر ہے
ہے شور یہ کس شوخ کی شوریدہ سری کا — کس حور کی آشفتہ سری بے جگری کا
سر کوفتہ ہے کون بیابانِ الم میں — ہے کون یہ معصوم خیابانِ ستم میں ؟
اے چرخِ جفا پیشہ یہ کیا تو نے کیا ہے؟ — مجھ سے مرا آرام و سکوں چھین لیا ہے
اب میرے لئے عیشِ جہاں کچھ بھی نہیں ہے — لیلیٰ جو نہیں ہے تو یہاں کچھ بھی نہیں ہے
اب میرا جنوں تو کوئی معنی نہیں رکھتا — اک حرفِ غلط دہر میں ہے اب مرا سودا
اوّل تو فراہم نہیں سامانِ خور و خواب — ہوتے بھی میسر جو کسی طرح یہ اسباب
میں ان سے بہر کیف اٹھاتا نہیں آرام — بے وجہ یہاں لے کوئی کس واسطے الزام

امڈا ہوا۔ ہر سمت ہے اک سیلِ بلا خیز — اے بچھڑے ہوئے یار کوائف ہیں غم انگیز
جب تو ہی نہیں دہر میں بے سود ہے جینا — جب تو ہی نہیں بزم میں ممکن نہیں پینا

کشتی مری ساحل پہ بھی برباد رہیگی
دُنیا یہی دنیا ہے تو کیا یاد رہیگی!

داستان گو

بیگانہ تھا قیس اب جہاں سے
روتا ہوا اچھل پڑا وہاں سے

برگشتہ تھا سود اور زیاں سے
مطلب نہ تھا اُس کو این و آں سے

رخصت ہوا وہ بنا پس و پیش
برداشت رہِ ولایت خویش

تھا اپنی حیات سے بہت تنگ
می داد زگریہ خاک را رنگ

طے کرتا چلا یونہی وہ فرسنگ
تھا اُس کے لبوں پہ ایک آہنگ

اک خار بھی رہ میں تھا نہ ایسا
آنکھوں سے لہو نہ جس کے چھلکا

کچھ عرصے تلک یونہی رواں تھا
گرتا تھا کبھی، کبھی تو اٹھتا

پھرتا تھا یونہی وہ صحرا صحرا
روتا تھا کبھی تو دریا دریا

رکھتا نہ تھا دل میں وہم بے جا
سر میں تھا اُسی پری کا سودا

جب تیز ہوا کچھ اور سودا
اک کوہ سے مثلِ سیل پھوٹا

پہنچا سوئے خوابگاہِ لیلیٰ
اُس کا تھا وہی بس ایک ملجا

روتے ہوئے متصل ہی اُس نے
تربت کے لئے ہزار بوسے

پیوست تھا دل میں غم کا خنجر
آنکھوں سے رواں تھا اک سمندر

روٹھا ہوا اُس سے تھا مقدر
قدرے جو ہوا سکوں میسر

اس طرح سے تب ہوا وہ گویا
ہر حرف میں دل کا مدعا تھا!!

قیس

(سر بزانو ہے نوا)

خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو
کیا غذا ملتی ہے لیلیٰ ترے دیوانے کو

سچ تو یہ ہے میں ترے پیار کے قابل ہی نہیں
میں کہ تیرے درِ دولت کا ہوں ادنیٰ سا غلام

رات کی عشوہ گری میرے صنم خانے میں
نورِ خورشید کے جلوے مری آنکھوں پہ حرام

مضحکہ خیز کہانی تو نہیں زیست مری
اس قدر رنج مجھے اے مری غمخوار نہ دے

مدتوں میں نے فقط تیری پرستش کی ہے
دل کو تو اور نئے طرح کے آزار نہ دے

میں کہ دن رات تجھے یاد کئے جاتا ہوں
میری تکلیف سے ہوتی ہے خوشی گر تجھکو

تو کہ بیگانۂ آئینِ وفا ہے جیسے
اس میں تو خوش ہے تو ہر دکھ ہے گوارا مجھ کو

تجھ کو ہے علم کہ دل ہار دیا ہے میں نے
ایک عرصے سے تیرے پیار کا دیوانہ ہوں

اپنی نظروں سے گرایا جسے یکسر تو نے
اے مری شمع ترا میں وہی پروانہ ہوں

آج پھر آیا ہوں اس دل کو لئے تیرے حضور
اٹھ کے اس بسترِ راحت سے مجھے دیکھ تو لے

ایک بار اور میں با دیدۂ نم آیا ہوں
"میں نہیں تجھ سے خفا" اتنا ہی کہہ دے مجھ سے

میں ادھر چاک گریبان و دل آشفتہ ہوں
تو نے دنیا ہی نئی اپنی بسائی ہے اُدھر

آج بھی رہ میں تری، میری بچھی ہے آنکھیں
آج بھی ہے مرے جذبات کا تو ہی محور

آج بھی میرے لبوں پر ہے ترا ہی چرچا
آج بھی میری یہ آغوش ہے وا تیرے لیئے!

آج بھی کنج میں بے تاب ہے میرا غنچہ
پہلے کی طرح سے اے بادِ صبا تیرے لیئے!

آہ اس دہر میں جز اشک نہیں میری متاع
نذر کرنے کو فقط چند گہر لایا ہوں

کچھ بجز اس کے نہیں اور کوئی میرا وجود
تو ہے اک جسم حسیں میں تو ترا سایا ہوں

زندگی ایک دوراہے پہ کھڑی ہے میری
تو بہت دور بہت دور گئی ہے جب سے

جاگتا آیا ہوں اے خواب مری آنکھوں کے
اک پلک بھی مری جھپکی ہی نہیں ہے تب سے

جب سے منہ موڑ گئی چھوڑ گئی تو مجھ کو
میں نے آلام زمانے کے سہے ہیں کیا کیا!

اب تو سوتے مری آنکھوں کے ہیں سوکھے سوکھے
اشک کے گوہر نایاب بہے ہیں کیا کیا

میں نے سمجھا تھا کہ تھا وصل بہت ہی آساں
مدتوں بعد مگر مجھ پہ ہوا راز یہ فاش

اتنا آسان نہ تھا سہل نہ تھا اپنا ملاپ
مجھ کو معلوم بہت پہلے ہی ہوتا اے کاش!

ہجر دشوار تھا لیکن مجھے معلوم نہ تھا
اس کو اپنائیگی تو اس قدر آسانی سے

چلو چھٹکارا ملا یہ بھی تو اچھا ہی ہوا
تجھ کو اس دہر کے زنداں کی پریشانی سے

یاد آتا ہے وہ دن جب میں ملا تھا تجھ سے
کیا بتاؤں کہ مرے دل کی تھی کیا کیفیت!

تو نے جب پہلے پہل پیار سے دیکھا تھا مجھے
آج بھی نقش ہے اس دل پہ مرے وہ ساعت

یاد ہے آج بھی مجھ کو وہ زمانہ جس وقت
دل یہ بندی نہ تھا آزاد تھا، سیلانی تھا

روز ہی دل سے رہا کرتی تھی صحبت اپنی
دل نہ تھا اصل میں اک یار مرا جانی تھا

تب سے راہوں میں گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے
گل ہوا جب سے ترے چہرۂ زیبا کا چراغ

جب سے اے قافلہ سالار ہوا تو رخصت
تب سے ہی محو ہوا گرد میں منزل کا سراغ

سنگِ صحرا کی مقدر میں ہے میرے ٹھوکر
خوار و رسوا ترا مجنوں ترا شیدائی ہے

طعنے دیتے ہیں مجھے خار، شرر ہنستے ہیں
ہے مدارات مری یا کہ یہ رسوائی ہے

آہ اے یار کہوں کیا ترے ناقے کا ملال
وہ تو اس دشتِ بلاخیز میں آوارہ ہے!
تیری ہستی کے سبب سے جو درخشاں تھا کبھی
آج صد حیف وہ ٹوٹا ہوا اک تارہ ہے
اپنی ان آنکھوں کو میں بند کئے بیٹھا ہوں
جب نہیں تو، تو ہو نظارہ محمل کیسے
کرکے پیوست اُدھر خنجرِ غم سینے میں
مسکراتا ہے ادھر ظلم یہ قاتل کیسے!
مطلعِ چشم پہ اک ابر سا ہے چھایا ہوا
مجھ پہ ہی اشک فشاں اب مری بینائی ہے
میری حالت پہ انہیں فکر ہے داماں ہے چاک
اشک برسانے کو پلکوں کی صف آرائی ہے
ہو گئی جانِ چمن دہر سے تو یوں رخصت
جیسے گلزار سے اٹھ جاتی ہے پل میں شبنم
جس طرح اشک ٹپک جائے خموشی سے کہیں
صبح کو بزم قمر جیسے ہو درہم برہم

میری محبوب ذرا اپنی لحد سے مجھ کو
دے دعا ایسی کہ مشکل مری آساں ہو جائے!
جلد آئے وہ گھڑی آن ملوں میں تجھ سے
خاک اس دشت میں میری بھی پریشاں ہو جائے!

داستان گو

تھا خستہ جگر، شکستہ تن تھا
اک حرفِ غلط سیانہ پن تھا
خاموش تھا خود، خموش بن تھا
خاموش تھا تن، خموش من تھا
اُس دشت میں جتنے دام و دد تھے
صف باندھے کھڑے ہوئے تھے آگے!
دل جانوروں کے بھی تھے بھاری
آنکھوں سے تھے اشک ان کے جاری

غم قیس کے قلب پر تھا طاری
خاموش کھڑی تھی وہ عماری

آنکھوں میں لئے ہوئے سمندر
یعنی کہ سرشکِ پاک گوہر

کیا کہئے عجیب اک سماں تھا
استادہ سا ایک کارواں تھا!

نظّارہ کناں خود آسماں تھا
ہر سمت فقط دھواں دھواں تھا

شبنم کے بھی آ رہے تھے آنسو
تارے بھی بہار ہے تھے آنسو!

ہر ذرّۂ ریگ پر نیاں تھا
سنّاٹا وہاں پہ حکمراں تھا

ہر سمت وہی رواں دواں تھا
اک رنج سے خم خود آسماں تھا

آلام کی کیسی یہ گھڑی تھی
قدرت بھی خموش ہی کھڑی تھی

سنّاٹے کے غلغلے کو سن کر
آپہونچے طیور بھی وہاں پر

جب قیس کا حال دیکھا ابتر
ان سب کی ہی آنکھ ہو گئی تر

رونے سے بُرا تھا حال ان کا
بھاری تھا بہت ملال ان کا

محبوب لحد میں سو رہا تھا
ہر ذرّۂ خاک رو رہا تھا

یا دانۂ اشک بو رہا تھا
نایاب گہر کو کھو رہا تھا!

اُس دشت کی ماتمی فضا تھی
شب کی بھی تو ماتمی ردا تھی

قدرت کے یہ جی میں کیا سمایا
اک لکّۂ ابر ادھر کو آیا

اک پل ہی میں ہر طرف کو چھایا
اک گنج سرشک ساتھ لایا

برسائے کچھ اس طرح سے آنسو
بہنے لگی اس زمین پر جُو

ہر دیدۂ آبلہ تھا نمناک
دامن تھا ہر ایک خار کا چاک!!!

تھے گریہ کناں نخیل و خاشاک — تر چشم تھا گلستاں میں ہر تاک !

آنسو ہی رواں تھے دشت و در میں — تھے اشک ہر ایک رہ گزر میں

صحرا میں جو کھل رہا تھا لالہ — زخم اپنے وہاں دکھا رہا تھا

گریے سے بُرا تھا حال اس کا — تھا اس کے بھی دل کا گھاؤ گہرا

ہر چند سبھی شریکِ غم تھے — مجنوں کے الم مگر نہ کم تھے

تھی آنکھ سرشکِ غم سے خونیں — حنظل نہ تھا تلخ بلکہ شیریں !

آزردہ تھی طبعِ ماہ و پرویں — انجم کے تھے اشک، اشکِ سیمیں

بکھرے ہوئے اشک کے تھے گوہر — نایاب نجوم تھے زمیں پر !

روتے ہوئے یونہی رات گذری — بیساکھی پہ چلتی صبح آئی

سورج کی بھی آنکھ سرخ ہی تھی — روتے ہوئے آئی تھی سواری

شبنم کی دیارِ دشتِ غم میں — بھیگی ہوئی آنکھ تھی الم میں

مجنوں اٹھا بسترِ الم سے — رخسار پہ مار کے طمانچے !

دنیا پہ عیاں تھے رنج اس کے — بوسہ دیا اک لحد کو پہلے !

اور پھر وہ ہوا وہاں سے رخصت — جیسے ہو کوئی جہاں سے رخصت

جس راستے سے بھی وہ گذرتا — ہر قلب میں ایک گھاؤ کرتا

غم اس کا بکھرتا اور سنورتا — ہر آنکھ سے ایک سیل جھرتا

چلتا تھا مگر غشی تھی طاری — دل پر تھا جو زخم اس کے کاری

ہر راہ پہ خلق تھی دو رویہ — ہر شخص اسی کو دیکھتا تھا

ہر آنکھ میں تھا لہو کا دریا
ہر دل میں الم ہی تھا سراپا
تھا قیس پہ سب کو ہی تاسف
خاموش تھی لب پہ آہ اور اُف
یوں خود سے ہی ہم سخن تھی خلقت
لاریب کہ لوٹی اک قیامت

خلقت

مجنوں پہ جو کی گئی فضیحت
لیلیٰ کی بوجہ جاہلیت — !
افسوس سماج فتنہ گر تھا
شبنم میں نہاں کوئی شرر تھا
افسوس ہوئے وہ ایسے ناشاد
وہ دونوں جو تھے مثالِ فولاد
اک وار میں ان کو تیغِ جلاد
بس کر گئی یوں تباہ و برباد
اے کاش ہمیں اب عقل آئے
اب راہ ہمیں کوئی دکھائے

داستان گو

کچھ وقت اسی طرح سے بیتا
مجنوں رہا اپنے ہونٹ سیتا
اک زہرِ الم رہا وہ پیتا
جس طرح سے وہ رہا تھا جیتا
جینا تو نہ تھا مگر تھا جینا
ہر لمحہ الم کے گھونٹ پینا
اک روز اُدھیڑ بُن تھی جاری
اک رنج تھا اس کے دل پہ طاری
ٹھہری وہاں آ کے اک عماری
ناقے سے تب اتری اک سواری
بغداد سے تھا سلام آیا
ہمراہ طعام اپنے لایا

سلام بغدادی (سلامِ محبّت)

بہت دور سے پھر میں آیا یہاں پر — بہت دیر کے بعد چمکا مقدّر
زمانے کے بعد آپ کی یاد آئی — یہی یاد مجھ کو یہاں کھینچ لائی
مجھے آپ سے تو تعلّق ہے دل کا — یہی وجہ ہے جو یہاں آن پہنچا !
حضور آپ لے لیں سلامِ محبّت — کروں عرض آنے کی تب غرض و غایت

قیس (کیوں تکلیف کی)

اے جواں مرد تو آیا ہے یہاں بارِ دگر — یاد تیری مجھے آتی ہی رہی ہے اکثر
تجھ کو ہے علم کہ تو بھی ہے مجھے دل سے پسند — آج مل کر تجھے میں پھر سے ہوا ہوں خرسند
اس بیابان میں کیا چیز تجھے لائی ہے — کیا ضرورت تھی تو کس شے کا تمنائی ہے
اس بیاباں سے بہت دور ہے شہرِ بغداد — کس لئے آیا ہے تو، تجھ پر پڑی کیا افتاد !
مجھ کو امید ہے ویسے تو بہر حال ہے خوش — طور سب خوش ہیں ترے اور تری چال ہے خوش
للہ الحمد کہ صحت بھی تری اچھی ہے — اور امید ہے صحت بھی تری اچھی ہے !
خوش تو ہیں تجھ سے ترے طور سے اب گھر والے — ویسے خوش رہتے ہیں کس شخص سے کب گھر والے
میں خوش ہوں کہ ملنا ہوا تجھ سے میرا — اب ذرا یہ تو بتا حال ہے کیسا تیرا
اس قدر دور تجھے آنے کی حاجت کیا تھی — ایسی تکلیف اٹھانے کی ضرورت کیا تھی

سلام بغدادی

(برسوں کا بیمار)

سپاس آپ لیں مجھ سے پہلے تو میرا — کرم ہے جو فرمایا اے شاہِ صحرا
حضور آپ ہی کی رہی ہے عنایت — بھلا چنگا ہوں اور اچھی ہے صحت
جو مجھ پر تلطّف رہا ہے ہمیشہ — جناب آپ کا یاد رکھتا ہے بندہ
سدا آپ مجھ پر یونہی مہرباں ہوں — دعا ہے کہ یونہی مرے قدرداں ہوں
عنایت ہمیشہ مرے حال پر ہو، — عطا آگہی ہو خبر دینے سے مجھ کو!
جو دی قبل اس کے بھی رُشد و ہدایت — اسی وجہ سے کی ہے میں نے جسارت
میں حاضر ہوا ہوں یہاں پر دوبارا — خود اپنی طبیعت سے پا کر اشارا
عطا پھر سے ہو وہ شعور و فرا — عنایت ہو پھر آگہی اور بصیرت
ولیکن یہاں میں یہ کیا دیکھتا ہوں — عجب سا نیا ماجرا دیکھتا ہوں
اُداسی سی چھائی ہوئی ہے یہاں پر — حضور آپ کا ہے بہت حال ابتر
بہت تن شکستہ مجھے لگ رہے ہیں — نہ جانے اَلم آپ نے کیا سہے ہیں
بُرا کچھ نہ مانیں اگر اب کہوں میں — حضور آپ تو ٹوٹ کر رہ گئے ہیں
نہ آنکھوں میں تیزی نہ چہرے پہ سرخی — خزاں آپ کے رخ پہ ہے آج کیسی؟
مجھے فکر ہے آپ کیوں مضمحل ہیں — خدارا بتائیں کہ کیوں مشتعل ہیں؟
تشنّج سا اعصاب میں ہے یہ کیسا؟ — تکلف سا آداب میں ہے یہ کیسا؟
ہوا رنگِ سرخ آپ کا پیلا پیلا — لگے ہیں دیا مجھ کو بجھتا ہوا سا

بتائیں کہ صحت ہے کس طرح کھوئی — کہ جیسے ہو بیمار برسوں کا کوئی
نہیں آپ کے رخ پہ کوئی بشاشت — ہے تن میں ستم گر مرض کی اقامت!
پریشان ہوں آپ کو جب سے دیکھا — کریں دھیان صحت کا اب تو خدارا
خدا سے دعا ہے کہ ہو وہ نگہباں — عطا اپنے دربار سے کر دے درماں

داستان گو

سنتے ہی یہ گفتگو سرا [illegible] ز — مجنوں کا بہت تھا حال ابتر
یوں اس کو لگا کہ جیسے یکسر — پیوست کیا کسی نے خنجر
سینے میں جگر میں اور دل میں — ہر عضو میں یاں تلک کہ تِل میں
اک وجد کے حال میں تھا مجنوں — دل خون ہوا جگر ہوا خون
حالت ہوئی اور رہی دگرگوں — وہ ہو گیا حد سے بڑھ کے محزوں
اک آہ دل و جگر سے نکلی — سیدھی جو حریم عرش پہونچی
پس وہ ہوا مثلِ مرغ بسمل — دل پر گری آ کے اک بڑی سِل
کچھ اور بڑھی جو دل کی مشکل — سینے ہی میں گھٹ گیا وہ گھائل
بے آب ہو جس طرح سے ماہی — مجنوں کی ہوئی تھی وہ تباہی
بے جان سا نقش بن گیا تھا — گلشن میں خزاں ہی ڈھونڈتا تھا
ساز امن کا کبھی کا بے صدا تھا — ک ستیوں میں بے ضیا تھا
تن اس کا کہاں تھا اک کھنڈر تھا — لوٹا ہوا اک پڑا آشجر تھا

کچھ دیر یونہی تھا سویا کھویا ۔ اک عرصے سے وہ نہیں تھا سویا
ہر زخم کو اُس نے پہلے دھویا ۔ اُس طرح سے پھر ہوا وہ گویا
الفاظ میں تھا بلا کا جادو ۔ گفتار کا اک نیا تھا پہلو!

قیس

(دل کا نگر تاراج ہے)

اے سلام آیا ہے بغداد سے تو بہرِ نمو ۔ تیری خوبی ہے کہ آیا ہے بہت دور سے تو
تو نے جو کچھ بھی کہا میں نے سنا غور سے آج ۔ تجھ کو ہے فکر کہ کیوں جسم ہے میرا تاراج
میں ستم کش ہوں تجھے اس کی پریشانی ہے ۔ چھوڑ اس قصے کو مر جانے میں آسانی ہے
مشتعل دل ہے ترا اس کو تو رکھ قابو میں ۔ یہی اچھا ہے رہے یہ تری پہلو میں
دیکھ ایسا نہ ہو دل حد سے گذر جائے کہیں ۔ ورنہ پھر اس کا پتہ تجھ کو تو ملنے کا نہیں
تو نے دیکھا ہے مرے چہرے پہ اک اضمحلال ۔ میرے تیور میں ملا ہے تجھے اک حرفِ سوال
آہ معلوم نہیں تجھ کو جو بیتی مجھ پر ۔ ایک جلاد نے تاراج کیا دل کا نگر!
کیا ہوا کب یہ ہوا اور ہوا ہے کیسے ۔ دل کا جو حال ہوا کیسے کہوں میں تجھ سے
ایک صیاد نے گھر لوٹ لیا ہے یکسر ۔ اب نہیں کچھ بھی مرے پاس بجز دیدۂ تر
ویسے بھی کیا تھا مرے پاس بجز قلبِ حزیں ۔ حیف وہ دل بھی تو باقی مرے سینے میں نہیں
وہ جو رکھتے ہیں ہم اک شومئ تقدیر سو ہے ۔ وہ جو رکھتے تھے ہم اک حلقۂ زنجیر سو ہے
تارِ نسبت ٹوٹ گئے ساز ہے یکسر خاموش ۔ کیا قیامت ہے کہ ہے فتنۂ محشر خاموش
ایک دل اس پہ ان آفات کی یلغار تو دیکھ ۔ اور کیسے ہوا رسوا سرِ بازار تو دیکھ

وار آزار کے اس دل نے سہے کیا کیا کچھ
کہنا چاہے کوئی گر کس سے کہے کیا کیا کچھ !

غیر تو غیر ہیں اپنوں نے دیئے ہیں آزار
بن کے ہمدرد ہی سینے میں اتاری تلوار

ہم سمجھتے تھے کہ خلوت میں رہینگے تنہا
ذہیچ آفت نہ رسد گوشۂ تنہائی را ،

آہ لیکن یہ نہایت ہی غلط تھی تصویر
ہم نے پایا ہے بلاؤں کا یہاں جمّ غفیر

دل یہ صحرائی تھا، سودائی تھا، دیوانہ تھا
اس کا اک چشم سیہ مست سے یارانہ تھا

اس کی خاطر ہی زمانے میں ہوا ہے رسوا
اس کی خاطر ہی ستم اس نے سہے ہیں کیا کیا

جان لیوا ہے وہ غم جو کہ دیا قاتل نے
خوب ہنستے ہوئے اس غم کو سجایا دل نے

بجھ گئی شمع مگر اب بھی دھواں باقی ہے
زندگی اس کی تو فریاد کناں باقی ہے !

آہ کیا تجھ سے کہوں کون سا طوفاں ٹوٹا
ایک رہزن نے سر راہ ہمیں کو لوٹا ،

آہ کس منہ سے کہوں تاب بیاں کب ہے مجھے
باغ میرا ہوا تاراج خزاں میں کیسے !

اہل بغداد کو جا کر تو سنا دے یہ خبر
راہیٔ ملک عدم ہو گیا میرا دلبر

گل ہوا موت کی آندھی سے وہ تابندہ چراغ
دہر میں اب کوئی پا سکتا نہیں اس کا [illegible] !

دیکھتے دیکھتے لیتی گئی لیلیٰ کو اجل
ایک لمحے میں ہی آہ وہ گذرا ہوا کل .

سخت جانی ہے میری میں ہوں ابھی تک جو حیات
شاخ آہو پہ ہی عشّاق کی ہوتی ہے برات

یار کے بعد بھی کیا کوئی جیا کرتا ہے
بے سبب ہی کوئی کب زہر پیا کرتا ہے

مجھ پہ جو کچھ بھی گذرنی تھی گذر ہی تو گئی
جو تگ و دو تھی جہاں میں مرے سر ہی تو گئی

کس طرح برق گری آہ وہ احوال نہ پوچھ
سوختہ کیسے ہوئے اپنے خد و خال نہ پوچھ

اوس کو کیسے اڑا لے گئی سورج کی کرن
کس طرح چاک ہوا ایک کلی کا دامن

آہ اک پھول پہ کس طرح سے آفت ٹوٹی
زلزلہ آیا، گری برق، قیامت لوٹی

کس طرح ایک حسیں ماہ گہن میں آیا
کیسے پت جھڑ سازیاں کا رچمن میں آیا

خونچکاں چشم مری قلب ہے غمناک مرا
ایک شعلے نے جلایا خس و خاشاک مرا

حادثے جو بھی ہوئے آہ وہ اب کس سے کہوں
جو بھی گذرے ہیں الم آہ وہ سب کس سے کہوں

مختصر یہ کہ نہیں کچھ بھی مزا جینے میں
اپنا چہرا نظر آتا نہیں آئینے میں!

کیونکہ اس جسم پہ رخ اپنا کہاں ہے باقی
اب کسی مے کی طلب مجھکو نہیں ہے ساقی

داستان گو

چپ چاپ سلام سن رہا تھا
کچھ دیر کے بعد اس نے دیکھا

مجنوں کا فزوں ہوا تھا سودا
آنکھوں سے امڈ رہا تھا دریا

باقی نہ رہا تھا دل پہ قابو
اٹھتی تھی فقط صدائے یا ہُو!

اس کی دل و جاں پہ آ بنی تھی
باقی نہ کوئی خوشی رہی تھی

لگتا تھا کہ سانس عارضی تھی
جینے کی سبیل مٹ گئی تھی

جس شاخ پہ اس کا آشیاں تھا
اس شاخ سے اٹھ رہا دھواں تھا

تن اس کا تھا ہڈیوں کا ڈھانچہ
رخ پر غم یار کا طمانچہ

تھا روح پہ طوق اور سانچہ
جن میں تھا جڑا الم کا کھانچہ

تصویر خیال تھا مجسم
خم، غم سے ہوا تھا قدِ آدم

اب قیس تھا حد سے بڑھ کے بیکل
آنکھیں تھیں سرشکِ غم سے جل تھل

زائل تھا قرار اور کس بل — اعضا تھے تھکن سے سارے ہی شل

اک تودۂ خاک بن گیا تھا — داماں کا چاک بن گیا تھا

تھا دشت میں وہ سراب آسا — مٹنے ہی کو تھا اب اس کا سودا

ماؤف ہوا تھا ذہن اس کا — تھا زخم ہی اس طرح کا گہرا

خاموش خزاں کو دیکھتا تھا — حسرت سے جہاں کو دیکھتا تھا

مٹّی میں اٹے تھے بال اس کے — اشکوں سے پٹے تھے گال اس کے

از حد تھے تباہ حال اس کے — گہرے تھے بہت ملال اس کے

اب پاس میں اس کے کیا رہا تھا — وہ حرفِ سوال بن گیا تھا

روتا ہی رہا تمام شب قیس — گریے سے الگ رہا تھا کب قیس؟

فارغ ہوا اشکِ غم سے جب قیس — دقّت سے اٹھا وہاں سے تب قیس

اور مشہدِ یار کو سدھارا — تھا ساتھ سلام بھی بچارا

روضے پہ پہونچ کے غم کا مارا — یک لخت ہی گر پڑا وہ سیدھا

گریے سے بُرا تھا حال اس کا — ہر سمت تھا اشکِ غم کا دریا

آنسو کی جھڑی لگی ہوئی تھی — یا آگ بھڑک رہی تھی دل کے

تھا حال سلام کا بھی ابتر — وہ بھی تھا تباہ حال یکسر

تھا وہ بھی غریب غم کا پیکر — اس کے بھی تو دل میں غم کا خنجر

پیوست ہوا تھا ایسا گہرا — تصویرِ الم وہ بن گیا تھا

اک عرصے تلک رہی خموشی — بولا نہ وہاں کسی سے کوئی

ہر شے پہ غمی سی چھا گئی تھی   ہر چیز بنی تھی اک پہیلی
جب بسترِ غم سے قیس اٹھا   تب اُس سے ہوا سلام گویا

سلام بغدادی

(ایک تہذیب اک تمدن)

آہ لیلیٰ گذر گئی ہیہات   جس کی تھی بات بات میں اک بات
آہ اک مرگِ ناگہاں افسوس   زندگانی کا یہ زیاں افسوس!
کس قدر غمگسار تھی لیلیٰ   اس چمن کی بہار تھی لیلیٰ
کتنے اُس کے تھے آپ گرویدہ   آج کتنے ہیں آپ غم دیدہ!
کس قدر اُس سے پیار کرتے تھے   جان اس پر نثار کرتے تھے
اُس سے کچھ دن بھی گر نہ مل پاتے   آپ کتنے اداس ہوتے تھے
درحقیقت وہ جانِ محفل تھی   جانِ محفل تھی، آنِ محفل تھی
تھی گرانمایہ چیز وہ ہستی   ایک تہذیب، اک تمدّن تھی
تھی ہر اک مسئلے پہ وہ حاوی   یعنی وہ روحِ عصرِ حاضر تھی
تھی طبیعت میں اس کی جودت سی   اس کے رخ پر تھی اک ذہانت سی!
تھی قلمروئے نازکی سرتاج   تھا نہ ہے اس کا کوئی ثانی آج!
موت سے اس کی بس ہوا معلوم   زندگی جیسے ہو گئی معدوم
آپ پر جو گذر رہی ہے حضور   آپ جس طرح سے ہیں اب مجبور
حال دشمن کا بھی نہ ہو ویسا   کوہِ غم آپ پر ہے جو ٹوٹا!

آج وہ حال آپ کا ہے یہاں
شمع سے جیسے اٹھ رہا ہو دھواں
جسم جیسے مجسم ایک قصور
روح ، رِستا ہوا سا اک ناسور
آب باقی ہے اور نہ باقی رنگ
دل کے شیشے پہ آگیا ہے زنگ
نطق اک سازِ بے صدا سا ہے
قلب بجھتا ہوا دیا سا ہے
سر سے پا تک ہیں یاس کی تصویر
ایک غمگین خواب کی تعبیر
چشم پُرنم ہے چال بے ہنگم
بال بکھرے سے حال بے ہنگم
ایک پیکر ہیں حُزن و حرماں کے
چاک ہیں آپ اک گریباں کے
نور باقی نہیں وہ پہلا سا
دُل ہوا ہے چراغ مفلس کا
دل فسردہ ہے اور روح نڈھال
شوق مجروح ولولے پامال
آہ کتنے بدل گئے ہیں آپ
غم کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں آپ!

قیس

(سکوتِ لایعنی)

میری لیلیٰ گذر گئی بے شک
وہ گئی دل کو دے کے ایک کسک
اس کے جانے سے فرق اتنا پڑا
ایک دور ایک عصر ختم ہوا ،
آب و آتش میں اب چمک ہی نہیں
خاک اور باد میں کھنک ہی نہیں
ان عناصر کی گم ہے گیرائی
ان میں باقی نہیں توانائی !
ایک سکتے میں زندگانی ہے
دہر کا ہر نشان فانی ہے
چاند تارے سسک رہے ہیں اِدھر
اک سیاہی ہے مہر کے رخ پر

اب نہیں کوئی گلُ بہار بدوش — واہے گلشن میں خار کا آغوش
کاسۂ واژگوں سا ہے گردوں — ذرّہ ذرّہ ہے دشت کا محزوں
اب کھلیگا نہ کوئی پھول یہاں — ایک عالم پہ چھاگئی ہے خزاں
دھول اڑتی ہے دہر میں یکسر — آگ میں اب نہیں ہے کوئی شرر
ہر طرف اک سکوتِ لایعنی — زندگانی ہوئی ہے بے معنی
مے کدے میں نہیں ہے دم باقی — نہ تو مے ہے یہاں نہ ہے ساقی

زوال

طائرانِ چمن خموش خموش — آہوانِ ختن، خموش، خموش
دام و دَد دشت کے ملول، ملول — ذی نفس حُزن سے ملول، ملول
ہے ہر اک قلب پر ہراس، ہراس — دشت تا بام و در ہراس، ہراس
دشت میں ہے جنوں سراب، سراب — ہے جنوں سرنگوں سراب، سراب
آسمان و زمیں تباہ، تباہ — ہر مکان و مکیں، تباہ تباہ!
زندگی بن گئی صلیب، صلیب — اور کچھ تن گئی صلیب، صلیب
ذرّہ ذرّہ ہوا شکست، شکست — ہار ہے بر ملا شکست، شکست
تن کے ہر عضو پر خراش، خراش — روح زخمی جگر خراش، خراش
نوجوانی ہوئی نحیف، نحیف — زندگانی ملی نحیف، نحیف
ہے ہر اک شے پہ اب جمود، جمود — اس طرح کا تھا کب جمود، جمود

ذہن اور جسم و جاں علیل، علیل — گل، کلی، گلستاں علیل، علیل

قلب زخمی، جگر فگار، فگار — آنکھ گھائل، نظر فگار، فگار

چاندنی ماہ کی سیاہ، سیاہ — قاف کی ہر پری سیاہ، سیاہ

چشم سے ہے عیاں شکست شکست — نہیں تابِ بیاں شکست شکست

ہے ہر اک حسن کو زوال زوال — آہ اے ہوش زوال زوال!

خواہشِ وصل ہے دروغ، دروغ — جام، میخانہ، مے دروغ، دروغ

پاس جو تھے وہ ہیں بعید، بعید — اک پری اور ہیں بعید، بعید!

آرزو، خواہشیں اسیر، اسیر — جستجو، کاہشیں اسیر، اسیر

کوئی ملتی نہیں نوید، نوید — اس جگہ ہے کہیں نوید، نوید

خواہشِ زندگی فضول، فضول — عشرت و سرخوشی فضول فضول

دہرِ جان و تن خراب، خراب — دہر کی انجمن خراب، خراب

آگ سے ٹوٹتے شرار شرار — مہر سے چھوٹتے شرار شرار

کب تلک یوں رہوں حقیر، حقیر — سیلِ غم میں بہوں حقیر، حقیر

غمزۂ دلبراں قتیل، قتیل — شیوۂ عاشقاں قتیل، قتیل

اس کا ملنا ہے اب محال محال — چاک سلنا ہے اب محال محال

ہے مقدر مرا فراق، فراق — کب تلک اے خدا فراق، فراق

ہر طرف ہیں مرے حریف، حریف — ہیں مرے اور ترے حریف، حریف

ان کو آتا نہیں حجاب، حجاب — زیست میں ہے کہیں حجاب، حجاب

ہر طرف شہر میں شغال، شغال — ہر طرف دہر میں شغال، شغال
اے دلِ قیس اب شکیب شکیب — ویسے تھا تجھ کو کب شکیب، شکیب
ہوگئی داستاں دراز، دراز — عمر کوتہ، بیاں دراز، دراز
ہاں جو تو غم کی بات کرتا ہے — زخم سے اور دل میں بھرتا ہے
کون سے دل پہ غم کا قہر نہیں — کون سے جام میں یہ زہر نہیں
غم تو ہے دل کا نغمۂ بے صوت — غم نہ ہو گر تو زندگی ہے موت
غم سے پاتے ہیں جسم و جاں تشکیل — غم سے ہوتی ہے عشق کی تکمیل
غم ہے معراجِ روح کا اک نام، — غم کے مذہب میں خوش دلی ہے حرام
دل پہ غم کی گھٹا برستی ہے — زندگی موت کو ترستی ہے،
آج ہر شئے ہوئی ہے بے معنی — جام میں مے ہوئی ہے لایعنی
کون طوفاں کو روک پایا ہے — کون آندھی کو لوٹ پایا ہے؟
اب کوئی بات بن نہیں پاتی — کوئی صورت نظر نہیں آتی
صبح صورت نہیں ہے دکھلاتی — نیند بھی رات بھر نہیں آتی
ہیچ ہے زندگی سراسر، ہیچ — بندگی، عاشقی، سراسر ہیچ

داستان گو

تھا شعر و سخن کا وہ ہمالا، — مجنوں کا کمال تھا کچھ ایسا
ہر شخص جہاں میں معترف تھا — مشہور ہوا تھا اس کا سودا

اشعار اسے نئے [illegible]ناتا اس طرح سے حوصلہ بڑھاتا!

سلام بغدادی

(ہر دوانے کو کہاں جامہ دری آوے ہے)

سنا ہے لیلیٰ نہیں جہاں میں حیات ہے آپ کی زیاں میں
بہت ہی سخت ایک امتحاں ہے یہ امتحاں کیا بلائے جاں ہے
کسی شقی نے خزانہ لوٹا الم کا اک کوہ سر پہ ٹوٹا
عجب دوراہے پہ زندگی ہے غضب کی راہوں میں بیکسی ہے
کسے پکاریں کسے صدا دیں کسے صدا دیں کسے پکاریں
نہ چاند تاروں میں روشنی ہے یہاں ہر اک سمت تیرگی ہے

چمن میں شبنم بھی رو رہی ہے شجر حجر کو بھگو رہی ہے
فلک پہ تارے سسک رہے ہیں قمر کی سب راہ تک رہے ہیں
ہے الگ اک ماتمی فضا ہے صبا کے سر پہ سیہ ردا ہے
خموش و ساکت رباب زہرا افق سے تا بہ افق اندھیرا
ہر ایک ساغر میں ہے ہلاہل ہے ہر طرف سیل غم کی ہلچل
زمین اور آسماں سیہ ہیں بہار اور کہکشاں سیہ ہیں
خموش ہے باغ میں صنوبر خموش صیاد سا ستم گر
نجوم ہیں آسماں پہ گم سم خموش ہے نور کا تلاطم!

اب تھا نہ کسی جگہ وہ معتوب — محبوب بنا تھا سب کا محبوب

مجنوں تو عظیم شعر گو تھا ، — تھا شہرِ جنوں میں اس کا چرچا

لب پر تھا سبھی کے نام اس کا ، — تھا قیس نہ کوئی بے سہارا ،

از قصہ و قطعہ و قصیدہ — یک یک بنوشت بر جریدہ

واں جتنے بھی دن سلام ٹھہرا — اس کا یہی اہتمام ٹھہرا!

یعنی یہی انتظام ٹھہرا — مجنوں کے قریں مدام ٹھہرا!

حاصل جو کر دشت میں ہوئے تھے — ایام وہ ساتھ ہی گذارے

مجنوں سے شغف اسے تھا اتنا — ہمزاد سا اس کا بن گیا تھا!

قصہ تھا بس اک اسی کا قصہ — لب پر نہ کبھی کچھ اور آتا!

کرتا نہ کبھی وہ قیل اور قال — اس طرح سلام کا تھا احوال

مجنوں کے جنوں میں شک کیسے تھا — تھا اس کا یہ اک عظیم جذبہ!

عشق اس کا نہ تھا کوئی تماشا ، — دراصل وہ تھا اک ایسا سودا ،

قدرت نے کبھی سنا نہ دیکھا — سمجھا نہ سکا نہ کوئی — تھا!

اک پھول بھی تھا نہ رہ گذر میں — تھے خار ہی راہِ معتبر میں!

اک آگ لگی ہوئی تھی گھر میں — اک گھر نہیں سارے ہی نگر میں

لیلیٰ کا وفات سانحہ تھا — یا ایک عظیم المیہ تھا!

کوشش تھی سلام کی یہ پل پل — ہو پائے نہ قیس اور بیکل ،

ملتا رہے اس کو ایک کس بل — جلتی رہے زندگی کی مشعل ،

سمندروں کے حواس گم ہیں   خیال گم ہیں قیاس گم ہیں
غموں کا اک جشن سا بپا ہے   چمن الم کا کھلا ہوا ہے !
ستم کا ہے نصب شامیانہ   ہے رقص میں آج اک دوانہ !
ہے شمع افسردگی فروزاں   خزاں کی زد پر ہے ہر گلستاں
امڈ رہا ہے دکھوں کا طوفاں   اگل رہا ہے دہانِ ہذیاں
تباہیاں ہیں قیامتیں ہیں   قیامتیں ہیں کہ آفتیں ہیں !
افق پہ آتش زدہ شفق ہے   چمن میں ہر گل کا رنگ فق ہے
ملول و غمگیں ہے شام کا رخ   اداس لیلیٰ کے بام کا رخ
ادھر سحر کی بھی چشم نم ہے   کہ وہ سحر سے ہی وقفِ غم ہے

وہ تیر سینے پہ آ لگا ہے   کہ جس نے معذور کر دیا ہے
یہ سچ ہے صدمہ گراں ہے بے حد   کہ جان و تن کا زیاں ہے بے حد
مگر ہیں آپ ایک مردِ آقا   ہیں عشق میں ایک فردِ آقا !!
زمانہ اس بات کا ہے شاہد   یہی کہوں گا کہ ہیں مجاہد !!
مصافِ الفت کے مورچے کے (ق)   جہاد میں ہیں سبھی سے آگے
اب آگیا ہے وہ وقت یکسر   نیا ہو سودا نئے ہوں تیور
تلاش کا زاویہ نیا ہو ،   سفر نیا بادیہ نیا ہو !
ضرورت اس کی ہے اشد حاجت   کہ ختم ہو آپ کی یہ وحشت

نئی ہو قدریں نیا تفکّر
نیا ہو نغمہ نیا ہو اک رُخ
نیا ہو آہنگ سوچنے کا
نئی ہو منزل نیا ہو رستا!
کہ دشت اب ہو گیا پرانا
بسائیں اک شہر اب نیا سا
جہاں تعقّل کی روشنی ہو
نئے خیالوں کی چاندنی ہو!
جہاں ہوں ادراک کے سویرے
فنا ہوں اوہام کے اندھیرے
جہاں خرد وہم پر ہو حاوی
جہاں خرد دل کے ہو مساوی!!
جہاں روایت نہ معتبر ہو
جہاں فقط معتبر نظر ہو۔!!
'جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا'
نشان اس کے ہیں اب ہویدا
'وہ عالمِ پیر مر رہا ہے'
وہ آدمِ نو اُبھر رہا ہے،
اسی کو اب ہم گلے لگائیں
قدیم ماضی کو بھول جائیں!
جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا مٹا اندھیرا اگا سویرا
یہی ہے اک حرفِ محرمانہ یہ ہے حقیقت نہیں فسانہ!

قیس

(نیا موڑ)

وہی راز تھا جو مخفی وہی آشکار ہے اب
"غمِ عشق" کی جگہ پر "غمِ روزگار" ہے اب!
یہ مرا جنون سلامت، مجھے کام کیا خرد سے
مجھے کیا خرد سے مطلب مجھے کام نیک و بد سے!!
میں برہنہ تن ہوں اچھا مجھے پیرہن سے مطلب!
جو خزاں میں کھل رہا ہو اسے فصلِ گل سے کیا اب؟!
اسی بادیے میں میں نے نئے گل کھلائے کیا کیا
مری روح میرے دل نے نئے زخم کھائے کیا کیا!
خس و خاک دشت و در کی مرا دل ہی چھانتا ہے
جو اٹھائے اس نے صدمے مرا دل ہی جانتا ہے

ہے عجیب موڑ پہ اک مری زندگی کا دھارا — مجھے کچھ نہ ہو میسر مجھے ہے یہی گوارا
مجھے کیا ملا جہاں سے مجھے کیا دیا جہاں نے — لیا انتقام مجھ سے بلا وجہ آسمان نے
نہ تو شام ہے مری اب نہ سحر مری سحر ہے — کہ خموش ہو گیا ہے مرا ساز اور مری نے
مرا دل ہوا ہے بسمل مرا ہو گیا جگر خوں — مری چشم چشم پرنم، مرا حال ہے دگرگوں
نہ ہے آج ہی کی خواہش نہ مجھے ہے فکر کل کا — نہیں اس کی کچھ حقیقت کہ ہے ایک خواب ماضی
گرے برق لاکھ سر پر کہ ہزار سنگ برسیں — مری وحشتیں سلامت نہ ہو زخم اک بھی بس میں

مرے اے عدو مبارک تجھے میری بینوائی
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

لام بغدادی (کہاں عشوہ گری آوے ہے)

آنکھ صحرا میں ہر اک گل کی بھری آوے ہے — جب بھی دلدار نسیم سحری آوے ہے!
سر پہ جب گرتا ہے اک کوہِ الم عاشق کے — اس کی آنکھوں میں تب آشفتہ سری آوے ہے
جب بہار آوے ہے آوے ہیں رفوگر کتنے — دل کے زخموں کی کیسے بخیہ گری آوے ہے
شہر میں یوں تو بہت عام ہے جادو نظری — ہر فسوں گر کو کہاں عشوہ گری آوے ہے
نہیں شایاں رسن و دار کا ہر اک حلاج — شاخ اک آدھ ہی سولی کی ہری آوے ہے!
سر تراشیدہ بہت ہیں یہ قلندر کتنے — ہر سکندر کو کہاں شیشہ گری آوے ہے!
عاشقی کھیل نہیں ہے نہ تماشا ہے کوئی — جب جگر خون ہو تب دیدہ وری آوے ہے
ہر قبا کا یہ شرف کب ہے کہ پرزے ہو جائے — ہر دوانے کو کہاں جامہ دری آوے ہے!

عشق میں آپ ہی یکتائے زمانہ ہیں فقط   آپ کو بے خطری بے جگری آوے ہے

داستان گو

بے حال تھا بے نوا تھا اب قیس   بے نور تھا بے ضیا تھا اب قیس

تن چاک تھا بے ردا تھا اب قیس   بیمار تھا بے دوا تھا اب قیس !

لب پر تھی فقط اک آہ باقی   منزل تھی نہ کوئی راہ باقی

بے آب تھا قیس مثلِ ماہی   لیلیٰ کی وفات تھی تباہی

اس کی رہِ عشق کا تھا راہی   باقی نہ تھا احتشامِ شاہی

تھا صرف زمانہ یار اس کا   جو حوصلہ اس کو دے رہا تھا

زمانہ

(حقیقت یہ ہے !)

ہوئے ہو قیس آخر کار تم بے یار بے یاور

تمہاری زیست بے معنیٰ ہوئی ہے آج سرتا سر

حقیقت ہے گرا ہے غم کا اک کوہِ گراں سر پہ

تمہاری زندگی میں اب فقط اک غم ہی باقی ہے

جہاں میں اب تمہارا ایک تن اک دم ہی باقی ہے

وہ لیلیٰ جو زمانے کی حسیناؤں میں یکتا تھی

وہ دلبر جو کہ خاص و عام کی آنکھوں کا تارا تھی

وہ مہرو جو تمہاری زندگانی کا سہارا تھی

گئی وہ اس طرح خاموش اس دنیا کی محفل سے
کہ جیسے اشک نکلے آنکھ سے یا آرزو دل سے

وہ تم سے دور تھی پھر بھی تمہارے پاس رہتی تھی
بہت مجبور تھی اور ظلم دنیا بھر کے سہتی تھی
تمہارا نام لے کر وہ فقط اک بات کہتی تھی!

کوئی صحرا میں جا کے تم تک اس کی بات پہونچا دے
'کہ این مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے!'

مجھے کچھ شک نہیں اس میں کہ اس کا عشق صادق تھا
رہیگا رہتی دنیا تک ہی اس کے عشق کا چرچا
اٹھائے جور اس نے کتنے اور طعنے سہے کیا کیا

نہایت تھی وہ پاکیزہ بہت ہی پاک طینت تھی
وہ بے حد پاک فطرت، پاک دامن پاک عصمت تھی

یہ سچ ہے تم اکیلے رہ گئے ہو اس کے جانے پر
تمہاری زندگی کی ہر خوشی اب مٹ گئی یکسر
دریدہ پیرہن، بے دل، پریشاں حال اور مضطر

تمہارے واسطے باقی فقط اک غم ہے کھانے کو
کہو گے کیا اب تو غم ہی کافی ہے دوانے کو

ہوا جو کچھ بھی ہونا تھا مگر تم دل کو ڈھارس دو
خدا دے تم کو طاقت اک ذرا تم حوصلہ رکھو
جنوں کو ترک کردو اور لبادہ ہوش کا پہنو

اطاعت کو تم اپناؤ کرو ایماں کو پھر تازہ
اگر تم کھٹکھٹاؤ گے تو کھل جائیگا دروازہ!

داستان گو

تھی قیس کی زندگانی برباد ۔ تھا دشت میں بھی کہاں وہ آباد
غمگین و حزیں ملول ناشاد ۔ آخر کو سدھارا سوئے بغداد
کب تک وہ جنوں کا ساتھ دیتا ۔ کب تک یونہی آسرا وہ لیتا؟
اب قیس تھا بے قرار، بے چین ۔ بے نور تھے زندگی کے دن رین
تھا موت و حیات کے وہ مابین ۔ وہ اہلِ جنوں کا قرۃ العین
اُٹھا، ہوا پھر سے وہ روانہ ۔ تھا مرقدِ یار ہی ٹھکانہ
تن اُس کا ہوا تھا جیسے تنکا ۔ یا جیسے کہو، ہوا کا جھونکا
تھی اُس کی حیات، بحباب آسا ۔ اب موت ہی تھی علاج اُس کا
دل میں لئے ایک ہی تمنا ۔ وہ مشہدِ یار آن پہنچا
بس ایک ہی آرزو تھی باقی ۔ ہوجائے نزیانِ جسم خاکی
بجھ جائے چراغ زندگانی ۔ کافی تھی جو زندگی گذاری

لیلیٰ جو نہیں تو جینا کیسا ۔ ساقی جو نہیں تو پینا کیسا ؟
آتے ہی وہ گر پڑا سراسر ۔ رونے لگا روضے سے لپٹ کر
تھا دیدنی ماتمی یہ منظر ۔ تھا ایک صدف اور ایک گوہر
کچھ عرصے تلک رہی یہ حالت ۔ طاری رہی اسپہ ایک رقت
شب ختم تھی پھوٹنے کو تھی پو ۔ مٹنے ہی کو تھی چراغ کی ضو
برسوں سے تھی قیس کی تگ ودو ۔ آئی جو سحر تو بجھ گئی لو ،
"برداشت بسوئے آسماں دست ۔ انگشت کشادہ دیدہ بربست"
دل میں لیے وصلِ یار کی چاہ ۔ صحرائے جنوں کا وہ شہنشاہ
لی اس نے جیب کی گذرگاہ ۔ ہے کون کہ جس نے لی نہ یہ راہ
"راہیست عدم براںچہ ہستند ۔ از آفتِ قطع او ترستند"

نوحہ

صبا ہے چاک داماں اور بیاباں سربزانو ہے
بتائے کون کس سے آہ دیوانے پہ کیا گذری
نہ جانے کتنے میکش میکدے سے فیض یاب آئے
اٹھا وہ بادہ کش پیاسا تو میخانے پہ کیا گذری
تاسف تھا سبھی کو جل بجھی جب شمع محفل میں
کسی نے یہ نہ پوچھا آہ پروانے پہ کیا گذری

جو اپنا تھا بیگانہ تھا ہوا جب وہ بھی بیگانہ
یہ حالت دیکھ کر بستی کے بیگانے پہ کیا گذری
دوانے کا بھلا کیا غم دوانہ تو دوانہ تھا
خرد سے کیوں ہوا بیگانہ فرزانے پہ کیا گذری
گئے سب پی پلا کے بادہ کش رخصت ہوا ساقی
رہی باقی نہ مے بھی جب تو پیمانے پہ کیا گذری
" غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری؟ "

داستان گو

تھا زید جو قیس کا پرستار ۔ یعنی کہ وہ اک خجستہ پرکار
اک رات تھا نیند میں وہ سرشار ۔ اک خواب تھا، خواب ہی میں بیدار
جب زید ہوا تو اس نے دیکھا ۔ یک مرد و یک زن تھے واں پہ یکجا
فردوسِ بریں کا تھا وہ منظر ۔ تھا ایک چمن حسین و خوشتر
گل ہائے شگفتہ و معطر ۔ رنگین قبا تھے جو سراسر
آراستہ تھی بہشتِ زیبا ۔ ہر سمت خوشی کا سلسلہ تھا
" حوریں بکرشمہ آشکارا ۔ اور سارے ملک تھے با مدارا
پاتے ہی کسی کا اک اشارا ۔ غلمان ہوتے تھے [illegible] آرا

حور اور فرشتے بے گماں تھے — جنت میں رفیقِ جاوداں تھے
تھیں فاختگاں بہ وردِ معبود — بہتی تھی چمن میں اک ... یں رود
تھا صرف زمیں پہ ہست اور بود — جنت میں نہ تھا زیان اور سود
تھا صحن بھرا ہوا شجر سے — اور راستے قیمتی حجر سے
تھا فرشِ بہشت کیا ہی زیبا — یک تخت بہ فرش ہائے دیبا
یک مرد و یک زن تھے آرمیدا — اُس تخت پہ عشق کا تھا سایا
"گہہ بر لبِ جام لب نہادند — گہہ بر لبِ خویش بوسہ دادند"
اور پھر کبھی اپنی ہی کہانی — بات اپنی خود اپنی ہی زبانی
حوروں کو ز راہِ قدر دانی — نرمی سے بہ لحنِ آسمانی
کہتا بس اپنی ہی حکایت — اک طنز سے جس میں تھی حلاوت
پس زید نے خواب میں ہی پوچھا — اک پیرِ فلک سے جو وہاں تھا
ہیں کون یہ دو بشکلِ زیبا — ہے دونوں کے بیچ کیسا رشتا
اُس پیر بزرگ نے بتایا — عاشق ہیں دونوں قیس و لیلیٰ
یہ دونوں زمین سے ہیں آئے — حور اور ملک کے دل کو بھائے
ہیں ساتھ میں سلسبیل لائے — دنیا میں نہیں اب ان کے سائے
آسائشِ دہر واں نہ پائی — دونوں کی مرادیاں ... بر آئی
جب شعلۂ صبحِ گیتی افروز — "در خرمنِ شب زد آتشِ روز"
وہ بھول گیا تھا حشرِ دیروز — یہ خواب بہت تھا درس آموز

اس خواب سے زید ہوا جو بیدار "کردایں ہمہ راز را پدیدار"

القصہ یہ ختم ہے حکایت!
یعنی کہ نظامی کی روایت
ضم اس میں ہے داستانِ حکمت
موجود ہے عشق کی حرارت

"افسانۂ آں دو ہم مدارا در عالم از و شد آشکارا"

'زخاکِ قیسِ دل افگار بوئے عشق می آید'